ندائے منبر و محراب

خامس

تالیف

محمد اسلم شیخوپوری

ناشر

مکتبہ حلیمیہ

ندائے منبر و محراب

جلد خامس

تالیف

محمد اسلم شیخوپوری

جس میں قدیم و جدید موضوعات پر دس مدلل اور مفصل خطبات و مقالات شامل ہیں۔ خطباء اور لیکچررز کے لئے بے مثال تحفہ۔ عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔ آیات و احادیث، مستند حکایات و واقعات، عالمانہ نکات و اشارات کا بیش بہا خزانہ

ناشر

مکتبہ حلیمیہ

سائٹ کراچی ۱۶

نام کتاب	ندائے منبر و محراب جلد خامس
تالیف	محمد اسلم شیخوپوری
ناشر	مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی
کتابت	حافظ گلزار احمد
طبع ثانی	ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

ملنے کے پتے

مکتبہ حلیمیہ متصل جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی پوسٹ کوڈ ۷۵۷۰۰

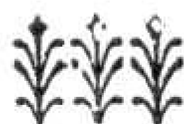
مولانا محمد اقبال نعمانی گارڈن کراچی

مکتبہ سیّد احمد شہید اُردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار، راولپنڈی

مکتبہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

اجمالی نظر



فہرست مضامین

انتساب

وہ جمعہ کا مبارک دن تھا اور ربیع الاوّل کی ۲۸ تاریخ ـــــــــ اسی مہینے میں اس عظیم انسان کی ولادت ہوئی تھی، جو گرے ہوؤں کو اُٹھانے، ٹھکرائے ہوؤں کو سینے سے لگانے، مستضعفین کو سر آنکھوں پر بٹھانے اور جور و جفا کے طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کا پیغام سنانے آیا تھا۔ مزدور کے حقوق، یتیم کی شفقت مظلوم کی دادرسی، مسکین کی ہمدردی اور عورت کی عظمت کا سبق اسی بے مثال پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیا ــــــــ عورت جسے نحوست اور بدبختی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ آقائے کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے رحمت کی نشانی قرار دیا

۲۸ اور ۲۹ ربیع الاول کی درمیانی شب نے میرے آقا کے دعوے کی سچائی کا ایک اور ثبوت پیش کر دیا ـــــــ یہ شب قیامت کی شب تھی ـــــ

ـــــ آج کل کراچی کی ہر رات بلکہ ہر دن قیامت کا دن ہوتا ہے خاک و خون میں تڑپتی لاشیں، ڈرل اور آگ سے داغ داغ جوان جسم، کٹے ہوئے اعضاء، دہکتے الاؤ، دھواں، دھواں فضا، گولیوں کی دنادن دن اور نالہ و شیون کی آوازیں، روشنیوں کے اس شہر کا مقدر بن کر رہ گئی ہیں

اس رات موسیٰ کالونی کے تہیدست مزدور دن بھر کی مشقت کے بعد میٹھی نیند سو رہے تھے کہ چند خون آشام درندے ان کے لئے پیغام اجل بن کر آ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے آٹھ بے گناہ کلمہ گو مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ان درندوں نے تین بیٹیوں کے ایک باپ کے خون سے بھی اپنی غلیظ پیاس بجھانی چاہی لیکن تینوں معصوم بیٹیاں اپنے باپ پر ڈھال بن کر لیٹ گئیں۔ انھوں نے طے کر لیا تھا کہ باپ کے جسم میں جو گولی جائے گی وہ ہمارے جسم سے ہو کر جائے گی۔ ان بچیوں کی آہ و زاری اور ایثار نے ان درندوں کے سینے میں موجود گوشت کے لوتھڑے میں جذبۂ ترحم پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی انگلیوں سے لوحِ دہر پر جلی حروف میں لکھ دیا کہ بیٹیاں نحوست نہیں، رحمت ہوتی ہیں

ـــــــ یہ چند سیاہ اوراق انہیں روشن جبین بیٹیوں کی نذر کرتا ہوں۔

محمد اسلم شیخوپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سعادت کی تلاش

پانچویں جلد پیش خدمت ہے۔ ہر جلد پیش کرتے وقت اپنے عجز اور ہیچ مدانی اور فرومائیگی کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔ نہ یہ حروف لکھنے کے قابل تھا نہ اب ہوں پھر بھی ٹیڑھی میڑھی آڑھی ترچھی چند لکیریں کھینچ لیتا ہوں تو یہ محض اس مالک و خالق کا کرم ہے جو اگر چاہے تو چیونٹی سے وہ کام لے لے جو بڑے بڑے سُورما بھی انجام نہ دے سکیں۔

یہ سلسلۂ خطبات، دعوت و تبلیغ کی ایک کڑی ہے اور دعوت و تبلیغ شیوۂ پیغمبری ہی نہیں بلکہ فریضۂ نبوت بھی ہے۔ اس فریضہ کی کماحقّہٗ ادائیگی کے لئے اولاً تو دردِ دل کی ضرورت ہے۔ ایسا درد جو کسی کروٹ چین نہ لینے دے۔

سچا داعی وہ ہے جو قوم کی بدحالی، انسانیت کی دین سے دوری، شیطنت کا تسلط، نوجوانوں کی گمراہی، ماؤں، بہنوں کی بے پردگی، بزرگوں کا تغافل و تجاہل، ظلم و عدوان کا غلبہ اور ضلالت کی تاریکی دیکھ کر سراپا درد بن جائے اور اس کا دن کا سکون اور راتوں کی نیند حرام ہو جائے۔

حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی دین سے دوری پر مضطرب اور بے قرار رہتے تھے۔ ایک شب وہ بے چینی میں کروٹیں بدل رہے تھے، اور

آہیں بھر رہے تھے کہ ان کی اہلیہ نے اس اضطراب اور بے چینی کی وجہ پوچھی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر اس کی وجہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے تو آہیں بھرنے والا ایک نہیں رہے گا بلکہ دو ہو جائیں گے۔

دوسری صفت جو داعی کے اندر ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنے پروگرام کی سچائی اور کامیابی کا پورا پورا یقین ہو۔ اگر داعی کے سینے میں خود ہی شکوک و شبہات کے کانٹے ہوں۔ تو وہ دوسروں کے دل میں یقین پیدا نہیں کرسکتا۔ اس یقین کا حال دیکھنا ہو تو رسول کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے۔ سارے عرب کی مخالفت اور قریش کی بدترین عداوت کے باوجود جس چیز نے آپ کو جادۂ استقامت پر قائم رکھا وہ یہی یقین تھا۔ سچے داعی میں جس تیسری صفت کا ہونا ضروری ہے وہ اس کی عملی زندگی ہے۔ داعی کی عملی زندگی ایسی ہونی چاہیئے کہ اس کی نشست و برخاست، اس کی خرید و فروخت اور اس کا چلنا پھرنا دعوت بن جائے۔ وہ جس چیز کی دعوت دے اس پر سب سے پہلے خود بھی عمل کرے، تبھی اس کی دعوت مؤثر ہو سکتی ہے۔ قال بلا حال اکثر بے اثر ہوتا ہے۔

ان تین بنیادی صفات کا ہر داعی میں ہونا ضروری ہے۔ جب ان تین صفات کی روشنی میں اپنے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتا ہوں تو سوائے ندامت اور عاجزی کے چند آنسوؤں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا، عجز و بے چارگی کے یہ چند آنسو ہی میری کل کائنات ہیں، کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آتا کہ میں بھی وہ سچا داعی بن گیا ہوں جو داعیانہ صفات سے متصف اور پیغمبرانہ اخلاق سے مزین ہوتا ہے، جس کا وعظ اثر انگیز اور

جس کی دعوت انقلاب آفرین ہوتی ہے اگرچہ اس سلسلۂ خطبات میں جو پھول اور کلیاں ہیں۔ ان کی سجاوٹ اور بناوٹ میں اس ناچیز کا کردار محض پھولوں کو لڑی میں پرونے والے کا سا ہے لیکن اس کردار کا نبھانے والا اگر کوئی ماہر ہوتا تو ان کی پھبن کچھ سوا ہوتی۔

شاید قلم و قرطاس کے اس مشغلہ میں کوئی ایسے دو حرف معرضِ تحریر میں آجائیں جو بارگاہ حق میں قبول ہو جائیں اگر ایسا ہو گیا تو یقیناً یہی دو حرف اس نامہ سیاہ کی مغفرت اور بخشش کا سامان بن جائیں گے۔

ابتداء ہی میں قارئین کی خدمت میں عرض کر دیا گیا تھا کہ اس کتاب کا انداز عام کتابوں سے ہٹ کر ہو گا۔ ان خطبات اور مقالات میں نہ تو اپنی شیریں بیانی سے قارئین کو سلانے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ ہی مقفّع و مسجّع عبارتوں سے انہیں مبہوت کیا گیا ہے بلکہ بر سر زمین کو حقائق کی روشنی میں جھنجھوڑا گیا ہے اور کتنے ہی مقامات ہیں جہاں لفظوں سے نشتر کا کام لیا گیا ہے۔

ان مواعظ میں علمیت تو ظاہر ہے کیا ہو گی لیکن اتنا یقین ضرور ہے کہ پڑھنے والا ان میں اپنے دل کی آواز محسوس کرے گا اور یہی سمجھے گا کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور حالات کا تقاضا بھی۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو مفاسد رُونما ہو چکے ہیں، ان سے چشم پوشی نہیں کی گئی بلکہ کھل کر ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان سطور کا راقم پاکستان کے آشوب زدہ شہر کراچی میں مقیم ہے۔ جہاں ہر روز جوان لاشے گرتے ہیں اور جنازے اٹھتے ہیں، ظاہر ہے کوئی بھی حساس انسان نالہ و شیون کی اس فضاء سے چشم پوشی نہیں کر سکتا اور نہ ہی ...

معلوم ہوتا ہے کہ قتل و غارت گری کے ماحول میں حاضر ناظر جیسے مسائل
چھیڑ کر ٹوٹے ہوئے دلوں میں مزید فاصلے پیدا کئے جائیں۔ جہاں زندوں
کا سماع بھی مشکوک ہو وہاں مُردوں کے سماع اور عدمِ سماع کی بحثیں یقیناً
بے وقت کی راگنی کہلائیں گے۔

پیش نظر حالات سے مؤلف کا ذہن تو متأثر تھا ہی۔ بے جان قلم بھی
محفوظ نہیں رہ سکا۔ چنانچہ آپ دوران مطالعہ محسوس کریں گے کہ اکثر
مقامات پر کسی نہ کسی مناسبت سے صراحتاً یا اِشارۃً ان حالات کا تذکرہ
نوک قلم پر آ ہی گیا ہے۔ ـــــــــــ آیئے! مل کر دعا کریں کہ
بارِ الٰہ! لاکھوں عزتوں کی پامالی اور جانوں کی ہلاکت کے نتیجے میں حاصل
ہونے والے اس ملک اور اس شہر کی حفاظت فرما!

اگر اس کتاب کے مطالعہ سے کوئی ایک ذہن بھی دینی جذبات
سے مالا مال ہو جائے اور کوئی ایک انسان بھی اصلاح کے لئے آمادہ ہو جائے
تو یقیناً اس فرومایہ کے لئے ایسی سعادت ہو گی جس پر رشک کیا جائے
یہ ساری جان کاہی اسی سعادت کی تلاش میں ہے اور جوئندہ یابندہ کے
اُصول کے مطابق اسکے حصول سے ناامید بھی نہیں ہوں۔

محتاجِ دُعاء

محمد اسلم شیخوپوری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت نامہ

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمالِ جنوں
نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا سے بیزاری
نہ اس میں عہدِ کہن کے فسانہ و افسوں
حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطون

علامہ محمد اقبال رحمہ

"یہ دس باتیں جو آپ کے سامنے بیان کی گئی ہیں، آئیے ہم ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں

فقر و فاقہ کی وجہ سے نہ تو اولاد کا جسمانی قتل کریں اور نہ ہی روحانی قتل کریں۔

ہر قسم کی بے حیائی سے اپنے دامن کو بچائیں۔

کسی انسان کے قتل ناحق سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہ کریں۔

کسی کے مال پر اور خاص طور پر یتیموں کے مال پر قبضہ نہ جمائیں۔

ناپ تول ہمیشہ درست رکھیں

جب بھی بات کہیں عدل و انصاف کی کہیں۔

اللہ کے ساتھ کیئے گئے عہد کو پورا کریں۔

کتاب و سنّت کے راستے سے ذرّہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں"



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت نامہ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ
تو کہہ! تم آؤ، میں سنا دوں جو حرام کیا ہے
رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا
تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو۔
بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ
اسکے ساتھ کسی چیز کو، اور ماں باپ کے
اِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ
ساتھ نیکی کرو اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو
مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
مفلسی سے، ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور
وَاِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا
ان کو اور پاس نہ جاؤ بے حیائی کے کام
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ
وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا
ہو اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام
النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
کیا ہے اللہ نے مگر حق پر، تم کو یہ حکم کیا
بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ
ہے تاکہ تم سمجھو، اور پاس نہ جاؤ یتیم
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ وَلَا تَقْرَبُوْا
کے مال کے مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ
یہاں تک کہ پہنچ جاوے اپنی جوانی کو
هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
اور پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف
اَشُدَّهٗ ج وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
سے، ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم
بِالْقِسْطِ ج لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا
کرتے ہیں جس کی اس کو طاقت ہو اور
اِلَّا وُسْعَهَا ج وَاِذَا قُلْتُمْ
جب بات کہو تو حق کی ہو اگرچہ وہ
فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى
اپنا قریب ہی ہو اور اللہ کا عہد پورا
وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ
کرو، تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت

وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ
صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا
السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ
وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

پکڑلو اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی
سو اس پر چلو اور مت چلو اور راستوں
پر کہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستے سے
یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو۔

گرامی قدر سامعین! آپ کے سامنے سورۃ الانعام کی آیت نمبر اکیاون سے آیت نمبر ترپین تک تین آیات تلاوت کی ہیں، یہ بڑی اہم آیات ہیں، ان میں جو دس باتیں بیان کی گئی ہیں، ان پر عمل کرنے سے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی سنور سکتی ہے، اور آج ہمیں جو انتشار و افتراق، قتل و غارتگری، جھوٹ اور بدعہدی حق تلفی اور لوٹ مار، فحاشی و بے حیائی اور گھریلو اور خاندانی نظام کی تباہی اور بربادی نظر آرہی ہے، یہ درست ہو سکتی ہے، اور ہم ایک اچھے انسان اور کامل مسلمان بن سکتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے تو روزانہ اپنے دن کا آغاز کرتے ہوئے ان آیات کا مفہوم سامنے رکھ کر ان آیات کی تلاوت کر لیا کریں، اور رات کو سونے سے قبل یہ جائزہ بھی لے لیا کریں کہ میں نے ان دس احکام پر کہاں تک عمل کیا، کون سا حکم اور کون سی بات ابھی تک میری عملی زندگی میں نہیں آسکی، اور کس شعبے میں ابھی تک کمزوری پائی جاتی ہے، یوں جب اپنا تنقیدی جائزہ لیں گے اور کوشش بھی کریں گے اور کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ دس کے دس احکام ہماری عملی زندگی میں آجائیں گے اور پھر ہمیں دل کا سکون، اخلاق کی پاکیزگی، اللہ تعالیٰ کی رضا، دنیا کی عزت و سرفرازی اور آخرت کی کامیابی انشاء اللہ تعالےٰ ضرور نصیب ہو گی۔

ان تین آیات کی اہمیت و عظمت کا اندازہ آپ اسی بات سے لگائیں کہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہتا ہو، جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے، ان میں وہ وصیت موجود ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے امّت کو دی ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ انسان کے لئے وصیت کی کیا اہمیت ہوتی ہے، ایک شخص اپنی وفات کے بعد اپنی اولاد کے لئے، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے اپنے متعلقین اور دوست واحباب کے لئے جن باتوں کو بہت ضروری سمجھتا ہے، ان کی وہ وصیت کر جاتا ہے تو یوں سمجھئے کہ یہ دس باتیں وہ ہیں، جو آپ کی امت کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دس باتوں کو آپ کا مُہر بند وصیت نامہ قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالےٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو خطاب کر کے فرمایا:

"کون ہے جو مجھ سے تین آیتوں پر بیعت کرے، پھر یہی تین آیتیں تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اس بیعت کو پورا کرے گا، تو اس کا اجر اللہ تعالےٰ کے ذمہ ہو گیا"

گویا یوں سمجھئے کہ حضور علیہ السلام کے جو امّتی زندہ تھے ان کو تو آپؐ نے ترغیب دی کہ مجھ سے ان تین آیتوں پر بیعت کر لو، اور جو آپؐ کے بعد آنے والے تھے ان کو آپ نے ان پر عمل کرنے کی وصیت فرما دی۔

اور بات صرف یہ نہیں کہ یہ تین آیتیں آپ کا وصیت نامہ ہیں بلکہ خود ربُّ العٰلمین نے بھی ان تین آیتوں میں سے ہر آیت کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے

"ذَالِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ" یہ الفاظ تین بار ارشاد فرمائے، جن کا معنی یہ ہے کہ ا
تعالیٰ نے تمہیں ان باتوں کی وصیّت کرتا ہے اور تاکیدی حکم کرتا ہے "تاکہ تم سمجھو،
تم یاد رکھو، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور بچتے رہو،

مفسّرِ قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ آ
عمران میں اللہ تعالیٰ نے آیاتِ محکمات کا جو ذکر کیا ہے تو وہ یہی تین آیات ہ
اور ان آیات میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان پر حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر
خاتم الانبیاء صلّے اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السّلام کی شریعتیں متفق ر
ہیں، ان میں سے کوئی چیز کسی مذہب وملّت اور کسی شریعت میں منسوخ نہیں
ہوئی۔ کعب احبار رضی اللہ عنہ جو تورات کے ماہر عالم ہیں، پہلے یہودی تھے
پھر مسلمان ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ آیات جن میں دس حرام
چیزوں کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات بسم اللہ کے بعد انہی
آیات سے شروع ہوتی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہی وہ دس کلمات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر
نازل ہوئے تھے۔ ؎

شرک نہ کرنا

ان دس باتوں میں سب سے پہلی بات اور سب سے پہلا حکم
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا،
کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دوسرے جرائم تو معاف ہو سکتے ہیں، مگر شرک ایسا جرم ہے
جو کسی صورت معاف نہیں ہو سکتا، سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ـــــ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ — بیشک نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک

؎ چاروں احادیث جو یہاں ذکر کی گئی ہیں، مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
نور اللہ مرقدہٗ نے "معارف القرآن" میں نقل کی ہیں۔

يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

(سورۂ نساء پ۵)

ٹھہرائے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے۔

سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا:

ہٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ
ُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ
ا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ

(سورۃ الانعام پ۷)

بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کے سوا حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں ظالموں کی مدد کرنے والا۔

مشرک خواہ کیسا ہی سخی کیوں نہ ہو، کیسا ہی با اخلاق کیوں نہ ہو، کیسا ہی عبادت
یاضت کرنے والا کیوں نہ ہو، کیسا ہی حاجی اور نمازی کیوں نہ ہو، کیسا ہی بہادر
مجاہد کیوں نہ ہو، کیسا ہی ذاکر و شاغل کیوں نہ ہو،

اس پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا سوائے دوزخ کے اور کوئی نہیں
ہ شرک وہ چنگاری ہے جو اعمال کے خرمن کو جلا کر دیتی ہے یہاں تک کہ
تعالٰی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سمیت دوسرے تمام انبیاء کرام
السلام کیطرف بھی وحی کی گئی کہ اگر آپ جیسی شخصیات میں سے بھی کسی سے
سرزد ہوا تو نبوت و رسالت جیسے عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود
کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سورہ زمر میں ہے:

ْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ
قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ
كَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(سورۂ زمر پ۲۴)

البتہ تحقیق حکم دیا جا چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے پہلوؤں کو کہ اگر تو نے شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں میں۔

ظاہر ہے نبی معصوم بھی ہوتا ہے اور محفوظ بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی اپنے

نبی کی خود حفاظت فرماتا ہے، اس لئے کسی نبی سے شرک کے ارتکاب کا تص
بھی نہیں ہو سکتا، لیکن ہمارے جیسے انسانوں کو سمجھانے کے لئے فرمایا گیا کہ جب
شرک ایسا ہولناک جرم ہے کہ اگر بالفرض اللہ کے پیاروں اور مقربین خاص سے
بھی سرزد ہو جائے، تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں تو تم کس شمار میں ہو،

مشرک وہ بدنصیب انسان ہے کہ اگر اللہ کا نبی بھی اس کی مغفرت کی دعا کر
تو بھی اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ عبداللہ بن ابی بظاہر کلمہ پڑھتا تھا مگر اس
دل میں کفر و شرک کی غلاظت تھی، اس کا جنازہ خود نبیوں کے سردار صلی اللہ
وسلم نے پڑھایا، لیکن رب کریم نے فرمایا:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

آپ منافقوں کے لئے معافی مانگیں نہ مانگیں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کریں گے تو اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔

(سورہ توبہ پ۱۰)

بلکہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے ستر مرتبہ سے بھی زیادہ دعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا
لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرما دیا۔ [1]

مشرک وہ بدنصیب ہے، کہ اگر وہ ساری زندگی روزے رکھتا رہے، جہاد کرتا
رہے، عبادت و ریاضت کرتا رہے، مسجدیں بناتا رہے بلکہ مسجد حرام کو بھی تعمیر کرے
تو اسے کچھ بھی ثواب نہیں ملتا۔ اس کی ساری محنت ضائع چلی جاتی ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مشرکین مکہ عبادت نہیں کرتے تھے؟
قرآن بتاتا ہے کہ وہ صدقہ اور خیرات کرتے تھے۔ اپنی پیداوار میں سے کچھ اللہ
کے نام پر نکالتے تھے، کچھ بتوں کے نام پر نکالتے تھے۔

[1] الصحیح البخاری ص ۶۷۳ جلد ۲

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ مشرکین عرب میں نماز کا دستور بھی موجود تھا۔

وہ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، خود بھی حج اور عمرے کرتے تھے، کعبہ کی دربانی کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے، اعتکاف بھی کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے کرتے تھے کہ وہ اللہ کو مانتے تھے اور صرف یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرتے تھے، بلکہ اللہ کو زمین و آسمان کا خالق اور قادر و مختار بھی مانتے تھے لیکن چونکہ وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے تھے اور ان کو بھی مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے، اسلئے اُنہیں مشرک قرار دیا گیا۔

ان کا اللہ کی ذات پر ایمان
ان کا صدقہ و خیرات
ان کے حج و عمرے
ان کی نمازیں اور اعتکاف
ان کی کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کی خدمت
ان کے کسی کام نہیں آئی، سب اعمال غارت ہوگئے۔

عبد اللہ بن جدعان ایک کافر تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ جاہلیت میں مہمان نوازی اور صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور جو لوگ ناحق گرفتار ہو جاتے تھے، ان کی مدد کر کے ان کو چھڑوایا کرتا تھا، پڑوسیوں کے حق میں بہت اچھا تھا اور غریبوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا ——— کیا یہ کام اس کے لئے مفید ثابت ہوں گے؟

آپ نے جواب دیا کہ اگر وہ اللہ تعالےٰ پر ایمان لے آتا تو یہ کام اس کے لئے مفید ثابت ہو سکتے تھے۔[1]

---
[1] ابو عوانہ صہ ۱۰۰ جلد اول

میرے بزرگو اور دوستو! یہ وضاحت میں نے اس لئے کر دی ہے تاکہ کہیں آپ اس دھوکے میں نہ رہیں کہ ہم تو اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

ہم تو نمازیں پڑھنے والے اور صدقہ و خیرات کرنے والے ہیں، ہم تو مسجدوں اور مدرسوں کی خدمت کرنے والے ہیں، ہم تو حج و عمرہ کرنے والے ہیں۔

ہم کیسے مشرک ہو سکتے ہیں؟

کتنے ہی سیدھے سادے لوگ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ کو بھی مانتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، دوسرے نیک کام بھی کرتے ہیں۔

مگر پیروں اور فقیروں کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔

مزاروں پر جا کر اولاد مانگتے ہیں، دولت اور صحت مانگتے ہیں، صدقہ اور خیرات محض دکھلاوے کے لئے کرتے ہیں۔

اولیاء اور انبیاء کے لئے وہ صفات ثابت کرتے ہیں جو صرف اللہ تعالے کے لئے خاص ہیں۔

کوئی سمجھتا ہے کہ اولیاء اور انبیاء ہر جگہ موجود ہیں

اس کا عقیدہ ہے کہ ان کو پکارا جائے تو وہ ہماری پکار کو سنتے اور مدد کے لئے پہنچتے ہیں۔

کسی کا خیال ہے کہ قیامت کے دن جب ہم پکڑے جائیں گے تو وہ زبردستی ہمیں اللہ سے چھڑا لیں گے۔

کسی کی سوچ یہ ہے کہ وہ ہمیں غیب کی خبریں بتا سکتے ہیں، یہ سب شرکیہ عقائد اور خیالات ہیں

اگر ہم میں سے کوئی شخص غلطی یا ضد کی وجہ سے ان غلط عقائد میں مبتلا ہے تو اسے فوری طور پر توبہ کر کے اپنا عقیدہ درست کر لینا چاہیئے۔

کسی جماعت یا کسی فرد کی ضد میں اپنی آخرت کو تباہ کر لینا کہاں کی عقل مندی ہے اور تباہی بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت حرام اور جہنم واجب ہو جاتی ہے، پھر نہ توبہ کام آئے گی نہ کسی کی سفارش فائدہ دے گی، اس لئے سب سے پہلا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا،

والدین سے حُسن سلوک

دوسرا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے، کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ اور حسن سلوک کرو،

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن کریم میں کئی مقامات ایسے ہیں، جہاں پہلے عقیدۂ توحید اختیار کرنے اور شرک سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، اور اس کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حُسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو،
(سورۂ بنی اسرائیل پ ۱۵)	

سورۃ البقرہ میں ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول و اقرار لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرنا اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا۔
(سورۃ البقرہ پ ۱)	

سورہ نساء میں ارشاد ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔	اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، اور والدین

کے ساتھ اچھا معاملہ کرو

اس انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال میں اللہ تعالےٰ کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت کا درجہ ہے۔ یوں بھی ہمیں حقیقتاً پیدا کرنے والا تو اللہ تعالےٰ ہے، لیکن ظاہری طور پر ہمارے اس دنیا میں آنے کا سبب والدین ہیں، اس لئے ربّ کریم نے اپنا حق بیان کرنے کے بعد والدین کا حق بیان فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ کا حق عبادت ہے اور والدین کا حق ان کی خدمت ہے۔

اللہ تعالےٰ کا حق توحید و ایمان ہے، اور والدین کا حق راحت رسانی اور احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق روزہ اور نماز ہے اور والدین کا حق انکے سامنے عجز و نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا الامر د ہے اور والدین کا دل دکھانے والا مبغوض ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۳ کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ آپ اُوپر سُن چکے ہیں، اسی میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُ ہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡہَرۡہُمَا وَقُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ۔ وَاخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ۔ رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡ نُفُوۡسِکُمۡ اِنۡ تَکُوۡنُوۡا صٰلِحِیۡنَ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلۡاَوَّابِیۡنَ غَفُوۡرًا ۔

اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، سو اُن کو کبھی "ہوں" بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور انکے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے، جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی، اور صرف اس ظاہری تعظیم پر اکتفاء

مت کرنا، دل میں بھی ان کا ادب کرنا کیونکہ) تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں والدین کے بارے میں پانچ نصیحتیں فرمائی ہیں:

۱۔ پہلی یہ کہ ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اُف بھی نہ کہو، مقصد یہ ہے کہ زبان سے کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچے،

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلمہ اُف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کو تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ تعالے اسکو بھی ضرور حرام قرار دیدیتے۔[1]

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی والدین کی ایسی حالت ہو جائے کہ تمہیں ان کے کپڑوں یا بستر سے پاخانہ صاف کرنا پڑے تو اُف مت کہو، جیسے کہ بچپن میں تمہارا پاخانہ صاف کرتے ہوئے وہ اُف نہیں کہتے تھے۔

۲۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ ماں باپ سے ادب سے بات کرو، ان سے بات کرنے کا انداز ایسا نہ ہو جیسا کہ خادموں اور نوکروں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے بلکہ لہجہ نرم، انداز دلنشین اور الفاظ ادب و احترام والے ہوں۔

۳۔ تیسرا حکم یہ دیا کہ ماں باپ کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا۔ اگر بالفرض کبھی وہ غصے میں آجائیں یا سخت سُست الفاظ استعمال کریں تو بھی تم عاجزی اور انکساری اختیار کرو، سخت بات کا جواب سخت لہجے میں نہ دو،

۴۔ چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ والدین کے لئے دعا بھی کرتے رہا کرو، اس لئے

---

[1] درمنثور عن الدیلمی ص ۱۷۱ جلد ۴

کہ صرف خدمت سے ان کے احسانات کا حق تو کبھی بھی ادا نہیں ہو سکتا لہٰذا ان کے لئے دعائیں کریں تاکہ کسی طرح ان کا حق ادا ہو جائے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کر رہا تھا، اس نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا، آپ نے فرمایا کہ ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا۔ [۱]

۵۔ پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ صرف ظاہری ادب ہی کافی نہیں بلکہ دل سے بھی ان سے محبت رکھو اور ان کی تعظیم کرتے رہو، کیونکہ اللہ تعالےٰ تمہارے دلوں کو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ کر رہے ہو، وہ صرف ظاہری دکھاوا ہے، یا واقعی دل میں بھی ادب واحترام ہے۔

قرآن کریم کے علاوہ والدین کے حقوق کے بارے میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی بہت ساری احادیث بھی ہیں۔ لیکن فی الحال انہی چند آیات پر اکتفاء کرتا ہوں، انشاءاللہ کسی دوسری نشست میں والدین کے حقوق کے بارے میں تفصیل سے بات ہوگی۔

البتہ اپنے نوجوان دوستوں سے اتنی بات ضرور کہوں گا کہ مغرب کی لعنتی سوسائٹی کی نقالی میں آپ نہ لگیں اور والدین کو اپنے کندھوں کا بوجھ اور اپنے خوبصورت گھر کے لئے عیب نہ سمجھیں ورنہ آپ کی اولاد آپ کے ساتھ بڑھاپے میں اس سے بھی کہیں زیادہ بُرا حشر کرے گی، جیسا حشر آج آپ اپنے والدین کے ساتھ کرو گے۔

تمہارے والدین کے سَر کے بال ایسے ہی سفید نہیں ہوئے۔ ان کی کمر میں

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۳۵ جلد اوّل

ویسے ہی ختم نہیں آیا، ان کے ہاتھ ایسے ہی کھردرے نہیں ہو گئے بلکہ تمہاری خدمت کرتے کرتے ان کے سیاہ بال سفید ہو گئے، ان کا سرو قد جسم جھک گیا اور تمہیں سہولتیں مہیّا کرنے کی خاطر مزدوری کرتے کرتے ان کے ہاتھ کھردرے ہو گئے ہیں کتنے دکھ کی بات ہے جس اولاد کی خاطر وہ شب و روز محنت کرتے رہے، راتوں کو جاگتے رہے، آنکھوں میں حسین خواب سجاتے رہے، آج وہ اولاد کچھ کرنے کے قابل ہوئی ہے تو قابلِ احترام ہستیوں کو وہ اپنے کندھے کا بوجھ اور گھر کی شان و شوکت کے لئے عیب سمجھتے ہیں۔

قتلِ اولاد

ان تین آیات میں جو دس احکام دیئے گئے ہیں ان میں تیسرا حکم یہ ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ اپنی اولاد کو افلاس کی وجہ سے قتل نہ کرو،

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ؕ ہم تم کو بھی رزق دینگے اور ان کو بھی،

زمانۂ جاہلیت میں دو وجہ سے اولاد کو قتل کیا جاتا تھا۔ ایک تو بیٹیوں کو عار اور شرم کی وجہ سے قتل کر دیتے تھے تاکہ کسی کو داماد نہ بنانا پڑے۔

شیطان نے پٹی یہ پڑھائی تھی کہ تمہاری بیٹی کا دوسرے کے گھر میں جانا بڑی شرم کی بات ہے، حالانکہ احمق یہ نہیں سوچتے تھے کہ ہماری جو بیوی ہے وہ بھی تو کسی کی بیٹی ہے اور ہم جس ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں آخر وہ بھی تو کسی نہ کسی کی بیٹی اور بہن ہو گی۔

دوسری وجہ اولاد کو قتل کرنے کی یہ تھی کہ ہم اسے ضروریاتِ زندگی کہاں سے مہیا کریں گے، ان کے کھانے، پینے، رہنے، سہنے، اوڑھنے، پہننے کا انتظام کہاں سے ہو گا۔

پھر بعض اوقات تو والدین غریب ہوتے تھے تو اپنے فقر اور غربت کی وجہ سے

قتل کر دیتے تھے اور بسا اوقات غربت نہیں ہوتی تھی بلکہ صرف غربت کا اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کثرتِ اولاد کی وجہ سے ہم غریب ہو جائیں اور ہم اولاد کی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں۔

اسی لئے دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ اور اولاد کو افلاس کے اندیشے کی وجہ سے قتل نہ کرو۔
(سورۂ بنی اسرائیل پ۱۵)

دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھا جائے تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ اگر حقیقتاً غربت ہو تو بھی اولاد کو قتل نہ کرو، اور اگر غربت و افلاس کا محض اندیشہ ہو تو بھی اولاد کو قتل نہ کرو۔

آخر اولاد کو تم اسی بنا پر قتل کرتے ہو نا، کہ ہم اسے کھلائیں گے کہاں سے؟ تو اس سوال کا جواب میں تمہیں دیتا ہوں، تمہاری اولاد وہیں سے کھائے گی، جہاں سے تم کھاتے ہو، اس کی ضروریات وہیں سے پوری ہوں گی، جہاں سے تمہاری ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔

تمہاری سوچ یہ ہے کہ تم خود کما کر کھا رہے ہو، تمہاری دوکان تمہیں پال رہی ہے تمہاری ملازمت تمہاری ضروریات کو پورا کر رہی ہے، تمہارا کاروبار تمہیں روزی دے رہا ہے۔ حالانکہ تمہاری یہ سوچ غلط ہے۔

تمہیں بھی روزی اللہ دے رہا ہے اور تمہاری اولاد کو بھی روزی وہی دے گا دوکان، ملازمت، تجارت، کاروبار اور کھیتی باڑی روزی کمانے کا وسیلہ تو ہے مگر رزّاق اور روزی رساں صرف اللہ ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی

صد افسوس کہ آجکل ہمارے ہاں خاندانی منصوبہ بندی یا برتھ کنٹرول کی تحریک چل رہی ہے، اس میں بھی پس پردہ یہی سوچ کارفرما ہے کہ آبادی میں اگر اضافہ

ہوگیا تو اس کی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی، لہٰذا اس آبادی میں اضافہ کی روک تھام کے لئے ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا گیا ہے، جس کا ہر سال کا بجٹ کروڑوں روپے ہوتا ہے، یہ محکمہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اشتہار بازی پر لاکھوں روپیہ خرچ کر رہا ہے۔

لوگوں کو اعداد و شمار کے ذریعہ ڈرایا جا رہا ہے کہ فلاں سن میں پاکستان کی آبادی اتنے کروڑ کی ہو جائے گی، اور اتنی بڑی آبادی کی معاشی ضروریات پوری کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ لہٰذا آبادی کو کنٹرول کیا جائے، حالانکہ یہ سوچ اور یہ تحریک اللہ تعالےٰ کے نظام ربوبیت میں مداخلت کے مترادف ہے، اس کا وعدہ ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا

زمین پر چلنے والی مخلوق ایسی نہیں جس کے رزق کی ذمّہ داری اللہ پر نہ ہو، وہ ان سب کے ٹھیئے ٹھکانے کو جانتا ہے۔

تمہیں انسانوں کی روزی کی فکر ہے جب کہ وہ رحیم و کریم رب کہتا ہے کہ میں ہر جاندار کی مستقل قیام گاہ اور عارضی قیام گاہ کو جانتا ہوں اور انہیں ان کے ٹھکانے پر ہی روزی پہنچاتا ہوں، خواہ جنگل کے درندے ہوں یا فضاؤں میں اُڑنے والے پرندے ہوں، خواہ بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں ہوں یا سمندروں اور دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں اور دوسرے جانور ہوں، وہ سب کو ان کی ضروریاتِ زندگی فراہم کر رہا ہے۔

اللہ کا نظام

منصوبہ آبادی کا اس کا اپنا ایک نظام ہے جو ہر قسم کے خلل اور خرابیوں سے پاک ہے، اس نظام کے تحت وہ انسانوں اور حیوانوں کی آبادی کو کنٹرول کرتا ہے اور انہیں ایک حد تک رکھتا ہے۔

دنیا میں بسنے والوں کو جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، اسے وہ عام کر دیتا ہے اور جس چیز کی ضرورت کم ہوتی ہے، اسے وہ اپنے نظام کے تحت خود ہی کم کر دیتا ہے

اس کی ایک بڑی واضح مثال یہ ہے کہ جب سفر کے لئے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، اس وقت تمام انسان گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے، جو کہ باآسانی ہر ملک ہر شہر اور ہر گاؤں میں انہیں میسّر آ جاتے تھے، لیکن جب سفر کے جدید ذرائع وجود میں آ گئے۔ ہوائی اور بحری جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں عام ہو گئیں تو گھوڑوں اور اونٹوں کی اہمیت کم ہو گئی، یہاں تک کہ آہستہ آہستہ لوگوں نے انہیں عام استعمال میں لانا ہی چھوڑ دیا، اب ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ آج گلی کوچوں میں گھوڑے اور اونٹ بلیوں کی طرح گھومتے دکھائی دیتے ، ان کے ریوڑ کے ریوڑ ہوتے یا کم از کم یہ تو ہوتا کہ ان کی قیمتیں اتنی کم ہو جاتیں کہ ہر کوئی آسانی سے انہیں خرید سکتا۔

لیکن ہوا کیا؟ نہ تو گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں اضافہ ہوا نہ ہی ان کی قیمتیں کم ہوئیں، جوں ہی حمل و نقل کے ذرائع وجود میں آئے، قدرت کے نظام کے تحت بتدریج گھوڑوں اور اُونٹوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی، ایسا نہیں ہوا کہ ان کی نسل کشی یا منصوبہ آبادی کے لئے کوئی مہم چلائی گئی ہو یا کوئی محکمہ قائم کیا گیا ہو، یا دوائیاں ایجاد کی گئی ہوں بلکہ خود بخود ہی ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی، اور قیمتیں آسمانوں سے باتیں کرنے لگیں۔ پہلے ہر گھر میں گھوڑا ہوتا تھا۔ اب گھوڑے خال خال لوگوں کے پاس ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں پرانے لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں پہلے قانونی طور پر گائے ذبح کرنے کی اجازت تھی، ہر روز لاکھوں کی تعداد میں گائے ذبح ہوتی تھیں۔ انڈیا بہت بڑا ملک ہے، پورے ملک میں ایک دن میں کم از کم دو لاکھ گائیں تو ذبح ضرور ہوتی ہوں گی اور دو لاکھ کا مطلب

ہے ایک مہینہ میں ساٹھ لاکھ گویا سالانہ کروڑوں گائیں ذبح کی جاتی تھیں، مگر بعد میں انڈیا کی متعصّب حکومت نے گائے کے ذبح کرنے پر پابندی لگادی، اب ہونا تو چاہیئے تھا کہ جب سالانہ پانچ سات کروڑ گائیں ذبح ہونے سے بچ رہی ہیں تو تیس چالیس کے عرصے میں گائے کی اتنی کثرت ہو جاتی کہ انسانوں کا آبادیوں میں رہنا محال ہو جاتا، کیونکہ گائے بھی تو آبادی میں رہتی ہے، جنگل میں تو نہیں رہتی، ——— حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی ان دیکھے ہاتھ نے ان کی افزائش نسل کو منصوبہ بندی کے تحت کم کردیا ہے

اللہ تعالےٰ نے اس کائنات میں ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے، جس کے اندر توالد و تناسل کی ایسی زبردست قوت پائی جاتی ہے کہ اس کی نسل کو پوری قوت سے بڑھنے دیا جائے تو تمام رُوئے زمین صرف اسی نسل سے پٹ جائے اور کسی دوسری نسل کے لئے ایک ذرّہ برابر جگہ باقی نہ رہے۔

مثلاً اسٹار مچھلی بیس کروڑ انڈے دیتی ہے اگر اس نسل کے صرف ایک جوڑے کو اپنی پوری نسل بڑھانے کا موقع مل جائے تو صرف اسی جوڑے کی تیسری چوتھی نسل تک دنیا کے تمام سمندر اسی سے بھر جائیں، اور ان میں پانی کے ایک قطرے کی بھی گنجائش نہ رہے، مگر وہ کون ہے جو ان نسلوں کو اپنی مقررہ حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔

کیا وہ آپ کا برتھ کنٹرول اور خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ ہے؟

کیا وہ آپ کا کنڈوم کلچر ہے؟

کیا یہ آپ کی مانع حمل دواؤں کا اثر ہے؟

نہیں!! ان میں سے کوئی چیز نہیں۔

بلکہ وہ میرے رب کا اپنا نظام ہے جو اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں ساری کائنات

کو اور کائنات کی ساری مخلوقات کو کنٹرول کرتا ہے۔
میرے اور آپ کے نظام میں خرابی ہو سکتی ہے لیکن اس کے نظام میں کوئی خرابی نہیں۔
جب وہ مالک وخالق وعدہ کرتا ہے کہ رزق میرے ذمہ ہے تو ہمیں ان دیکھے اندیشوں سے دبلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ جوں جوں آبادی میں اضافہ کریگا وسائل واسباب میں بھی اضافہ کرتا چلا جائیگا۔

روحانی قتل

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ جس طرح فقر وفاقہ کے ڈر سے اولاد کا جسمانی قتل حرام ہے، اسی طرح اولاد کا روحانی قتل بھی حرام ہے۔
وہ والدین جو اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت اسلامی نہج پر نہیں کرتے، ان کے صاف ذہنوں میں اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نقش نہیں بٹھاتے، انہیں صحیح عقائد سکھانے کی کوشش نہیں کرتے،
انہیں قرآن کی تعلیم سے محروم رکھتے ہیں، انہیں یورپ سے مرعوبیت کا درس دیتے ہیں، انہیں اسلام سے بغاوت کا راستہ دکھاتے ہیں، انہیں فحاشی وعریانیت کے راستے پر ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔
ایسے والدین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کے روحانی قتل کا ارتکاب کر رہے ہیں۔
قرآن کریم میں اس شخص کو زندہ کہا گیا ہے جو اللہ اور رسول کو پہچانتا ہے، اور اس بد نصیب کو مُردہ قرار دیا گیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی معرفت سے محروم ہے۔ ارشاد باری تعالٰے ہے:
اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ (یعنی گمراہ) تھا پھر ہم نے

اس کو زندہ (یعنی مسلمان) بنا دیا۔"

لہٰذا بچوں کے جسمانی قتل سے بچنے کے ساتھ ان کے روحانی قتل سے بھی بچنے کی کوشش کیجیئے اور ان کی تربیت اس انداز سے کیجیئے کہ وہ چور ڈاکو اور قاتل بننے کے بجائے دین کے داعی، قوم کے محافظ اور اسلام کے مجاہد بنیں۔

فواحش

چوتھا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ — اور بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ، جو ظاہر ہوں اُن میں سے اور جو پوشیدہ ہوں،

یہاں ایک نکتے کی طرف خاص طور پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا، وہ یہ کہ اس سے پہلے تیسرے نمبر پر جو حکم بیان ہوا وہ یہ تھا کہ اپنی اولاد کو افلاس کی وجہ سے قتل نہ کرو، اور اس کے فوراً بعد جو حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ، پندرہویں پارے میں بھی اسی طرح ہے، پہلے حکم دیا گیا کہ اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، اور اس کے بعد فرمایا گیا کہ بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ۔

آخر ان دونوں میں کچھ تو مناسبت ہوگی، جس کی وجہ سے رب کریم نے اپنے کلام حکیم میں انہیں آگے پیچھے ذکر فرمایا ہے۔ اور مناسبت ان دونوں میں یہ ہے کہ شہوت پرست انسان یہ تو چاہتا ہے کہ عورت اس کی شہوت رانیوں کی تسکین کرے اور اس سے اس کو وقتی لذّت اور سُرور حاصل ہو لیکن وہ اولاد کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا، اور اگر غلطی سے عورت کو حمل ٹھہر جائے تو وہ اسے اسقاط پر آمادہ کرتا ہے بلکہ بچہ پیدا ہو بھی جائے تو بے حیا مرد اور بے حیا عورت کی کوشش بھی ہوتی ہے کہ وہ دونوں مل کر کسی طرح اسے ٹھکانے لگا دیں۔

اگر آپ اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں تو آپ کو مانع حمل دوائیوں کے استعمال کرنے حمل کو ساقط کرنے اور نومولود بچوں کو قتل کرنے میں پیش پیش وہی لوگ نظر آئیں گے جو ازدواجی رشتے کے بغیر آپس میں جنسی تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔

یورپ میں ایسی لڑکیوں کو کنواری ماؤں کا نام دیا جاتا ہے جو شادی سے پہلے مائیں بن جاتی ہیں اور ہمارے لئے شرم اور عبرت کا مقام ہے کہ ہمارے معاشرے میں بھی اب ایسی ماؤں کی کمی نہیں مگر ہمارے ہاں چونکہ زناکاری اور اس کے نتائج کو بری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے ہوتا یہ ہے کہ یا تو حمل ساقط کرا لیا جاتا ہے یا پیدا ہونے کے بعد اس بے گناہ کو اپنا گناہ چھپانے کے لئے گٹر میں، کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر اور فٹ پاتھوں پر پھینک دیا جاتا ہے۔

تو چونکہ قتل اولاد میں بے حیائی اور فحاشی کا بھی عمل دخل ہوتا ہے، اس لئے دونوں کو اکٹھے ذکر کیا گیا ہے اور دونوں سے منع کیا گیا ہے۔

فحاشی

ویسے قرآن اور حدیث کی اصطلاح میں فاحشہ ہر ایسے برے کام کو کہتے ہیں، جس کے اثرات برے ہوں اور دور تک پہنچیں، اس مفہوم کے اعتبار سے فحاشی اور بے حیائی کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ فحاشی زبان سے بھی ہو سکتی ہے، عمل سے بھی ہو سکتی ہے اور دل سے بھی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی فحاشی سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، خواہ اس کا تعلق ظاہر سے ہو یا باطن سے ہو، قول سے ہو یا عمل سے ہو، جب کہ مغربی تہذیب جس پہ ہم مرے جا رہے ہیں، اس کی بنیاد ہی بے حیائی پہ ہے۔

اخبارات میں بے حیائی، ریڈیو اور ٹی وی میں بے حیائی، سڑکوں اور دکانوں پہ بے حیائی، کھیل کے میدانوں اور سکولوں، کالجوں میں بے حیائی اور ہم مغرب والوں

پر کیسے انگلی اٹھائیں، ہمارے اپنے ملک کا شہروں اور گھروں کا یہی حال ہے۔
اخبارات اُٹھائیں تو نیم برہنہ عورتوں کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں، ریڈیو اور ٹی وی کھولیں تو فحش گانے سننے اور ناقابل بیان مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں، دکانوں اور بازاروں میں دیکھیں تو مائیں اور بہنیں ایسے لباس میں دکھائی دیتی ہیں کہ انہیں ماں اور بہن کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اسلام کی بنیاد پر بننے والے اس ملک سے ناچ گانے والے طائفے بیرونی ممالک میں بھیجے جاتے ہیں اور ان پر کروڑوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور بتایا یہ جاتا ہے کہ یہ پاکستان کا تعارف کراتے ہیں بمعزز گھرانوں کی نوجوان لڑکیاں ناچنے اور تھرکنے کو اپنی ثقافت سمجھتی ہیں، گھر گھر سے حیا کے جنازے اُٹھ رہے ہیں۔

حیاء ایمان کا حصہ ہے

جب کہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے [1]

حیا ہی تو وہ طاقت ہے جو انسان کی آنکھوں کو جھکا دیتی ہے
جو اس کی زبان پر تالا ڈال دیتی ہے۔
جو اس کے گندے جذبات کو لگام دیتی ہے۔
جو اس کے اٹھے ہوئے قدموں کو روک دیتی ہے۔
جو دن کی روشنی میں اور رات کی تاریکی میں اس کی حفاظت کرتی ہے۔
جس شخص میں حیا نہ ہو اس کا ایمان بھی مشکوک ہے۔
اللہ کے سچے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ——————

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا حَیَاءَ — جس میں حیاء نہیں اس میں ایمان نہیں

جب حیاء نہ رہے تو پھر انسان جو چاہے کرتا پھرے، اسے کوئی نہیں روک

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان صہ ۱۲

سکتا۔ ایک عربی شاعر نے خوب کہا ہے:

إِذَا لَمْ تَخْشَ عَاقِبَةَ اللَّيَالِي وَلَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا تَشَاءُ

جب تم راتوں کے انجام سے نہیں ڈرتے، اور حیا بھی نہیں کرتے تو جو چاہو کرتے رہو۔

فَلَا وَاللهِ مَا فِي الْعَيْشِ خَيْرٌ وَلَا الدُّنْيَا إِذَا ذَهَبَ الْحَيَاءُ

اللہ کی قسم نہ زندگی میں کوئی خیر ہے، اور نہ ہی دنیا میں جبکہ حیا ہی باقی نہ رہے،

يَعِيشُ الْمَرْءُ مَا اسْتَحْيَا بِخَيْرٍ وَيَبْقَى الْعُودُ مَا بَقِيَ الْحَيَاءُ

حقیقت میں آدمی اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ خیر کے ساتھ رہے۔ کیونکہ ٹہنی اس وقت تک باقی رہتی ہے، جب تک کہ تنا باقی رہے۔

یہ بھی ذہن میں ضرور رکھیئے کہ اس آیت کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ "بے حیائی نہ کرو" بلکہ یوں فرمایا کہ "بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ" مقصد یہ کہ ایسی محفلوں، ایسے پروگراموں اور ایسے مقامات پر بھی نہ جاؤ، جہاں جانے کے بعد بے حیائی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، اور ایسے کام بھی نہ کرو، جو فحاشی تک پہنچانے کا سبب بنتے ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ حَامَ حَوْلَ حِمًى أَوْشَكَ أَنْ يَقَعَ فِيهِ (صحیح مسلم صـ ۵۸)

یعنی جو شخص کسی ممنوعہ جگہ کے گرد گھومتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے

اس لئے فواحش کی جگہوں سے اور فواحش میں مبتلا دوستوں سے دور ہی دور رہنا چاہیئے، اپنے اوپر زیادہ اعتماد صحیح نہیں ہے، یہ نفس بڑا دھوکہ باز اور فریبی ہے حیلے بہانے پہلے سے بے حیا انسانوں اور بے حیائی کی مجالس میں لے جائے گا۔ کبھی کہے گا کہ تمہارے نہ جانے سے رشتہ دار ناراض ہوں گے۔

کبھی کہے گا تمہارے رویے سے کسی کی دل شکنی ہوگی۔

کبھی کہے گا تم نماز روزے کی پابندی کرتے ہو، تم پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

کبھی کہے گا لوگ دقیانوسی کہیں گے آخر زمانہ بھی تو نبھانا ہے۔

پھر آہستہ آہستہ اس طرح کہ تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا وہ تمہیں فحاشی میں مبتلا کر دے گا۔

اس لئے فرمایا کہ تم فواحش کے قریب بھی نہ جاؤ۔

قتل ناحق

محرمات میں سے پانچویں چیز قتل ناحق ہے، اس کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

نہ قتل کرو اس کو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔

پہلی بات تو یہ جان لیں کہ حق کے ساتھ قتل کرنا کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین چیزوں سے ایک یہ کہ وہ شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری میں مبتلا ہو جائے، دوسرے یہ کہ اس نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو، اس کے قصاص میں مارا جائے، تیسرے یہ کہ اپنا دین حق چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو۔"[1]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس وقت باغیوں کے نرغے میں محصور تھے، اور لوگ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے، اس وقت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ حدیث سنا کر کہا تھا کہ اللہ کے فضل سے میں ان تینوں چیزوں سے بری ہوں، میں نے زمانۂ اسلام میں تو کیا، زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی بدکاری نہیں کی؛

---

[1] الصحیح لمسلم ۔۔۔ ۵۸

اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے اور نہ کبھی میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ میں اپنے دینِ اسلام کو چھوڑ دوں، پھر تم مجھے کس بناء پر قتل کرتے ہو؟

مگر یہ بھی سن لیں کہ ان تین جرائم کی بناء پر بھی ہما شما کو کسی مسلمان پہ ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ یہ اسلامی حکومت کا کام ہے کہ وہ اسے اسکے جرم کی سزا دے، اگر کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دے دیجائے، تو شہر اور آبادیاں انارکی اور فساد کا شکار ہو جائیں گی۔ امن اور سکون اور تحفظ نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی جس کا دل چاہے گا وہ کسی بے گناہ پر الزام لگا کر اس کا خون بہا دیگا۔

اور آج جو حالات ہیں ان میں تو الزام کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی، ایک درندہ صفت انسان کلاشنکوف ہاتھ میں لے کر نکلتا ہے اور دو چار بے گناہ انسانوں کو بھون ڈالتا ہے نہ قاتل جانتا ہے کہ میں کیوں قتل کر رہا ہوں، نہ ہی مقتول کو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے میرے کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔

خونِ مسلم کی ارزانی

مسلمان کا خون سب سے زیادہ ارزاں چیز بن کر رہ گیا ہے ــــــــ غیر مسلموں اور حیوانوں سے بھی زیادہ ارزاں! پچھلے دنوں ایک خبر نظر سے گذری کہ دو نوجوانوں کو اغوا کر لیا گیا۔ اغواء کرنے والے ظاہر ہے مسلمان ہی تھے، اغواء کے بعد انہیں پتہ چلا کہ ان دونوں نوجوانوں میں سے ایک عیسائی ہے اور دوسرا مسلمان، انہوں نے عیسائی نوجوان کو چھوڑ دیا اور مسلمان کو گولیوں سے بھون ڈالا، اسی طرح چند روز پیشتر یہ خبر اخبار میں آئی تھی کہ یہاں کراچی میں کسی جگہ ایک نوجوان کھڑا تھا، قریب ہی ایک کتا بھی تھا، درندہ صفت دہشت گردوں نے اس نوجوان کو اڑا دیا، جب کہ کتا بچ گیا۔

یہ اس مسلمان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے، جس کے بارے میں رسول

اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ جس نے ایک کلمہ (بات) سے مسلمان کے قتل پہ مدد کی، وہ جب قیامت کے دن اٹھے گا تو اس کی پیشانی پہ تحریر ہو گا۔

هٰذَا آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ

یہ شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ (ابن ماجہ)

وہ رحیم وکریم اللہ جس کی رحمت سے شرابی مایوس نہیں،

زانی مایوس نہیں

ڈاکو اور چور مایوس نہیں

بے نماز اور فاسق وفاجر مایوس نہیں۔

اس کی رحمت سے وہ بدبخت محروم ہو گا جس نے مسلمان کو قتل تو نہیں کیا ہو گا بلکہ کوئی ایسی بات کہہ دی ہو گی جو اس کے قتل کا سبب بن گئی ہو گی۔

مثلاً کسی کو بھڑکا دیا ہو گا کہ فلاں تمہیں بُرا بھلا کہتا ہے۔

کوئی غلط افواہ اُڑا دی ہو گی۔

کوئی جوشیلی تقریر کر دی ہو گی جس سے لوگوں کے جذبات مشتعل ہو گئے ہوں گے تو اس بدبخت کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالےٰ کے نزدیک مسلمان کا خون اتنا قیمتی اور محترم ہے کہ حدیث میں آتا ہے "اگر آسمان و زمین والے کسی مسلمان کا خون بہانے میں شریک ہو جائیں تو اللہ ان سب کو دوزخ میں ڈال دے گا۔" (ترمذی شریف)

ایک تیسری حدیث میں رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ

"اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ آسان ہے۔"[1]

مسلمان تو مسلمان، اِسلام تو غیر مسلم پر بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، جو ایک ذمّی اور معاہد کی حیثیت سے اسلامی مملکت میں رہتا ہے۔ رسول اللہ

[1] ابن ماجہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

"جو مسلمان کسی معاہد (غیر مسلم شہری) پر ظلم کریگا یا اس کا حق مارے گا یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی کوئی چیز جبراً لے گا، تو میں اللہ کی عدالت میں مسلمان کے خلاف دائر ہونے والے مقدمے میں اس غیر مسلم شہری کا وکیل بن کر کھڑا ہوں گا۔

یہ بات تو آپ میں سے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جس مظلوم کے وکیل کائنات کے سردار صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے، اسے استغاثہ کے مقدمہ میں کسی صورت بھی شکست نہیں ہوسکتی۔ یہ احادیث اگر آپ کے قلب و دماغ کو کچھ متاثر کرتی ہیں تو خدارا اُٹھیے اور ان سنگدل انسانوں کو سمجھانے کی کوشش کیجیئے جو اغیار کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے ناپاک منصوبوں کی تکمیل کی خاطر ملک عزیز کی سڑکوں اور گلی کوچوں کو لا الٰہ الّا اللہ پڑھنے والے مسلمانوں کے خون سے رنگین کر رہے ہیں۔

مالِ یتیم

میں نے اپنی محدود بساط کے مطابق پچھلے دو جمعوں میں سورۃ الانعام کی تین آیات میں جو دس احکام بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے پانچ احکام بیان کر چکا ہوں اور آج بقیہ پانچ احکام یا محرمات کی بابت اپنی ناقص سوجھ بوجھ اور مطالعہ کے مطابق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں

ان آیات میں چھٹا حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، کسی بھی انسان کے مال، جائیداد، زمین، مکان دوکان اور سامان پر ناحق قبضہ جمانا ایسا گناہ ہے کہ اس کی بخشش اس وقت تک نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اس کی تلافی نہ کر دی جائے یا جب تک کہ اس مظلوم شخص سے معافی نہ مانگ لیجائے اگر معافی تلافی کے بغیر کسی کا انتقال ہو گیا تو اسے قیامت کے دن ہولناک انجام

سے دوچار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ اپنے حقوق ضائع کرنے والے کو تو ہو سکتا ہے کہ بغیر سزا دیئے معاف فرما دیں۔ لیکن حقوق العباد ضائع کرنے والے شخص کی نیکیاں لے کر ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں گی، جن کے اس نے حقوق ضائع کئے ہوں گے اور اگر سب کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو پھر ان کے گناہ لے کر اس کے ذمّے ڈال دیئے جائیں گے۔

ایسے ہی شخص کو حدیث میں مفلس قرار دیا گیا ہے، کیونکہ قیامت کے دن جب کہ انسان ایک ایک نیکی کا محتاج ہو گا اس دن یہ حرمان نصیب نہ صرف یہ کہ اپنی نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا بلکہ دوسروں کے گناہ بھی اپنے ذمّہ لے لیگا۔

یتیم کے مال کی خصوصیت

یوں تو کسی انسان کے مال کو بھی غصب کرنا، ہڑپ کرنا، چوری چکاری یا داؤ فریب سے ہتھیا لینا جائز نہیں مگر یتیم کے مال کے قریب نہ جانے کا خاص طور پر دو وجہ سے حکم دیا، ایک تو اس لئے کہ عام شخص اپنی ذاتی طاقت یا اپنے جتھے اور جماعت کی حمایت کے ساتھ اپنے حق کا دفاع کر سکتا ہے اور اپنا مال اور مکان اور زمین بچانے کے لئے لڑ سکتا ہے مگر یتیم ایسا نہیں کر سکتا۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب معاشرہ جس سے قرآن کریم براہِ راست خطاب کرتا ہے، اس معاشرہ میں یہ ظلم ہو رہا تھا کہ یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کے مال و دولت پر ان کے اپنے عزیز و اقارب ناجائز قبضہ جما لیتے تھے، خاص طور پر یتیم بچیوں کا معاملہ تو بہت ہی نازک تھا۔ بعض اوقات بالغ ہونے کے باوجود ان کے رشتے صرف اسلئے نہیں کرتے تھے کہ کہیں مال ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بظاہر یتیموں کے متولی اور سرپرست بن کر بظاہر بڑی شفقت و محبت دکھاتے کہ ہم صرف ان کی حفاظت اور تربیت کی خاطر وقت دے

رہے ہیں۔ لیکن درپردہ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کے بالغ ہونے سے پہلے جتنا کھا سکتے ہیں کھا جائیں۔ جہاں دس کی ضرورت ہوتی تھی، وہاں سو خرچ کرتے اور خوب عیاشی کرتے اسی لئے فرمایا گیا۔

وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوا۔ (سورہ نساء پ۵)

یتیموں کے مال کو فضول خرچی میں نہ اڑاؤ، اس نیت سے کہ یہ جب بڑے ہوجائیں گے تو ہمارا تصرف ختم ہوجائے گا۔ اور ان کا مال واپس کرنا پڑے گا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى	بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا لیتے
ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ	ہیں وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے
نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ه	ہیں اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے

صحابۂ کرام کی احتیاط

ان وعیدوں اور احکامات کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑے چوکنے اور محتاط ہوگئے تھے، ان میں سے بعض تو ایسے تھے کہ ان کے گھر میں ان کی پرورش میں کوئی یتیم تھا تو انہوں نے اس کا کھانا پینا الگ کر دیا، تاکہ اس کے کھانے کا کوئی حصہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے پیٹ میں نہ چلا جائے مگر اس میں بڑا حرج تھا کہ ایک بچے کا کھانا الگ پکایا جائے، اس لئے انہیں اجازت دی گئی کہ ان کا کھانا پکانا اپنے ساتھ کرسکتے ہو، باقی اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے جن کے دل میں کھوٹ ہے اور ان کو بھی جانتا ہے جو اصلاح چاہتے ہیں۔

چونکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یتیم کی تربیت اور پرورش پر جنت میں اپنے ساتھ ہونے کی بشارت سنائی ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضا اس نیک کام میں بھی سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، حدیث میں آتا ہے:——

اَنَا وَ کَافِلُ الیَتِیمِ کَھَاتَینِ فِی الجَنَّۃِ — میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس قدر قریب ہوں گے، جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا متعدّد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضؓ کی لڑکیاں یتیم ہوگئیں تو حضرت عائشہ رضؓ نے انہیں اپنی پرورش میں لے لیا۔

یتیموں کی پرورش کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کی حفاظت بھی کرتے تھے، اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے اور تجارت کے ذریعے اسے بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عام حکم تھا۔

اِتَّجِرُوا فِی اَموَالِ الیتامیٰ لَا تَاکُلُھَا الزَّکوٰۃُ — یتیموں کے مال سے تجارت کرو کہ زکوٰۃ اسے کھا نہ جائے۔

پرورش اور تجارت کے علاوہ بھی کئی طریقوں سے صحابۂ کرام رضؓ یتیموں کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے۔

ایک یتیم نے ایک شخص پر باغ کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ رو پڑا۔ آپ کو اس پر رحم آگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے سفارش کی کہ یہ باغ تم اسے دے دو، اللہ تعالےٰ اسکے بدلے تمہیں جنت میں باغ دیگا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔

حضرت ابوالاحدرج رضؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تم میرے باغ کے عوض اپنا باغ بیچتے ہو، اس نے کہا کہ ہاں میں بیچتا ہوں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جو باغ آپ یتیم کے لئے مانگتے

تھے، وہ اگر میں دے دوں تو کیا اس کے بدلے میں مجھے جنت میں باغ ملے گا آپ نے فرمایا، ہاں ملے گا، چنانچہ انہوں نے وہ باغ یتیم کے حوالے کر دیا[1]

بہر حال چھٹا حکم یہ دیا گیا کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو مستحسن ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے، جب وہ بالغ ہو جائے تو پھر دیکھیں گے کہ اس میں اپنے مال کی حفاظت اور اسے صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے یا نہیں، اگر صلاحیت پیدا نہ ہوئی ہو تو پچیس سال کی عمر تک انتظار کیا جائے گا اگر اسکے باوجود اس میں صلاحیت پیدا نہ ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ بہر حال اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے، وہ جانے اور اس کا کام البتہ اگر وہ دیوانہ اور پاگل ہو تو پھر مال اسکے حوالے نہ کیا جائے۔

دوسرے آئمہ فرماتے ہیں کہ جب تک اس میں صلاحیت پیدا نہ ہو جائے اگرچہ بڈھا ہی کیوں نہ ہو جائے، مال اسکے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

ناپ تول میں کمی

ساتویں چیز جس کا ان آیات میں حکم دیا گیا ہے، یہ ہے کہ ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، نہ تو لینے میں زیادتی کرو اور نہ دینے میں کمی کرو،

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اسی گناہ میں مبتلا تھی چنانچہ انہوں نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝[2]	اے میری قوم تم ناپ اور تول پوری پوری طرح کیا کرو اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان مت کیا کرو، اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔

---

[1] استیعاب [2] سورہ ہود پارہ ۱۲

عجیب نکتہ مفسّرین نے یہاں بڑا عجیب نکتہ لکھا ہے، جس میں ہمارے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔ فرماتے ہیں۔

سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے جو واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ عام طور پر وہ سب سے پہلے ایمان ہی کی دعوت دیا کرتے تھے اور ایمان سے پہلے دوسرے معاملات اور اعمال پر توجہ نہیں دی جاتی تھی، دنیا میں ان پر عذاب آنے یا نہ آنے کی بنیاد بھی ان کے ایمان وکفر پر ہوتی تھی۔ ایمان لے آتے تھے تو عذاب سے بچ جاتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے تو ان پر عذاب آجاتا تھا۔ مگر صرف دو قومیں ایسی ہیں جن پر عذاب نازل ہونے میں کفر کے ساتھ ساتھ ان کے اعمالِ خبیثہ کو بھی دخل رہا ہے۔

ایک لوط علیہ السّلام کی قوم کہ ایک خبیث عمل میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کی بستی کو اُلٹ دیا گیا۔ اور دوسری شعیب علیہ السّلام کی قوم جن پر عذاب آنے کا سبب کفر وشرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کرنے کو بھی قرار دیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب گناہوں سے زیادہ مبغوض اور شدید ہیں، بظاہر وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کام ایسے ہیں کہ پوری نسلِ انسانی کو ان سے شدید نقصان پہنچتا ہے۔ اور پورے عالم میں اس سے فسادِ عظیم پھیلتا ہے۔[1]

جس طرح حضرت شعیب علیہ السّلام کی قوم ناپ تول میں گڑبڑ کے جُرم میں مبتلا تھی، اسی طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے بعد مدینہ طیّبہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ بھی اسی جرم میں مبتلا تھے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیّبہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جو سُورت نازل ہوئی وہ سورۂ مطفّفین تھی جس

میں ایسے لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی، فرمایا گیا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کی، جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کرلیں تو پورا لے لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں، کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے جس دن تمام آدمی رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے"

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تو سمجھانے بجھانے کے باوجود گڑبڑ سے باز نہیں آئی تھی، لیکن اہل مدینہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس رسم بد سے باز آگئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے میں معروف و مشہور ہیں۔

خوف خدا کا نتیجہ

اور یہ اصل میں نتیجہ تھا دلوں میں خوف کے پیدا ہو جانے کا کیونکہ انسان کے پیش نظر اگر صرف ملکی قانون ہو یا کسی مادی اور ظاہری طاقت اور گرفت کا خوف ہو تو وہ اپنے جرم کے لئے ایسا طریقہ اختیار کر لیتا ہے۔ کہ قانون کی نظر سے بچ جائے لیکن جس شخص کے دل میں خوف خدا ہو، وہ ایسی جگہ بھی جرم کے ارتکاب سے بچتے ہے جہاں وہ ملکی قانون کی نظروں سے بچا ہوا ہوتا ہے۔

اہل مدینہ ہوں یا اہل مکہ، ایمان لے آنے کے بعد ان کے دلوں میں ایسا خوف خدا پیدا ہو گیا تھا، جو انہیں جلوت میں بھی گناہوں سے بچاتا تھا اور خلوت میں بھی، آبادی میں بھی ان کی حفاظت کرتا تھا اور ویرانے میں بھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ایک دن وہ چلتے پھرتے مدینہ منورہ کے اطراف میں نکل آئے، وہاں ایک چرواہے کو دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ آپ نے اسے کھانے پر بلایا تو اس نے معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔ اب انہوں نے اسکے تقویٰ اور خوفِ خدا کا امتحان لینے کے لئے کہا کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری مجھے فروخت کر دو، میں تمہیں اس کی قیمت بھی دوں گا اور روزہ افطار کرنے کے لئے گوشت بھی دوں گا۔ لیکن اس نے کہا، کہ یہ بکریاں میری نہیں بلکہ میرے آقا کی ہیں اس لئے میں فروخت نہیں کر سکتا۔

انہوں نے کہا کہ تمہارے آقا کیا کہہ سکتا ہے وہ تو یہاں موجود نہیں۔ اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کیطرف انگلی اٹھا کر کہا۔ فاین اللہ تو اللہ کہاں جائیگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس فقرے پر جھوم گئے اور بار بار کہنے لگے، قال الرّاعی فاین اللہ چرواہا کہتا ہے تو اللہ کہاں جائیگا۔

مدینہ آنے کے بعد اس چرواہے کو بکریوں سمیت اس کے آقا سے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں بھی اسے ہبہ کر دیں [1]

تو جب یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اور کوئی نہیں کہ اللہ تو مجھے دیکھ ہی رہا ہے تو پھر جرم کرنا اور ڈنڈی مارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اگر یہ یقین نہ ہو تو پھر انسان جو چاہے کرتا رہے، اسے کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتا۔

تطفیف کی کچھ اور صورتیں

ناپ تول میں کمی جسے قرآن نے تطفیف کہا ہے اس کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔ مختصر طور پہ یوں سمجھ لیں کہ کسی کے ذمّے دوسرے کا جو بھی حق ہے اس میں کمی کرنا

---

[1] اسد الغابہ صـ۲۲۸ جلد۳

تطفیف میں داخل ہے

امام مالک رح نے مؤطا میں حضرت عمر رض سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو نماز کے ارکان میں کمی کرتے دیکھا تو فرمایا کہ تو نے تطفیف کر دی یعنے جو حق واجب تھا وہ ادا نہیں کیا۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد امام مالک رح فرماتے ہیں۔ لِکُلِّ شَیءٍ وفاء وتطفیف حق کا پورا دینا اور کمی کرنا ہر چیز میں ہوتا ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو ملازم اپنی ڈیوٹی پوری نہیں کرتا، وقت چراتا ہے یا کام میں کوتاہی کرتا ہے وہ کوئی وزیر و امیر ہو یا معمولی ملازم ہو اور وہ کوئی دفتری کام کرنے والا ہو یا علمی اور دینی خدمت جو حق اس کے ذمے ہے، اس میں کوتاہی کرے تو وہ بھی مطففین میں داخل ہے۔ اسی طرح مزدور جو اپنی مقررہ خدمت میں کوتاہی کرے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

عدل وانصاف

آٹھواں حکم یہ دیا کہ "جب تم بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا رشتہ دار ہی ہو"

اسلام کا عمومی حکم یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں، ہر شعبے میں، ہر مقام پر اور ہر کسی کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرو،

اگر تم حاکم ہو تو بھی عدل کرو

قاضی اور جج ہو تو بھی عدل کا فیصلہ کرو۔

اُستاد ہو تو شاگردوں کے ساتھ عدل کرو،

والد ہو تو اولاد کے درمیان عدل کرو،

افسر ہو تو اپنے ماتحت ملازمین کے ساتھ انصاف کرو۔

له معارف القرآن ص ۶۸۴ جلد ۳

گواہ ہو تو حق وانصاف کے ساتھ گواہی دو
مبلغ اور داعی ہو تو بھی حق وانصاف کی بات کرو،
آپس میں کوئی معاملہ درپیش ہو تو اس میں بھی حق وعدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھو، غرضیکہ زندگی کا کوئی بھی مرحلہ ہو، کوئی بھی شعبہ ہو، کوئی بھی مقام ہو، تمہاری دوستی اور دشمنی، نفع اور نقصان، اعلیٰ اور ادنیٰ، رشتہ دار اور اجنبی جیسے پیمانوں پہ نظر بلکہ عدل وانصاف کے تقاضوں پر رہنی چاہیئے
کوئی راضی ہو یا ناراض تمہیں ہر حال میں سچی بات کہنی چاہیئے، سچی گواہی دینی چاہیئے کیونکہ سچی گواہی کے اثرات ونتائج دنیا وآخرت کے حق میں بہتر ہوں گے اور جھوٹی گواہی کے نتائج نہ دنیا میں بہتر ہو سکتے ہیں اور نہ آخرت میں۔

اسلام کی جیت

مشہور شاعر احسان دانش مرحوم نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے آبائی قصبہ کاندھلہ (یوپی) میں ایک مرتبہ کسی زمین کے ٹکڑے کے تنازعہ پر مسلمانوں اور ہندوؤں میں تصادم ہو گیا۔ مسلمان کہتے تھے کہ یہ ٹکڑا ہمارا ہے اور ہندو کہتے تھے کہ ہمارا ہے۔ جب مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی تو دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ضلعی صدر مقام سہارن پور سے ایک اعلیٰ انگریز افسر آیا۔ اور اس نے مولانا مظفر حسین کاندھلوی کو کہلا بھیجا کہ وہ جس قوم کے حق میں گواہی دیں اسی کے حق میں فیصلہ کر دوں گا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے ٹکراؤ کو ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کے شدید جذبات پائے جاتے تھے۔ چنانچہ مولانا نے اس انگریز افسر سے ملنے سے انکار کر دیا۔ مگر جب بار بار اصرار کیا گیا کہ حضرت آپ کی وجہ سے دو قوموں کے درمیان

ٹکراؤ رُک سکتا ہے اور مصالحت ہوسکتی ہے جب کہ دونوں فریق آپ کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار ہیں تو مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ اس شرط پر آنے کو تیار ہوئے کہ وہ اس انگریز افسر کا چہرہ نہیں دیکھیں گے۔ اور اس افسر نے بھی یہ شرط مان لی۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ تشریف لائے اور انگریز کیطرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے، آپ کے سامنے مسلمانوں اور ہندوؤں کا بہت بڑا مجمع تھا ہزاروں لوگ اس فیصلے کو سننے کے لئے جمع تھے۔ ظاہر ہے مسلمانوں کو تو یقین ہی ہو گا کہ ہمارے مولانا ہیں لہٰذا ہمارے ہی حق میں فیصلہ کریں گے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہمارا مولوی ہو اور ہمارے ہی خلاف بات کرے" ہماری بلی ہمیں کو میاؤں" مگر مسلمانوں کی توقعات کے برعکس مولانا نے اعلان کیا کہ زمین کا یہ متنازعہ ٹکڑا دراصل ہندوؤں کا ہے اور اس پر مسلمانوں کا دعویٰ بالکل بے جا ہے۔

زمین ہندوؤں کو مل گئی، مسلمان مقدمہ ہار گئے لیکن اسلام جیت گیا اور اسلام یوں جیتا کہ اسی روز شام تک چوبیس خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا۔

دین اور آخرت کا نقصان

تو یہ بتا رہا تھا کہ سچی گواہی اور انصاف کے فیصلے کے اثرات ہمیشہ دیرپا اور اچھے ثابت ہوتے ہیں، جب کہ جھوٹی گواہی اور ظالمانہ فیصلے کے نتائج نہ دنیا میں بہتر ہوتے ہیں نہ آخرت میں۔

جھوٹی گواہی کے متعلق ابو داؤد اور ابن ماجہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے، یہ تین مرتبہ فرمایا، اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ترجمہ: بت

پرستی کے گندے عقیدے سے بچو اور جھوٹ بولنے سے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتے ہوئے۔"

اسی طرح حق کے خلاف فیصلہ کرنے کے بارے میں ابو داؤد نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "قاضی" (یعنی مقدمات کا فیصلہ کرنے والے) تین قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں۔ جس نے معاملہ کی تحقیق شریعت کے موافق کر کے حق کو پہچانا پھر حق کے مطابق فیصلہ دیا، وہ جنتی ہے اور جس نے تحقیق کر کے حق بات کو جان لیا مگر جان بوجھ کر فیصلہ اسکے خلاف کیا وہ دوزخی ہے، اور اس طرح وہ قاضی جس کو علم نہ ہو یا تحقیق اور غور و فکر میں کمی کی اور جہالت سے کوئی فیصلہ دے دیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔"

ان احادیث کو سامنے رکھیئے اور دیکھیئے کہ آج کتنے لوگ ہیں جو حق و انصاف کی بات کرتے ہیں۔

کتنے قاضی اور جج ہیں جو مبنی برحقیقت فیصلے کرتے ہیں۔

کتنے لوگ ہیں جو دوستیوں اور تعلقات پر عدل کی آواز کو غالب رکھتے ہیں، میری ناقص سوچ تو یہ ہے کہ اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ عدل کا فقدان ہے، کسی شعبے میں بھی عدل کا وجود دکھائی نہیں دیتا، ہر طرف ظلم ہی ظلم ہے، زیادتی ہی زیادتی ہے، ناانصافی ہی ناانصافی ہے

گھروں میں ظلم ہے۔

دفتروں میں ظلم ہے۔

محکموں میں ظلم ہے۔

تھانوں میں ظلم ہے۔

عدالتوں میں ظلم ہے۔
دیہاتوں میں ظلم ہے۔
شہروں میں ظلم ہے۔
جب ہر طرف ظلم ہی ظلم ہوگا تو تعصبات کیوں نہ اُبھریں
قومیت کی آوازیں کیوں نہ اٹھیں،
ظلم کی ہمہ گیری ہی کا نتیجہ ہے کہ آج اس ملک کا وجود خطرے میں پڑ چکا ہے آدھا حصہ ہم پہلے گنوا بیٹھے ہیں اور اب باقی آدھے پر بھی لرزہ طاری ہے، اس ملک کے باسی وسوسوں اور اندیشوں میں مبتلا ہیں کہ نہ معلوم کل کیا ہو جائے۔

خدارا! اپنے گھر میں اپنے دفتر میں اپنی فیکٹری میں اور اپنے دائرۂ اختیار میں عدل کیجیئے، عدل کو اپنایئے، عدل کی عادت ڈالیئے۔ عدل کو رواج دیجیئے، ہوسکتا ہے آپ کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی عدل کرنے لگیں۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے، اگر آپ اپنے دائرۂ اختیار میں عدل کا چراغ روشن کردیں گے تو ممکن ہے کہ اس چراغ سے پورے ملک میں عدل کے بہت سارے چراغ روشن ہوجائیں اور یوں اس مظلوم ملک کے مظلوم انسانوں کے در و بام عدل کی پاکیزہ روشنی سے جگمگا اُٹھیں۔ اور جس دن ایسا ہوگیا۔ انشاء اللہ اس کے بعد کسی دشمن کو اس ملک کے وجود پر اپنی ناپاک نگاہیں گاڑنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

ایفائے عہد

نواں حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔

اللہ کا وہ کون سا عہد ہے۔ جسے پورا کرنے کا یہاں حکم دیا گیا ہے؟ اس عہد سے مراد "عہدِ الست،، بھی ہوسکتا ہے، جب عالم ارواح میں تمام انسانوں سے سوال کیا گیا تھا۔

"اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ"، کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں۔
اور سب نے جواب دیا تھا "بَلٰی" بلاشبہ آپ ہمارے رب اور پروردگار ہیں۔

اور اس سے وہ خاص خاص عہد بھی مراد ہو سکتے ہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر فرمایا گیا ہے اور انہی میں سے یہ تین آیات بھی ہیں جن میں دس احکام تاکید کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں اور ہمیں اُن پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے
ویسے کلمہ طیبہ بھی تو ایک عہد ہی ہے۔
جب ایک شخص لا الٰہ الاّ اللہ پڑھتا ہے تو گویا اللہ سے عہد کرتا ہے کہ:
میں تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا
تیرے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔
تیرے سوا کسی سے امیدیں قائم نہیں کروں گا۔
تیرے سوا کسی کو حاکم مطلق تسلیم نہیں کروں گا۔
تیرے سوا کسی کے سامنے پیشانی نہیں جھکاؤں گا۔
تیرے سوا کسی اور کے نام پر نذر و نیاز نہیں مانوں گا۔
میرے قیام و قعود، میرا رکوع و سجود، میرا صدقہ و خیرات، میری زندگی اور موت صرف تیرے لئے ہوگی۔
اور محمد رسول اللہ" کہہ کر وہ یہ عہد کرتا ہے کہ میں زندگی کے ہر شعبے میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کروں گا۔
شادی میں، خوشی میں، موت اور غم میں، تجارت اور ملازمت میں، گھر اور بازار میں، مسجد اور ایوان میں، امن اور جنگ میں، سفر اور حضر میں، سیاست اور حکومت میں۔ غرضیکہ ہر حالت میں اور ہر شعبے میں اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ

وسلم کی ہدایات کو آپ کی تعلیمات کو آپ کے ارشادات کو اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھوں گا ۔

محترم سامعین ! جس طرح اللہ کے عہد کو پورا کرنا ضروری ہے ۔ اسی طرح اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر بندوں کے ساتھ کوئی وعدہ کیا جائے تو اسے بھی پورا کیا جائے ، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

لا اِیمانَ لمن لا امانۃ له ولا دِینَ لمن لا عهد له

اس شخص کا ایمان کامل نہیں جس میں امانت نہ ہو اور اس شخص کا دین کامل نہیں جس میں عہد نہ ہو ،

عہد کی پابندی

یہ اسلامی تعلیمات اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے قول و قرار کے بڑے پابند تھے وہ ہماری طرح وعدہ توڑنے اور مکرنے کے لئے نہیں کرتے بلکہ زبان سے جو لفظ نکالتے تھے ، اس کو پتھر کی لکیر سمجھتے تھے

جبکہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ جو جتنے مشہور اور بڑے لوگ ہیں وہ اتنے ہی قول و قرار کے کچے اور وعدہ خلاف ہوتے ہیں ۔

وعدہ خلافی ایک عام معمول بن کر رہ گیا ہے ، اسے کوئی عیب نہیں ، بلکہ ہنر سمجھا جاتا ہے ۔ بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کو ایسی گولی دی ہے کہ یاد رکھے گا ۔

جب کہ صحابۂ کرام رضہ کا یہ حال تھا کہ وہ ہر حالت میں عہد کو پورا کرتے تھے ، ہرمزان کا نام آپنے ضرور سنا ہوگا ۔ یہ ایرانیوں کے ایک لشکر کا سردار تھا ۔ ایک مرتبہ مغلوب ہو کر اس نے جزیہ دینا بھی قبول کر لیا تھا ، مگر پھر باغی ہو کر مقابلے

پر آگیا، آخر اسے دوبارہ شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچا۔

آپ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، آپ نے ہرمزان سے کہا کہ تم نے کئی بار بدعہدی کی ہے اگر اب تمہیں سزا دی جائے تو تمہیں کیا عذر ہے۔ ہرمزان نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید میرا عذر سننے سے پہلے ہی مجھے قتل نہ کر دیا جائے آپ نے فرمایا، ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تم بلا خوف و خطر اپنا عذر بیان کرو، اس نے کہا، پہلے مجھے پانی پلا دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی لانے کا حکم دیا، ہرمزان نے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کر کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ میں پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب تک تم پانی نہ پی لو اور اپنا عذر بیان نہ کر لو، تم اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ سمجھو، ہرمزان نے پانی کا پیالہ رکھ دیا (بعض کتابوں میں ہے کہ پانی گرا دیا) اور کہا میں پانی نہیں پینا چاہتا اور چونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ جب تک میں پانی نہیں پی لوں، آپ مجھے قتل نہیں کریں گے اس لئے آپ مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہرمزان کی اس چالاکی اور دھوکہ دہی پر بہت غصہ آیا، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ درمیان میں بول اٹھے کہ امیر المؤمنین یہ سچ کہتا ہے، کیونکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ جب تک تم عذر بیان نہیں کر لو گے اور پانی نہیں پی لو گے تم کسی خطرے میں نہیں ڈالے جاؤ گے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بات کی دوسرے لوگوں نے بھی تائید کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہرمزان! تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے لیکن میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا، کیونکہ اسلام نے اس کی تعلیم نہیں دی، ایفاء عہد اور حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ اور امیر المؤمنین نے دو ہزار سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ تو نواں حکم یہ ہے کہ اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

تفرقہ بازی

دسواں حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے :—

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط

یہ دین میرا سیدھا راستہ ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی

یہ آخری بات ہے، جس کا ان آیات میں حکم دیا گیا ہے کہ یہ دین اور یہ قرآن میرا سیدھا راستہ ہے تو اگر منزل مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو اسی جرنیلی سڑک پر چلتے رہو۔ ایک نہ ایک دن تم منزل تک ضرور جا پہنچو گے۔

اس جرنیلی سڑک کو چھوڑ کر ان پگڈنڈیوں پر ہرگز نہیں چلو، جو لوگوں نے اپنی اپنی خواہشات اور اپنے اپنے خیالات سے خود بنا رکھی ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں اور خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ سبل ہیں (یعنی وہ راستے ہیں جن پر چلنے سے اس آیت میں منع فرمایا ہے) اور فرمایا کہ ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان مسلّط ہے جو لوگوں کو سیدھے راستے سے ہٹا کر اس طرف بلاتا ہے، اس کے بعد آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھی۔

قرآن کریم تو اسلئے نازل ہوا تھا کہ لوگ اپنے خیالات اور اپنی مرضیات اور نظریات و افکار کو قرآن کریم کے تابع ڈھالیں۔ لیکن لوگوں نے یوں کیا کہ بجائے اس کے کہ اپنے خیالات کو قرآن کے مطابق ڈھالنے کی بنانے اور سنوارنے کی کوشش کرتے، الٹا انہوں نے قرآن کریم کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش شروع کر دی، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

ہوئے کس قدر بے توفیق فقیہانِ حرم
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

اسی سے فرقے پیدا ہوتے ہیں
اسی سے گمراہیاں جنم لیتی ہیں
اسی سے مختلف راستے نکلتے ہیں۔
اور یہی آج امّت کی کمزوری اور مغلوبیت کا بڑا سبب ہے۔

امّت پنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی قربانیوں سے ایک امت کو تیار کیا تھا۔ اس اُمّت کا ہر فرد امّتی ہونے کے جذبے سے سرشار تھا۔ ان میں سے کوئی فارس کا رہنے والا تھا، اور کوئی حبشہ کا، کوئی روم کا باشندہ تھا اور کوئی نینوا کا، کسی کا قبیلہ غفار سے تعلق تھا اور کسی کا دَوس سے، کوئی اموی تھا اور کوئی طائی تھا کوئی ازدی تھا، اور کوئی جعثمی تھا، لیکن جو کوئی بھی تھا، جہاں کہیں کا بھی تھا، جس قبیلے کا بھی تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے پر فخر کرتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی سمجھتا تھا۔

امت ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے، ہر شخص اپنی رائے پر ڈٹا ہوا ہے اور اسی کو حق سمجھتا ہے، ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی الگ بنا ڈالی ہے اور اسی میں مگن ہے۔

اب اگر کوئی چاہے کہ دوبارہ ہمارے اندر امّت پنا پیدا ہو جائے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ اپنے ذاتی خیالات اور نظریات کو چھوڑ کر قرآن کی بالادستی قبول کر لیجائے۔

یہ طے کر لیا جائے کہ ہمیں عبادت اور ریاضت میں، سیاست اور ثقافت

میں، معاشرت اور معیشت میں، شادی اور غمی میں، غرضیکہ ہر ہر معاملے میں صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی ہے، اسی اس طریقے سے امت پیدا ہو سکتا ہے اور کا بیڑوں کا یہ بکھرا ہوا گلہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتا ہے اس سے ہٹ کر اگر ہم نے کوئی بھی کوشش کی تو وہ اتحاد کے بجائے ہمیں مزید انتشار کیطرف لے جائے گی۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ دس باتیں جو آپ کے سامنے بیان کی گئی ہیں آیئے ہم ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں،

اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

فقر و فاقہ کی وجہ سے نہ تو اولاد کا جسمانی قتل کریں اور نہ ہی روحانی قتل کریں۔

ہر قسم کی بے حیائی سے اپنے دامن کو بچائیں۔

کسی انسان کے قتلِ ناحق سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہ کریں۔

کسی کے مال پر اور خصوصاً یتیموں کے مال پر قبضہ نہ جمائیں۔

ناپ تول ہمیشہ درست رکھیں

جب بھی بات کہیں عدل و انصاف کی کہیں،

اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کریں۔

اور کتاب و سنت کے راستے سے ذرہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں، اللہ مجھے اور آپ سب کو ان دس احکام کو اپنی زندگیوں میں عملی طور پر زندہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

قصہ یوسف علیہ السلام کی چند عبرتیں

یکے پُرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہانست
دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارمِ اعلےٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

گرچہ رفتہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار مے باید دوید
(مولانا رُوم نور اللہ مرقدہٗ)

"حضرت یوسف علیہ السلام نہ تو کنوئیں کی تاریکی میں مایوس ہوئے تھے، نہ ہی مصر کے بازار میں دل شکستہ ہوئے اور نہ ہی فوطیفا کے گھر میں عزت و احترام کے ملنے کے بعد آپے سے باہر ہوئے بلکہ ہر حال میں راضی برضا رہے

مومن کی یہی شان ہوتی ہے وہ بہار میں بھی اپنے مالک کو نہیں بھولتا اور خزاں میں بھی اس کی دستگیری سے مایوس نہیں ہوتا وہ فقر و غربت میں اپنے مالک سے وابستہ رہتا ہے اور دولت و ثروت میں بھی اس سے رشتہ نہیں توڑتا۔

وہ مصائب و آلام میں اس کو پکارتا ہے اور مسرت و خوش عیشی میں اسے فراموش نہیں کرتا۔

جھونپڑے میں بھی وہ اپنے تدیّن کی حفاظت کرتا ہے اور قصرِ شاہی میں بھی دامنِ تقوٰی کو آلودہ نہیں ہونے دیتا۔ بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے :-

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

قصۂ یوسف علیہ السّلام کی چند عبرتیں

نحمدہ ونصلی علیٰ سیّدنا ورسولنا الکریم اما بعد

فاعوذ باللہِ مِنَ الشیطٰن الرجیم بسم اللہِ الرحمٰن الرحیمؕ

الٓرٰ تف تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ o اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ o نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ o (سورہ یوسف ، ۱ تا ۳)

الرٰ : یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں، ہم نے قرآن کو عربی میں اُتارا ہے تاکہ تم سمجھ سکو، اے پیغمبر! ہم اس قرآن کے ذریعہ سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، ایک نہایت اچھا قصہ (واقعہ) سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔

گرامی قدر حاضرین وسامعین میں نے آپ کے سامنے سورۂ یوسف کی چند آیات تلاوت کی ہیں، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السّلام کا وہ مشہور واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جسے ربُّ العزت نے خود ہی "احسن القصص" قرار دیا ہے۔ یعنی یہ قصّہ اور واقعہ تمام واقعات سے زیادہ حسین اور بہترین ہے۔ یاد رکھیں کہ قرآن کریم قصّوں، کہانیوں کی کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ اُس کا مقصدِ نزول صرف اور صرف ہدایت ہے۔ جیساکہ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا مقصدِ نزول بیان فرمایا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن

فِیْہِ الْقُرْاٰنِ هُدًی لِّلنَّاسِ   نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے
اس لئے قرآن کا اس قصّے کو "احسن القصص" قرار دینا محض
اس کی دلچسپی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ اس میں ہدایت اور عبرت
ونصیحت کا بے پناہ سامان ہے۔

میں اس وقت آپ حضرات کے سامنے اس واقعہ کی تفصیلات
اور جزئیات بیان نہیں کرنا چاہتا، بلکہ اس میں جو عبرتیں اور بصیرتیں پوشیدہ
ہیں صرف انہیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

حَسد کی بیماری

سب سے پہلی چیز جو اس واقعہ سے
معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حسد ایک
ایسی بیماری ہے جو بھائی کو بھی بھائی کے خلاف غیظ وغضب میں مبتلا
کر دیتی ہے اور یہ کہ بڑوں بڑوں کی اولاد میں بھی یہ بیماری ہو سکتی ہے بلکہ
جہاں تک میرا ناقص تجربہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ بیماری اسی طبقے میں
زیادہ ہوتی ہے، جسے ہم اونچی سوسائٹی کا طبقہ یا بڑے لوگ کہتے ہیں،
یہ لوگ بڑے ہوتے ہیں مگر دل چھوٹے ہوتے ہیں۔

علم بھی ہے، دولت بھی ہے، فیکٹری اور کارخانہ بھی ہے، عہدہ اور
منصب بھی ہے۔ لیکن دل میں حریفانہ جذبات اور رقیبانہ خیالات، حسد
میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائی بھی بڑے لوگ تھے۔ ایک عظیم پیغمبر
حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ لیکن جب دیکھا کہ ہمارے ابّا کو
اپنی تمام اولاد میں سے سب سے زیادہ پیار یوسف سے ہے تو وہ حسد
میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ یہ فطری بات ہے کہ والدین کو اپنی اولاد میں سے

کسی ایک سے زیادہ پیار ہو جاتا ہے ۔

یہ تو جائز نہیں کہ والدین اپنی اولاد میں ناانصافی اور ظلم کریں

کسی ایک کو اچھا کھانا دیں اور دوسرے کو بچا کھچا اور ہلکا کھانا دیں۔

کسی ایک کو اچھا لباس اور دوسروں کو گھٹیا لباس دیں ۔

لیکن جہاں تک قلبی محبت کا تعلق ہے تو وہ کسی ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے اسلئے کہ دل پر انسان کا اختیار نہیں ۔

حضور علیہ السلام کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ باقی ازواج مطہرات سے زیادہ محبّت تھی ۔لیکن اس کے باوجود باری کے اعتبار سے اور نان ونفقہ کے اعتبار سے سب سے برابری کا سلوک فرماتے تھے۔

اسی بارے میں ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا ۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ فِيْمَا لَا اَمْلِكُ

اے اللہ ! جو میرے اختیار میں ہے اس کے مطابق میں تمام بیویوں میں عدل کے ساتھ تقسیم کرتا ہوں ۔
لیکن جو میرے اختیار میں نہیں ہے
اس پر میرا مؤاخذہ نہ کرنا ۔

—— دل پر چونکہ میرا اختیار نہیں ہے
تو دل کو جس طرف چاہے پھیر سکتا ہے ۔
جس کیطرف مائل کرنا چاہے مائل کر سکتا ہے ۔
جس کی محبت چاہے دل میں ڈال سکتا ہے ۔

اس لئے اگر دل میں کسی بیوی کی محبت زیادہ ہو تو اس پر میرا مؤاخذہ نہ کرنا کیونکہ میں اس سلسلہ میں بے بس ہوں ۔

جیسے بیویوں کا معاملہ ہے بعینہٖ یہی معاملہ اولاد کا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ظاہری طور پر تو اپنی ساری اولاد سے انصاف کا سلوک کرے لیکن اگر دل میں کسی ایک کی محبت زیادہ ہو تو اس پر گرفت نہیں ہوگی حضرت یعقوب علیہ السّلام ظاہری معاملات میں اپنی ساری اولاد کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے، مگر یوسف علیہ السّلام کی صورت وسیرت کی وجہ سے محبت ان سے زیادہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے برادرانِ یوسف حسد میں مبتلا ہو گئے اور ان کے حَسد نے انہیں اپنے معصوم بھائی کے قتل کا راستہ دکھایا، جیسے آدم علیہ السّلام کے بیٹے قابیل کو حسد نے اپنے بھائی ہابیل کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔

اسی سے آپ اندازہ لگالیں کہ حسد کیسی خطرناک بیماری ہے۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے —— اس خوفناک بیماری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

برادرانِ یوسف نے بغض وحسد کی بنا پر آپس میں جو مشورہ کیا تھا۔ قرآن کریم نے ان کے مشورہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚ ۖ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝	جب وہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف اور اس کا بھائی (بن یامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے اور ہم ان سے زیادہ قوت والے ہیں، بلاشبہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے، یوسف کو مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک دو، تاکہ تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف سمٹ آئے، اور

ہو رہنا بعد میں نیک قوم

چنانچہ حیلے بہانے سے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے اور وہاں جاکر ایک خشک کنوئیں میں اُنہیں ڈالدیا اور شام کو واپسی میں ان کی قمیص کو کسی جانور کے خون میں تر کرلیا اور انتہائی مکاری سے ٹسوے بہاتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

یٰاَبَانَا اِنَّا ذَھَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَکْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَکَلَهُ الذِّئْبُ (سورۂ یوسف)	اے ہمارے باپ ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا اس کو کھا گیا۔

چونکہ جانتے تھے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں، دل میں چور تھا اس لئے خود ہی بول اٹھے۔

وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ ○	اور آپ تو ہمارے اوپر یقین نہیں کریں گے گو ہم (کیسے ہی) سچے ہوں۔

انسان کتنی ہی ہوشیاری کیوں نہ کرے، اس سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کی ہوشیاری اور مکاری کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ برادرانِ یوسف نے قمیص کو خون سے تر کرلیا تھا۔ مگر قمیص کو پھاڑنا بھول گئے تھے۔ جس سے ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا تھا کہ ایسا کوالیفائیڈ بھیڑیا کہاں سے آگیا جس نے ایسی صفائی سے قمیص اُتاری کہ خون میں تر بہ تر ہونے کے باوجود نہ دامان چاک ہوا نہ خراش آئی۔ یہ تو وہی بات ہوئی۔ ؎

نہ دامن پہ کوئی دھبہ نہ خنجر پہ نشاں
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو۔

مگر پیغمبر بڑے حوصلے والا ہوتا ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام ساری بات سمجھ گئے لیکن اس کے باوجود نہ طعنہ دیا نہ بحث کی نہ نفرت وحقارت کا اظہار کیا۔ بس اتنا کہنے پر اکتفاء کیا کہ :

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ۔ (سورۂ یوسف)

یہ ہرگز نہیں بلکہ بنادی ہے تمھارے نفسوں نے تمھارے لئے ایک بات ، اب صبر ہی بہتر ہے اور جو بات تم ظاہر کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں

صبر و یقین دوسرا سبق جو ہمیں اس واقعہ سے ملتا ہے ، وہ مصائب اور پریشانیوں پر صبر اور اللہ تعالے کی ذات اور اس کے وعدوں پر یقین کامل ہے۔

بہت سے حضرات کے ذہنوں میں صبر کا بہت ہی محدود سا مفہوم ہے۔ حالانکہ صبر بے شمار خوبیوں کا مجموعہ اور متعدد اخلاقی حقیقتوں کا ترجمان ہے اگرچہ لغت میں ان خوبیوں اور حقیقتوں کے الگ الگ نام تجویز کر دیئے گئے ہیں، مگر اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے یہ سب صبر ہی ہیں۔ شرمگاہ اور پیٹ کی خواہشات کے مقابلہ میں صبر کیا جائے تو اسے عفت کہتے ہیں۔

اگر دولت کی کثرت کی حالت میں صبر کیا جائے تو اسے ضبط نفس کا نام دیتے ہیں۔

اگر میدان جنگ میں صبر کیا جائے تو اس کا نام شجاعت ہے۔

اگر غیظ و غضب میں صبر کیا جائے تو یہ حلم کہلاتا ہے۔

اگر زمانے کے حوادث پر صبر کیا جائے تو اسے وسعت صدر اور کشادہ دلی کا نام دیا جائے گا۔

اگر دوسروں کے پوشیدہ رازوں پر صبر کیا جائے تو اسے چشم پوشی کہتے ہیں
اگر ہر قسم کی عیش پسندی کے مقابلہ میں صبر ہو تو اس کا نام زُہد ہے۔
اگر تھوڑے رزق پر صبر کیا جائے تو اسے قناعت کہتے ہیں۔
یوسف علیہ السلام کی سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر صبر والی یہ ساری ہی صفات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں

جس وقت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا، اسی وقت اللہ تعالےٰ نے ان کیطرف الہام کیا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، تم ضائع نہیں جاؤ گے، اللہ کی مدد اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمھیں عزت و سرفرازی عطا کریگا۔ اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا۔ جب تم انہیں ان کی حرکتیں اور زیادتیاں یاد دلاؤ گے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ٥	اور ہم نے (یوسف) پر وحی کی کہ تم (ایک روز) ان لوگوں کو ان کی یہ بات جتلاؤ گے اور (اس وقت) وہ جانتے بھی نہ ہوں گے

یوسف علیہ السلام کی چھوٹی سی عمر تھی، والدہ کا انتقال ہو چکا تھا، والد کی آغوش محبت حاصل تھی، مگر اب اس سے محروم ہو گئے۔ بھائیوں نے بے وفائی کی، گھر سے دور ایک تاریک کنوئیں میں پڑے ہیں۔ مگر چونکہ اللہ

تعالےٰ کی ذات پر یقین کامل تھا اس لئے نہ روئے نہ چلائے نہ شور کیا نہ واویلا بس شاکر وصابر اللہ کے فیصلے پر راضی برضا بیٹھے ہیں۔ اور اللہ کا دستور یہ ہے کہ وہ اپنی ذات پر یقین رکھنے والوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اور دشمنوں کی تدبیروں اور حاسدوں کی سازشوں کو یوں بے اثر بناتا ہے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

برادرانِ یوسف نے انہیں کنوئیں میں ڈال کر اپنے خیال میں ان کے مستقبل کا خاتمہ کر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کے اس زوال کو عروج کا اور پستی کو بلندی کا ذریعہ بنا دیا۔

اور اللہ تعالےٰ پر یقین رکھنے والوں کا ہمیشہ یہی معاملہ رہتا ہے۔ وہ اُبھر کر ڈوبتے ہیں، اور ڈوب کر اُبھرتے ہیں۔ حضرت اقبالؒ نے خوب کہا ہے۔

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں۔
اِدھر نکلے اُدھر ڈوبے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ ذات باری پر یقین وایمان بحال رکھتے ہیں اور یہی یقین انہیں موجوں کی طغیانی سے حفاظت وسلامتی کے ساتھ ساحل پر پہنچا دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ سارے ظاہری وسائل واسباب بھی اگر انسان کا ساتھ چھوڑ جائیں تو بھی اسے نا امید نہیں ہونا چاہیئے، اگر اللہ تعالےٰ پر اس کا یقین بحال ہے تو انشاءَ اللہ وہ مالک وخالق پریشانیوں کی ایک تاریک رات کے بعد اسے صبح امید کا روشن چہرہ ضرور دکھائی دیگا۔

ایک صوفی ابن عطاء اللہ سکندری رحؒ کا بڑا پیارا قول ہے وہ ہم میں سے

ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیئے اور اس میں ان تمام لوگوں کے لئے ایک حوصلہ اور روشن پہلو ہے جو کسی قسم کی مصیبت اور پریشانی سے دوچار ہیں۔

فرماتے ہیں:

رُبَمَا كَانَتِ الْمِنَنُ فِي الْمِحَنِ اللہ تعالے کے اکثر احسانات اور کرم مصائب میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

اگر انسان اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین بحال رکھے اور مالک حقیقی کے ساتھ تعلق استوار رکھنے کے ساتھ ساتھ کوشش جاری رکھے تو مصیبتوں کے بعد آسانیوں کا دور ضرور شروع ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں خود اللہ تعالے نے بھی وعدہ نما اعلان فرمایا ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے۔ بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے۔

(سورۃ الانشراح)

ایک نکتہ اس آیت میں آپ نے سنا کہ "العسر" پر الف لام آیا ہے اور "یسرا" پر الف لام نہیں آیا ہے جس پر الف لام آئے اسے معرفہ کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں نکرہ ہوتا ہے اس پر الف لام نہیں آسکتا۔ قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ اگر دوبار آئے تو اس سے ایک ہی چیز مُراد ہوتی ہے

اور نکرہ اگر دوبارہ آئے تو اس سے دو مختلف چیزیں مراد ہوتی ہیں، گویا اس آیت میں مشکل اور تنگی تو ایک ہی مُراد ہے اور آسانیاں دو مُراد ہیں، اس سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ اگر انسان پر ایک مشکل آئے تو اللہ تعالےٰ دو آسانیاں پیدا فرماتا ہے۔ بس شرط صرف یہ ہے کہ انسان صرف صبر کرے اور یقین کا

رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے جیساکہ یوسف علیہ السلام نے کیا۔

ایک اور آزمائش

حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں میں راضی برضا بیٹھے تھے کہ وہاں سے حجازی اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ گذرا جو کہ بخورات، بلساں اور مسالہ لے کر شام سے مصر کیطرف جا رہا تھا، انہیں پانی کی ضرورت پیش آئی تو اپنے میں سے ایک شخص کو کنوئیں سے پانی لینے کے لئے بھیجا، اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام سمجھے کہ شاید بھائیوں کو رحم آ گیا ہے۔ آپ ڈول پکڑ کر لٹک گئے، وہ سقہ جو پانی لینے آیا تھا، اس نے جب سراپا حسن وجمال کو دیکھا، تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے جوش سے شور مچایا

یا بشریٰ ھٰذا غلام ارے واہ واہ! یہ تو لڑکا نکل آیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں سے تو نکل آئے مگر اب ایک اور آزمائش کا سامنا تھا۔

اللہ کی شان دیکھیئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پوتے اور یعقوب علیہ السّلام کے لخت جگر کا مصر کے بازار میں نیلام ہو رہا ہے۔

اتفاق سے مصری افواج کا افسر اور شاہی خاندان کا ایک فرد فوطیفار وہاں آ نکلا اور اس نے چند دراہم دے کر اس دُرّ بے بہا کو خرید لیا۔ حجازی تاجروں پر یہ مصرعہ پوری طرح صادق آ رہا تھا۔

فروختند وچہ ارزاں فروختند

فوطیفار ایک جہاندیدہ انسان تھا۔ اس نے آپ کی شکل وصورت کو دیکھا، گفتار اور کردار کو دیکھا، حلم ووقار کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ اسے صرف

بدوی غلام کی حیثیت دینا مناسب نہیں، یہ گھر میں خصوصی شرف و منزلت کے مستحق ہیں، اس نے اپنی بیوی سے کہہ دیا۔

اَکْرِمِیْ مَثْوَاهُ عَسٰى اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا — (دیکھو) اس کو عزت سے رکھو، کچھ عجب نہیں کہ ہم کو فائدہ بخشے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔

فوطیفار نے صرف گھر میں ہی آپ کو پیار نہیں دیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی دولت و ثروت اور گھریلو زندگی کی تمام ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد کر دیں۔

آگے چل کر آپ کو جو پورے مصر کی حکومت ملنے والی تھی، یہ اس کی تمہید اور عملی تربیت تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ — اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے کہ اس کو سکھائیں باتوں کا نتیجہ اور مطلب نکالنا اور اللہ طاقت ور رہتا ہے اپنے کام میں، لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نہ تو کنوئیں کی تاریکی میں مایوس ہوئے تھے نہ ہی مصر کے بازار میں دل شکستہ ہوئے اور نہ ہی فوطیفار کے گھر میں عزت و احترام کے ملنے کے بعد آپے سے باہر ہوئے، بلکہ ہر حال میں راضی بہ رضا رہے۔

مؤمن کی یہی شان ہوتی ہے وہ بہار میں بھی اپنے مالک کو نہیں بھولتا

اور خزاں میں بھی اس کی رحمت کی دستگیری سے مایوس نہیں ہوتا۔

وہ فقر و غربت میں بھی اپنے مالکِ حقیقی سے وابستہ رہتا ہے اور دولت و ثروت میں بھی اس سے رشتہ نہیں توڑتا۔

وہ مصائب و آلام میں بھی اس کو پکارتا ہے اور مسرت و خوش عیشی میں بھی اسے فراموش نہیں کرتا۔

جھونپڑے میں بھی وہ اپنے تدیّن کی حفاظت کرتا ہے اور قصرِ شاہی میں بھی دامنِ تقویٰ کو آلودہ نہیں ہونے دیتا۔

بہادر شاہ ظفرؔ نے کیا خوب کہا ہے کہ:

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیئے گا۔
ہو وہ کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

استقامت اور ضبطِ نفس

حضرت یوسف علیہ السلام کو پُر آسائش ٹھکانہ بھی مل گیا کاروباری اختیارات بھی حاصل ہو گئے، عزت و راحت بھی حاصل ہو گئی، لیکن ابھی ایک اور آزمائش آپ کے انتظار میں تھی۔

یہاں یہ بھی جان لیں کہ جو اللہ کے مقرب اور محبوب ہوتے ہیں، ان پر آزمائشیں بھی بہت آتی ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔ مقربینِ بارگاہ کے لئے حیرانی اور پریشانی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

اور آزمائش کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔

انسان کو کبھی فقر و فاقہ سے آزمایا جاتا ہے اور کبھی سونے چاندی کے

انبارڈ ے کر آزمایا جاتا ہے۔

کبھی صحت سے آزمایا جاتا ہے اور کبھی بیماری سے آزمایا جاتا ہے۔

کبھی کچھ دے کر آزمایا جاتا ہے اور کبھی کسی نعمت سے محروم کر کے آزمایا جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے آزمایا گیا۔ بھائیوں کی بے وفائی سے وطن سے بے وطن کر کے۔

کنوئیں کی تاریکی میں ڈال کر

بازارِ مصر میں ایک بدوی غلام کی حیثیت سے بولی لگوا کر

وسائل واسباب سے محروم رکھ کر

اور اب آزمایا جا رہا ہے خوش حالی اور فراوانی عطا کر کے۔

اور یہیں سے ایک دوسری آزمائش شروع ہوتی ہے

وہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ حسن دے رکھا تھا۔

جمال ورعنائی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔

چہرہ سورج اور چاند کیطرح روشن تھا۔

عصمت وحیا کی فراوانی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

جو دیکھتا تھا بس دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔

جس حسن سے سب ہی متأثر ہو رہے تھے اس سے عزیز مصر کی بیوی متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتی تھی جبکہ آپ اس کے گھر میں رہتے تھے۔

وہ آزاد سوسائٹی کی آزاد منش عورت تھی اور آزاد سوسائٹی میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہی کچھ کل بھی ہو رہا تھا۔

کل کے مصر کی داستانیں آج کے یورپ میں بکثرت دہرائی جارہی ہیں، اس وقت بھی ایسی حیا باختہ عورتیں تھیں جو مردوں کی عصمت وعفت داغدار کرنے کے درپے ہوجاتی تھیں اور آج بھی ایسی عورتیں بے شمار ہیں، جو مردوں کی عزت وآبرو لوٹ لیتی ہیں۔

صرف مرد ہی عورتوں کو اغواء نہیں کرتے، عورتیں بھی مردوں کو اغواء کرلیتی ہیں، عزیزِ مصر کی بیوی حسنِ یوسف کو دیکھ کر دل پر قابو نہ رکھ سکی اور اس نے یوسف کو حاصل کرنے اور اسے معصیت کی گندگی میں مبتلا کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔

فوطیفار کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہر حربہ آزمایا مگر وہ خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ کو عفت وعصمت کے راستے سے ہٹانے میں ناکام رہی۔

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی آنکھوں کے نور پر زلیخا کا کوئی داؤ نہ چل سکا تو اس نے ایک مکان کا دروازہ بند کرلیا اور یوسف علیہ السلام کو دعوت دی۔

قَالَتْ هَيْتَ لَكَ کہنے لگی آ میرے پاس آ۔

یوسف علیہ السلام کی جوانی کا زمانہ ہے، دروازہ بند ہے نہ بدنامی کا ڈر ہے نہ قانون کا خوف۔ سامنے شاہی خاندان کی حسین وجمیل عورت ہے جو عشوہ طرازیوں کی بارش کررہی ہے اور مطلوب نہیں بلکہ طالب معشوق نہیں بلکہ معشوق بن کر آئی ہے اور اس عزم کے ساتھ آئی ہے کہ آج وہ بہر صورت شادکام ہوکر رہے گی۔

اس نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ خلوت کی خاموشیوں میں شاہی خاندان کی

نوجوان اور خوبصورت عورت اور اس کے حسن کی بے پناہ نمائش سے یوسف جیسا صحرائی اور بدوی نوجوان اتنی بے توجہی برت سکتا ہے

وہ جس سوسائٹی میں پلی بڑھی تھی، اس سوسائٹی میں تو ایسے مواقع کو تلاش کیا جاتا تھا، نہ کہ ان سے فرار اختیار کیا جاتا تھا۔

عزیز مصر کی بیوی نے اپنے حسن وجمال کو تو دیکھا۔

یوسف کی جوانی اور رعنائی کو تو دیکھا۔

خلوت کی خاموشی اور پردہ داری کو تو دیکھا۔

مگر وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نور دیدہ کے ایمان ویقین اور عفت وعصمت کے جوہر کو نہ دیکھ سکی۔

اس بے چاری کو کیا خبر تھی کہ جس انسان کے دل میں اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا ہو جائے، اس کی خلوت وجلوت ایک ہو جاتی ہے، اسے رقیب کا ڈر اور قانون کا خوف برائی سے نہیں روکتا، بلکہ اسے صرف اور صرف مالک حقیقی کا خوف گناہ کی گندگی میں آلودہ ہونے سے بچا لیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فوطیفار کی بیوی کی ترغیب اور دعوتِ گناہ کے جواب میں صرف دو باتیں کہیں، ایک یہ کہ میں اس ذات کی پناہ مانگتا ہوں جس کا اسم جلالت اللہ ہے۔

اللہ کی پناہ مانگ کر آپ نے زلیخا کو بتایا کہ

جس اللہ کو میں مانتا ہوں وہ دن کے اُجالے میں بھی دیکھتا ہے اور رات کی تاریکی میں بھی دیکھتا ہے۔

وہ تنہائی کی سرگوشیوں سے بھی باخبر ہے اور بازار کی مجلس آرائیوں سے

بھی اسی کی پناہ اور اسی کا حصار مجھے معصیت کی غلاظت سے بچا سکتا ہے۔
دوسری بات آپ نے اسے یہ سمجھائی کہ میں احسان شناس ہوں، احسان فراموش نہیں،
میں اپنے اس محسن سے خیانت کیسے کرسکتا ہوں، جس نے مجھے غلام بنا کر رکھنے کی بجائے عزت وحرمت عطا کی ہے، اگر میں ایسا کروں تو یہ ظلم ہوگا۔ اور ظالم کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔
قرآن کریم میں ہے آپ نے فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ط اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ

یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ! بلاشبہ وہ (عزیز مصر) میرا مُربّی ہے، جس نے مجھ کو عزت سے رکھا، بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔

اللہ تعالٰی کی مدد

یہاں سے ایک سبق یہ بھی ملا کہ گناہ سے بچنے کے لئے انسان کو اپنی حد تک کوشش ضرور کرنی چاہیئے وہ جب کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالٰی کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے مالک وخالق کے احسانات کا مراقبہ کیا پھر زلیخا کو سمجھانے کی کوشش کی، اس پر بھی وہ باز نہ آئی بلکہ دست درازی پر اُتر آئی۔ تو آپ وہاں سے بھاگے، سب دروازے مقفّل تھے، فرار کا کوئی راستہ نہ تھا مگر جو کچھ اپنے بس میں تھا، اس سے گریز نہیں کیا، قدم اٹھالئے، دروازے کیطرف دوڑ لگادی، تب اللہ تعالٰی کی رحمت متوجّہ ہوئی، قفل ٹوٹتے گئے اور دروازے کھلتے گئے۔

مولانا رومی رح فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی گناہوں سے بچنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وارمی باید دوید

اگرچہ دنیا میں کوئی بھی راستہ نظر نہ آئے تو بھی یوسف علیہ السلام کیطرح دوڑ لگا دینی چاہیئے، وہ اللہ جس کے ڈر سے آپ گناہ سے بھاگیں گے وہ اپنے فضل وکرم سے خود بخود راستہ کھول دے گا۔

انسان ہمت بھی کرے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعاء بھی کرے تو رحمت حق ضرور متوجہ ہوگی۔

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ میں تو گناہگار ہوں، میری دعاء کیسے قبول ہوگی، وہ مالک بڑا رحیم وکریم ہے۔ اسے جب کوئی گناہ گار بھی پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو بھی قبول کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

چوں بر آرند از پریشانی حنین — عرش برزد از انین المذنبین
ایں چنیں سر زد کہ مادر بر ولد — دست شاں گیرد ببالا مے کشد

گنہگار انسان جب ندامت وپریشانی سے روتا ہوا اللہ کو پکارتا ہے، تو عرش عظیم اس طرح کانپ اُٹھتا ہے، جیسے ماں اپنے بچے کے رونے پر کانپ جاتی ہے —— اور ربّ کریم اس کا ہاتھ پکڑ کر بلندی اور اپنا قرب عطا فرما دیتے ہیں۔

قابل عبرت واقعہ

اگرچہ اس وقت حضرت یوسفؑ کے واقعہ کے بارے میں عرض کر رہا ہوں مگر مجھے ایک انتہائی عبرت انگیز واقعہ یاد آرہا ہے، وہ سنائے بغیر نہیں رہ

سکتا۔ اس سے آپ یہ اندازہ بھی لگا سکتے ہیں کہ جب اللہ کو پکارا جاتا ہے اور انسان تھوڑی سی ہمّت بھی کر لیتا ہے تو کیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

ہمارے بزرگوں میں سے ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں وہ اکثر پیدل سفر کرتے تھے اور جہاں شام ہوتی تھی وہیں رات گذار لیا کرتے تھے

ایک مرتبہ وہ جلال آباد یا شاملی کیطرف گئے۔ آپ نے مسجد میں جھاڑو دی، پھر کافی دیر انتظار کرتے رہے مگر کوئی بھی شخص نماز کے لئے نہ آیا تو آپ کو تعجب ہوا کہ مسلمانوں کی بستی ہے اور کوئی بھی نماز کے لئے نہیں آیا۔

نماز سے فارغ ہو کر اس بارے میں ایک شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ سامنے خان صاحب کا مکان ہے اور وہ شرابی اور رنڈی باز ہے اگر وہ نماز پڑھنے لگے تو دوسرے لوگوں پر بھی اثر ہوگا کیونکہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ لوگ اپنے وڈیروں اور چوہدریوں کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ اگر درست ہوجائیں تو نیچے والوں پر بھی ضرور اثر ہوگا۔ آپ بلا کسی تکلف کے ان خانصاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس رنڈی بیٹھی ہوئی تھی اور وہ نشہ میں مست تھے۔

آپ نے خانصاحب سے فرمایا کہ اللہ کے بندے! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو کچھ دوسرے لوگ بھی نماز پڑھنے لگیں گے اور اللہ تعالیٰ کا گھر آباد ہو جائے گا۔ خانصاحب نے کہا کہ ایک تو مجھ سے وضو نہیں ہوتا اور دوسرے یہ، یہ دونوں بُری عادتیں ہی مجھ سے نہیں چھوٹتیں۔

آپ نے فرمایا کہ وضو کے بغیر ہی پڑھ لیا کرو، اور شراب بھی پی لیا کرو،

آپ نے خانصاحب کے لیئے شراب کو جائز قرار نہیں دے دیا تھا بلکہ حکمتًا اسے اجازت دے دی، آپ کو یقین تھا کہ انشاء اللہ تعالٰے اس کی زندگی بدل جائے گی وہ شراب جیسی نجاست کے قریب بھی نہیں جائیگا

خانصاحب نے وعدہ کرلیا کہ اچھا میں نماز پڑھ لیا کروں گا

آپ وہاں سے تشریف لے گئے، اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے

ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آج آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئی ہیں جو کبھی نہیں ہوئیں۔ (۱) پہلی یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی (۲) دوسری یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے۔

آپ نے پہلی بات کا جواب نہ دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ یوں کہتے کہ خانصاحب شراب اور زنا چھوڑکر زاہد و پارسا بن جائیں گے تو یہ ایک قسم کا دعوٰی ہوتا اور اللہ والوں پہ تواضع کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کے دعاوی پسند نہیں کرتے۔

البتہ دوسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ " میں نے سجدے میں اللہ تعالٰے سے التجا کی تھی کہ اے ربّ العزت میں نے اسے تیرے دربار میں کھڑا کر دیا اب اس کے دل کا بدلنا تیرے ہاتھ میں ہے۔

ادھر خانصاحب کا حال یہ ہوا کہ جب رنڈیاں ان کے پاس سے چلی گئیں تو نمازِ ظہر کا وقت ہوگیا۔ انہیں اپنا وعدہ یاد آگیا کہ مجھے تو مسجد میں جانا ہے اور اگرچہ مولانا سے تو ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانے کی اجازت لے چکے تھے مگر دل نے ملامت کی ہوگی کہ آج پہلی بار اللہ کے گھر میں جا رہے ہو، آج بھی ناپاک ہو کر جاؤ گے۔ آج تو پاک ہوکر جاؤ ہکل سے بغیر

غسل ہی کے پڑھ لینا۔

چنانچہ غسل کیا، پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی، نماز کے بعد باغ کیطرف چلے گئے، عصر اور مغرب اسی وضوء سے پڑھی۔ نماز مغرب کے بعد کھانا کھانے کے لئے گھر میں گئے۔ اچانک بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے، ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے۔ آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے تھے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی

یہ بھی عجیب بات ہے کہ بعض لوگوں کو حرام کا چسکا لگ جاتا ہے۔ اور انہیں حلال میں مزہ نہیں آتا اور جسے حلال کا چسکا لگ جائے تو وہ کبھی حرام کیطرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

یہاں ضمناً یہ بھی عرض کر دوں کہ ہر انسان کا ضمیر اسے برائی پر ملامت کرتا ہے مگر انسان اسے تھپک تھپک کر سلا دیتا ہے، کبھی کبھار کسی ٹھوکر سے، کسی واقعہ سے کسی دل میں اتر جانے والے جملے سے سویا ہوا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور جب ضمیر بیدار ہو جائے۔

ایمانی حس جاگ اٹھے۔

انسانیت انگڑائیاں لینے لگے۔

تو انسان کی زندگی کا رُخ بدل جاتا ہے۔

خانصاحب نے آج جب بیوی کو دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے، ضمیر نے ملامت کی، تیرے گھر میں حور بیٹھی ہے اور تو کیسا بدنصیب ہے کہ گندی عورتوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے، فوراً باہر آئے اور رنڈیوں سے کہہ دیا کہ آئندہ میرے مکان پہ نہ آنا۔

کہا جاتا ہے کہ فرض تو فرض ان خانصاحب کی پچیس سال تک تہجد

کی نماز قضا نہیں ہوئی - یہ واقعہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ نے تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے - جس کا دل چاہے وہاں دیکھ سکتا ہے -

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انسان ہمت کرے اور اللہ سے دعا بھی کرے تو اللہ کی رحمت اس کیطرف ضرور متوجہ ہوتی ہے - حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے دعا بھی کی - اور بے مثال ہمت و استقامت اور ضبط نفس کا ثبوت بھی دیا تو اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے گناہ سے بچنا آسان کر دیا -

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ کھیلی فوطیفار کی بیوی ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق میں مبتلا نہیں تھی بلکہ شاہی خاندان کی دوسری عورتوں نے بھی جب حسن یوسف کو قریب سے دیکھا تو وہ بھی ان پہ ڈورے ڈالنے لگیں، البتہ عزیز کی بیوی نے یہ دھمکی بھی سر عام دے ڈالی تھی کہ اگر یوسف نے میری بات نہ مانی تو میں اسے جیل میں ڈلوا دوں گی - اور یہ ذلیل ہو کر رہے گا -

واہ رے انسان

یہاں سے ایک تو اس وقت کی مصر کی گندی سوسائٹی کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاہی خاندان کی ساری ہی عورتیں ایک عفیف اور پارسا نوجوان کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں بلکہ ان میں سے ایک سب کے سامنے کہہ رہی ہے کہ اگر یوسف نے اس گندگی میں مبتلا ہونے سے انکار کر دیا تو میں اس سے اس کی آزادی چھین لوں گی اسے ذلت سے دوچار کر دوں گی ——— انسان جب اپنے مقام سے گرتا ہے تو کتنا گرتا ہے؟ اس کا اندازہ مصر کے "شرفاء" کی ان منتخب اور معزز خواتین کے کردار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے -

دوسری عبرت کی بات جس کیطرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں وہ

یہ کہ انسان کو اپنی دولت اور اپنے اختیارات پر کتنا ناز ہوتا ہے کہ اپنی حماقت کی وجہ سے سمجھنے لگتا ہے کہ کسی سے عزت کا چھیننا اور اسے ذلت سے دوچار کرنا یہ تو بس میرے اختیار میں ہے حالانکہ جسے اللہ عزت دینا چاہتا ہے اس سے کوئی عزت نہیں چھین سکتا۔ یوسف ؑ اس کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اپنے مالک حقیقی سے التجا کی

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ط — اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ مجھ کو بلاتی ہیں مجھے اس کے مقابلے میں قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ (سورۂ یوسف)

یوسف علیہ السلام نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ عزیز کی بیوی سے خطاب کرتے یا ان عورتوں کو گفتگو کا موقع دیتے بلکہ آپ نے اپنے اللہ کو پکارا، اور یوں ان سب پر واضح کر دیا کہ تمہاری باتوں سے متاثر اور مرعوب ہونا، تو دور کی بات ہے، میں تمہارے جیسی آزاد منش عورتوں کے ساتھ بات کرنے کا بھی روادار نہیں،

دعوتِ حق کا جذبہ

یوسف علیہ السلام کو بغیر کسی جرم و خطا کے جیل بھیج دیا گیا۔ مگر چونکہ خاندانِ نبوت سے تعلق تھا اور خود بھی نبی تھے۔ اس لئے جیل خانے میں بھی آپ نے دعوتِ حق اور تبلیغِ دین کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ کی ذکاوت و ذہانت اور سیرت و کردار دیکھ کر دو نوجوان جو کہ آپ کے ساتھ ہی جیل میں گئے تھے۔ آپ سے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھتے ہیں مگر آپ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان کے خوابوں کی تعبیر بتلانے سے پہلے انہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں اور شرک سے

نفرت دلاتے ہیں آپ نے فرمایا :

يٰصَاحِبَىِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ	اے یاران مجلس (تم نے اس پر بھی غور کیا کہ) جُدا جُدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے۔
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ یوسف)	تم اس کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کیلئے کوئی سند نہیں اتاری، حکومت تو اللہ ہی کے لئے ہے، اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اس کی بندگی کرو اور کسی کی نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے

جیل خانے کی صعوبتوں میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔
جن عظیم انسانوں کے دل میں انسانیت کا درد اور دعوتِ حق کا سچا جذبہ ہوتا ہے، ان کا یہی حال ہوتا ہے، وہ نہ دن دیکھتے ہیں نہ رات

نہ سفر دیکھتے ہیں نہ حضر
نہ جیل دیکھتے ہیں نہ جلالِ پادشاہی۔

نہ وہ دھن دولت سے مرعوب ہوتے ہیں۔ نہ حکومت و اقتدار سے خوف کھاتے ہیں۔

وہ تو بس موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ جوں ہی موقع ملتا ہے، وہ دین کی بات کان میں ڈال دیتے ہیں۔

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف رح کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ بس میں سفر کر رہے تھے۔ آپ کے ساتھ والی سیٹ پر ایک ہندو بنیا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مولانا سے پوچھا آپ کو کہاں جانا ہے مولانا نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ ——— میں نے بڑے تعجب سے کہا،

ارے میاں عجیب بات کرتے ہو، سفر بھی کر رہے ہو اور تمھیں اپنی منزل کا علم بھی نہیں ہے۔

حضرت مولانا نے فرمایا لالہ جی! دنیا کی منزلوں کا کیا یاد رکھنا ہے ہمیں تو اپنی اس حقیقی منزل (آخرت) کو یاد رکھنا چاہیئے، جہاں مجھے اور آپ سب کو ایک دن جانا ہے، تھوڑی دیر بعد بنئے نے سوال کیا یہ گاڑی جس میں ہم سفر کر رہے تھے کب کی بنی ہوگی۔

آپ نے فرمایا۔ جو چیز بنی ہی ٹوٹنے کے لئے ہے، ہمیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ اصل فکر تو انسان کو بنانے اور سنوارنے کی ہونی چاہیئے جس کے بننے اور بگڑنے پر اس عالم کا بننا اور بگڑنا موقوف ہے۔

تو بات یہ ہے کہ جس کے دل میں انسانیت کا درد اور دعوت حق کا جذبہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے درد کے اظہار اور دوسروں کے کان میں حق بات ڈالنے کا کوئی نہ کوئی موقع تلاش کر ہی لیتا ہے اور جس کے دل

میں ان پاکیزہ جذبات کے بجائے ہوس کاریوں نے ڈیرے لگا رکھے ہوں۔ وہ میسّر شدہ موقع کو بھی لگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام پاکیزگی کا پیکر اور تقوی و طہارت کا مظہر تھے۔ انسانیت کے ہمدرد اور اپنی امت کے غمخوار تھے، انہیں جیل کی صعوبتیں حق بات کہنے سے کیسے باز رکھ سکتی تھیں۔

بے شک ان پر الزام لگایا گیا تھا۔ مگر الزام اور جرم میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے

دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی

اگر جرم کیا ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت فوراً جیل سے باہر آجاتے۔ جب خود بادشاہ نے اپنے کارندوں سے کہا تھا کہ یوسف علیہ السّلام کو رہائی دے دو اور میرے پاس لے آؤ ــــــــ لیکن چونکہ آپ سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا بلکہ شہوت میں ڈوبی ہوئی ایک عورت کا الزام تھا، اس لئے آپ نے اسوقت تک جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا، جب تک کہ اس الزام کی صفائی نہ ہو جائے اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو کر سامنے نہ آجائے آپ نے بادشاہ کا پیغام لانے والے سے فرمایا:

اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ۔	اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے دریافت کر کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تھے بیشک میرا پروردگار عورتوں کے چرتر سے واقف ہے ۔

اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تیرا رب جو تحقیق و تفتیش کرے گا، سو

کرے گا۔ جہاں تک میرے رب کا تعلق ہے وہ اس سارے معاملے کو بخوبی جانتا ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ ○

اگرچہ میرا رب میرے کردار کی پاکیزگی اور میری عفت کی حفاظت کو خوب جانتا ہے مگر جب تک شاہی خاندان کی بگڑی ہوئی خواتین بھی میری عفت و عصمت کا اعلان نہ کر دیں، میں اس وقت تک کال کوٹھڑی سے باہر نہیں آؤں گا۔

آپ چونکہ منصب نبوت پر فائز تھے اور آپ کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا تھا۔ اس لئے آپ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ آپ کی رہائی کو آپ کی بے گناہی کا نہیں بلکہ عزیز مصر کے رحم وکرم کا نتیجہ سمجھیں ـــــــــــ اگر ایسا ہو جاتا تو دعوت و تبلیغ کے اس عظیم مقصد کو نقصان پہنچتا جو آپ کی زندگی کا اصل نصب العین تھا۔

شرافت نفس

مفسرین اور علماء نے یہاں ایک عجیب سوال اُٹھایا ہے وہ یہ کہ اصل دست درازی تو عزیز کی بیوی نے کی تھی مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بلکہ صرف ان مصری عورتوں کا حوالہ دیا ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟

مفسرین نے پھر خود ہی اس سوال کے دو جواب دیئے ہیں۔

۱۔ پہلا یہ کہ یہی وہ خواتین تھیں، جنھوں نے اپنے ناپاک جذبات کی تکمیل میں ناکامی کے بعد عزیز کی بیوی کو جیل میں بھجوانے کی شہ دی

تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو امرأۃُ العزیز والے معاملے کے بعد جیل میں نہیں ڈالا گیا بلکہ ان عورتوں کے قضیئہ کے بعد ڈالا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو جیل تک پہنچانے میں زیادہ عمل دخل انہی عورتوں کا تھا، اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی انہی عورتوں کا ذکر کیا۔

(۲) دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ عزیزِ مصر کی بیوی نے جو کچھ کیا سو کیا۔ لیکن آپ یہ سمجھتے تھے کہ اس میں خود عزیز مصر کا کوئی قصور نہیں، بلکہ وہ خود بھی آپ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا اور اس نے اپنی بیوی کو بھی حسن سلوک کا حکم دے رکھا تھا تو خانوادۂ نبوت سے تعلق رکھنے والے اس شریف النفس انسان کو اس کی شرافت نفس نے یہ اجازت نہیں دی کہ میں اس شخص کی بیوی کا نام لے کر اسے رسوا کروں، جس نے مجھے عزت دی، میرا احترام کیا اور گھر کے ایک فرد کیطرح بنا کر رکھا۔

یہ خاندانی شرافت بھی بڑی چیز ہوتی ہے، انسان کتنا ہی گیا گذرا کیوں نہ ہو، خاندانی شرافت کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی اپنا اثر دکھا کے رہتی ہے، اسی لئے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو سونے اور چاندی کی کانوں سے تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے سونے کی کان سے سونا نکلتا ہے اور چاندی کی کان سے چاندی برآمد ہوتی ہے، نمک کی کان سے نمک برآمد ہوتا ہے اور پیتل تانبے کی کان سے پیتل اور تانبا ہی مل سکتا ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ واقعی سونے کی کان تھا۔ اسی لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن

اسحٰق بن ابراھیم اور دوسری روایت میں ہے۔ اکرم الناس یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہِ ط

جادو وہ ۔۔۔۔۔۔۔

وہ جو محاورہ ہے ناں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے تو یہ محاورہ حضرت یوسف علیہ السلام پر خوب صادق آتا ہے۔ آپ کے کردار کی طہارت، سیرت کی پاکیزگی اور دامن کی عفت و عصمت کا جادو ایسا سر چڑھ کر بولا۔ کہ ہر زبان پر یہی تھا کہ یوسف پاک ہے، اس کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں اس کے کردار کی چادر پر کوئی داغ نہیں جب ان خواتین کو بلوایا گیا، جن کے حسن کی بجلیاں سیدنا یوسف علیہ السّلام کے خرمنِ عفت و عصمت کا کچھ نہ بگاڑ سکی تھیں تو وہ بیک زبان قسم کھا کر پکار اُٹھیں۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ

بولیں حاشاللہ ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں دیکھی۔

اسی مجمع میں عزیز کی بیوی بھی موجود تھی، اس نے شاہی خاندان کی دوسری عورتوں کو حقیقت حال کا اظہار کرتے ہوئے دیکھا اور سنا تو اس کے ضمیر نے اسے بھی خاموش نہ رہنے دیا اور وہ بے اختیار بول اٹھی،

اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥

(سورہ یوسف)

جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہو گئی ہاں وہ میں ہی تھی، جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ وہ اپنا دل ہار بیٹھے بلا شبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے۔

اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی کا رشتہ دار بہت

پہلے اپنا فیصلہ سنا چکا تھا کہ جب یوسف کا پیرہن پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یوسف سچا اور الزام لگانے والی عورت جھوٹی ہے،

اور تو اور عزیز نے بھی یوسف علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ

یوسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ ھٰذَا ۔ اے یوسف (اب) تم اسے جانے دو

اللہ تعالےٰ نے اس واقعہ سے متعلق تمام شخصیتوں کی زبان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا اقرار کروا کر دنیا والوں کو بتا دیا۔ کہ جو شخص محض اللہ کے خوف سے گناہ سے اپنا دامن بچاتا اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ دشمنوں کی تدبیر کے باوجود اس کی عزت و ناموس کی خود حفاظت کرتا ہے۔

پھر کبھی تو اس کی عفت و عصمت کا اعلان خارق عادت کے طور پر کسی بچے سے کرا دیتا ہے، جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کی طہارت کا اعلان، شیر خوارگی کے زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کروایا،

کبھی اس کی پاکیزگی کا اعلان خود باری تعالےٰ فرما دیتا ہے جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رض کے معاملہ میں ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے دامن کی صفائی کے بیان میں سترہ آیات نازل فرما دیں۔

اور کبھی اس کے کردار کی صفائی کا اقرار اس کے دشمنوں کی زبان سے کرا دیتا ہے، جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہوا ؎

الفضل مَا شَهِدَتۡ بِهِ الۡاَعۡدَآءُ

کمال تو وہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت جب کہ وہ سارے لوگ سیدنا یوسف علیہ السلام کی سچائی اور طہارت کی گواہی دے رہے تھے، جن کا کسی بھی اعتبار سے اس واقعے سے تعلق تھا۔ اس وقت خود حضرت یوسف علیہ السلام کا ردعمل کیا تھا۔

کیا وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

کیا ان کی گردن فخر سے تن گئی تھی؟

کیا وہ اپنے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کرنے والوں کو کوسنے دے رہے تھے؟

نہیں نہیں! اِن میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔

نہ گردن تنی ہوئی تھی۔

نہ زبان پر فخریہ بول تھے۔

نہ طعنے تھے نہ جوابی الزامات تھے۔

بلکہ جو کچھ تھا وہ اپنی ذات کی نفی تھی۔

اپنے کمال کی نفی تھی۔

اللہ کی بڑائی اور اُس کی دستگیری کا اعلان تھا عجز و انکساری کا اظہار تھا بندگی اور عبودیت کا اقرار تھا۔

فرمایا:

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ

میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا آدمی کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی اُبھارنے والا ہے مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے بلاشبہ میرا پروردگار

بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے

عُسر کے بعد یُسر

یہ رب کائنات کی شان ہے کہ وہ خزاں کے بعد بہار، زوال کے بعد عروج ذلت کے بعد عزّت، غم کے بعد خوشی، بیماری کے بعد صحت، غریبی کے بعد امیری اور عسر کے بعد یسر کے مواقع پیدا کرتا رہتا ہے۔

کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے اسی مدّ وجزر اور اُتار چڑھاؤ سے انسان اللہ کو اور اس کی قدرت کو پہچانتا اور مانتا ہے، ایک تو وہ وقت تھا جب یوسف علیہ السلام بھائیوں کے حسد اور ظلم کے نتیجے میں عجیب بے بسی کے عالم میں کنوئیں میں ڈالے گئے

پھر غلام بنائے گئے اور بازار مصر میں فروخت ہوئے۔

پہلے بھائیوں کی زیادتی کے نتیجے میں کنعان کے کنوئیں میں ڈالے گئے اور یہاں نازنینانِ مصر کی سازش کے نتیجہ میں حوالۂ زنداں ہوئے اب آزمائشوں کا دَور ختم ہوا اور عُسر کے بعد یُسر کا آغاز ہوا تو جیل بھیجنے کا آرڈر دینے والا بادشاہ خود کہتا ہے۔

اِئْتُونِی بِہٖ اَسْتَخْلِصْہُ لِنَفْسِیْ (سورۂ یوسف) اس کو جلد میرے پاس لاؤ کہ میں اس کو خاص اپنے کاموں کیلئے مقرر کر دوں

الزامات واتہامات کے بادل چھٹ جانے کے بعد ہر جانب سے آپ کی عفّت وعصمت کا اقرار کر لیئے جانے کے بعد بادشاہ کی درخواست پر آپ زنداں سے نکل کر قصرِ شاہی میں پہنچے گفتگو ہوئی، تبادلۂ خیالات ہوا تو وہ آپ کی عقل ودانش دیکھکر بڑی مسرت سے کہتا ہے۔

اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ (سورۂ یوسف) — بلا شبہ آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحبِ اقتدار اور امانتدار ہے

پھر اس نے آپ سے دریافت کیا کہ میرے خواب میں جس قحط سالی کیطرف اشارہ ہے۔ مجھے اس کے سلسلہ میں کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟ آپ نے جواب دیا۔

قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ؕ (سورہ یوسف) — یوسف نے کہا اپنی مملکت کے خزانوں پر آپ مجھے مختار کیجیئے، میں حفاظت کرسکتا ہوں اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں۔

آپ جانتے تھے کہ یہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے جس ملک کے معزز گھرانوں کی خواتین اپنے شوہروں سے خیانت پر آمادہ ہوں خود ان کے شوہروں کا کیا حال ہوگا۔

اربابِ اقتدار کا اثر

اقتدار اگر بددیانت افراد کے ہاتھوں میں ہو تو تمام تر وسائل کے باوجود عوام کو خوشحالی نصیب نہیں ہوسکتی اور اگر اربابِ اقتدار عادل ہوں، خوفِ خدا رکھتے ہوں، قیامت کے دن کے حساب کتاب سے ڈرتے ہوں، اقتدار کو امانت سمجھتے ہوں تو اللہ تعالےٰ تھوڑے رزق میں بھی برکت عطا فرما دیتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ کا اپنے ملک میں کسی کسان کے باغ کے پاس سے گذر ہوا۔ اسے پیاس لگ رہی تھی۔ اس نے کچھ پینے کی خواہش ظاہر کی تو کسان نے محض ایک مسافر کی خدمت کے جذبے

سے باغ سے انار توڑ کر نچوڑا تو ایک ہی انار کے رس سے پیالہ بھر گیا۔ بادشاہ کو تعجب بھی ہوا اور دل میں یہ فاسد خیال بھی آگیا کہ کسی نہ کسی بہانے سے اس باغ کو ہتھیا لینا چاہیئے۔

کچھ دنوں کے بعد وہ دوبارہ وہیں سے گذرا اور اس نے از خود انار کا رَس پینے کی خواہش ظاہر کی، کسان نے کئی انار نچوڑے تب جا کر بڑی مشکل سے پیالہ بھرا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ پہلی بار تو ایک ہی انار سے پیالہ بھر گیا تھا۔ اب کی بار کئی انار کیوں نچوڑنے پڑے؟ کسان یہ نہیں جانتا تھا کہ میں اپنے ملک کے بادشاہ سے مخاطب ہوں، اس نے سیدھے سادے دیہاتی انداز میں جواب دیا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کے دل میں کھوٹ آگیا ہے، اور اس نے کسی پر ظلم کا اِرادہ کر لیا ہے۔

بادشاہ اگر عادل ہو تو اس کے عدل کے اثرات پوری رعایا پر ظاہر ہوتے ہیں۔ کھیتی پھلتی اور پھولتی ہے، باغات فراوانی سے پھل دیتے ہیں۔ پورے ملک کے باشندوں کو امن وسکون اور تحفظ نصیب ہوتا ہے۔ انسان تو انسان حیوانوں تک میں اسکے اثرات دکھائی دیتے ہیں اور اگر بادشاہ ظالم ہو تو اس کے ظلم کے اثرات اسی تک محدود نہیں رہتے بلکہ ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جنگل میں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ اچانک، بھیڑیئے نے بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کر دیا۔ تو چرواہا زار وقطار رونے لگا۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید بکری کے نقصان پر رو رہا ہے۔ لیکن جب اس سے پوچھا گیا کہ کیوں رو رہے ہو، تو اس نے جواب دیا کہ میرا دل کہتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کا انتقال

ہوگیا ہے ۔کیونکہ آج تک میرے ریوڑ پر کسی بھیڑیئے کو حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی ۔آج اگر ایسا ہوا ہے تو یقیناً ہم عادل خلیفہ کے سائے سے محروم ہوگئے ہیں ۔چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ عین اس وقت جب بھیڑیئے نے بکریوں پر حملہ کیا تھا، اسی وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کا انتقال ہوا تھا ۔ بادشاہِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی اس بات کو مان لیا اور انہیں اپنی تمام مملکت کا امین اور کفیل بنا کر شاہی خزانوں کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں ۔

اور یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی امانت و دیانت عدل و انصاف حسنِ تدبیر اور خدا ترسی ہی کا نتیجہ تھا کہ سات سال کے مسلسل قحط کے باوجود نہ صرف مصر والوں کو غلہ ملتا رہا ۔ بلکہ اڑوس پڑوس کے ملک بھی محروم نہ رہے ۔

اللہ کی شان

یہ قحط سالی جس نے مصر اور اطرافِ مصر میں رہنے والوں کو پریشان کر دیا تھا ۔اس سے کنعان والے بھی محفوظ نہ رہ سکے اور جب ان کی پریشانی سوا ہوگئی تو وہ بھی قافلہ کی شکل میں غلہ لینے کے لئے مصر روانہ ہوگئے ۔

اللہ کی شان دیکھیئے کہ آج یہ کنعانی قافلہ اسی بھائی سے غلہ لینے کے لئے جا رہا ہے ، جسے اپنے خیال میں وہ غلامی کے اندھیرے کنوئیں میں گرا کر ہمیشہ کے لئے گمنام کر چکے تھے ۔انہیں کیا معلوم تھا کہ کل کا غلام آج مصر کے تاج و تخت کا مالک بنا ہوا ہے ۔وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کا بھائی یوسف تختِ شاہی پر رونق افروز ہو سکتا ہے ۔مگر وہ اللہ جو شاہوں کو گدا اور گداؤں کو شاہ بنا تا ہے ، جو امیروں کو فقیر اور فقیروں کو امیر بنا تا ہے ، اس نے بازارِ

مصر میں فروخت ہونے والے اس نوعمر مگر سعادت مند لڑکے کو اپنی قدرت کاملہ سے مصر کا مختارِ کل بنا دیا۔ وہ جو ایک عوامی سا شعر ہے ؎

مدعی لاکھ بُرا چاہے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

اس وقت یہ شعر یوسف علیہ السّلام پر پوری طرح صادق آ رہا تھا، وہ جسے بھائیوں نے قعرِ مذلت میں گرانا چاہا تھا، اُسے ربّ کائنات نے عزت و سطوت کی مسند پر بٹھا کر بھائیوں کو سائل کی شکل میں لا کھڑا کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے مگر نبی کا حوصلہ دیکھئے کہ زیادتی کرنے والوں کو سامنے دیکھ رہے ہیں اور انتقام کی قدرت بھی ہے، اقتدار کی طاقت بھی ہے۔ غلاموں اور ملازمین کی فوج ظفر موج بھی ہے مگر نہ بتلاتے ہیں نہ جتلاتے ہیں، نہ اتراتے ہیں بس وعدہ صرف یہ لیتے ہیں کہ اگلی بار جب آؤ گے تو اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ لے کر آؤ گے جسے ابا جان کے پاس چھوڑ آئے ہو۔

شکر

حضرت یوسف علیہ السّلام کے واقعہ سے ایک اہم سبق جو حاصل ہوتا ہے، وہ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے، انہیں طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کی زبان پر حرف شکایت نہ آیا،

انہیں بھائیوں کی ایذاء رسانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

آزاد ہونے کے باوجود غلاموں کیطرح ان کی خرید و فروخت ہوئی۔

جرمِ بے گناہی میں وہ حوالۂ زنداں ہوئے۔

اور آخر میں مملکت مصر کے حکمران بنے۔

لیکن وہ مصائب اور آزمائشوں میں بھی شاکر رہے اور ہر طرح کی آسائش اور اقتدار حاصل ہونے کے باوجود بھی ان کی زبان اللہ کے شکر اور اس کے ذکر سے تر رہی۔

نہ شکوہ نہ شکایت

نہ ظلم نہ زیادتی

نہ تکبّر نہ شیخی

بلکہ شکر ہی شکر

بیرِ کنعاں میں بھی شکر

ظلمتِ زنداں میں بھی شکر

حکومت کے قصرِ ایوان میں بھی شکر

وہ اپنے پروردگار کے سامنے دامن پھیلا کر اس کے انعامات و احسانات کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

(سورہ یوسف)

اے پروردگار! بلاشبہ تو نے مجھ کو حکومت بخشی اور باتوں کے فیصلہ کی سمجھ بوجھ عطا فرمائی اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا پروردگار ہے، تو مجھ کو اپنی اطاعت پر موت دیجیو اور صالحین کے زمرہ میں شامل کر لیجیو

اللہ کا چونکہ وعدہ ہے کہ میں شکر کرنے والوں کو مزید نوازتا ہوں اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام قدم قدم پہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہے

اور ربّ کریم ان پر اپنی نعمتوں اور احسانات کی بارش برساتا رہا۔

اللہ کے سامنے انبیاء بھی عاجز

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ اللہ کے سامنے سارے انسان عاجز ہیں۔ وہی قادر و مختار ہے وہی غیب اور حاضر کو جاننے والا ہے۔ ہر جگہ اسی کا حکم چلتا ہے، اس نے جلیل القدر پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان کے بیٹے کو جدا کر دیا مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔

بیٹے کی جدائی کے غم میں رو رو کر آنکھیں سفید کر لیں لیکن جب تک اللہ کو منظور نہ ہوا، بیٹے سے ملاقات نہ ہو سکی۔

عجیب بات دیکھیے کہ بیٹا کنعان کے کنوئیں میں پڑا ہوا ہے لیکن چونکہ اللہ کو منظور نہ تھا اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ چل سکا۔ لیکن جب اللہ کو منظور ہوا تو مصر سے برادرانِ یوسف پیرہن لے کر چلے تو اس کی مہک نے یعقوب علیہ السلام کا دماغ معطّر کر دیا اور وہ برملا کہنے لگے۔

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ہ (یوسف)

بیشک مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اس کی عقل ماری گئی ہے۔

یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ وہی بھائی جو پہلے یعقوب علیہ السلام کے پاس خون آلود قمیص لے کر آئے تھے اور جھوٹ بول کر باپ کے دل اور جگر کو زخمی کیا تھا۔ آج یوسف علیہ السلام انہی کے ہاتھوں اس لئے قمیص بھیجتے ہیں تاکہ ان زخموں کے لئے مرہم بن جائے جو انہی کے ہاتھوں

لگے تھے۔

عفو و درگذر

اس قصے سے ایک بہت بڑا سبق جو ہمیں حاصل ہوتا ہے وہ انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کر دینا ہے

وہ بھائی جنھوں نے آپ کو عظیم المرتبت والد سے جدا کیا تھا۔ اور آپ کا نام و نشان مٹانے کے لئے انتہائی چھوٹی سطح پر اُتر آئے تھے وہ جب آپ کے سامنے اس وقت آئے، جب آپ مصر کے تاج و تخت کے مالک بن چکے تھے تو آپ نے نہ انہیں طعنے دیئے، نہ ان کی زیادتیاں یاد دلائیں، نہ برا بھلا کہا بلکہ فرمایا تو صرف یہ کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمھیں معاف کرے وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ٥

ایک نکتہ

مفسرین کہتے ہیں کہ برادرانِ یوسف نے جب یوسف علیہ السلام سے معافی مانگی، تو انہوں نے فوراً معاف کر دیا لیکن جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالےٰ سے ہمارے لئے مغفرت اور بخشش طلب کیجئے تو انہوں نے نہ تو فوراً معاف کیا اور نہ ہی ان کے لئے مغفرت کی دعا کی بلکہ صرف امید دلائی کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ عنقریب میں اپنے رب سے تمھارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔

مفسرین نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔

ایک تو یہ کہ یوں تو انہوں نے اپنے والد کو بھی ستایا تھا لیکن اصل میں ان کی زیادتیوں کا تعلق حضرت یوسف علیہ السلام سے تھا۔ اس لئے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے معافی کے معاملے کو مؤخر کر دیا تاکہ پہلے یوسف ؑ کی مرضی معلوم ہو جائے البتہ انہیں بالکل مایوس بھی نہیں کیا بلکہ اشارتاً بتا دیا کہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ تمہاری ان خطاؤں کو معاف کر دے

دوسری وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یوسف نوجوان تھے اس لئے ان کے اندر وہ احتیاط نہیں تھی جو احتیاط حضرت یعقوب علیہ السلام کے اندر تھی۔ ویسے بھی انہیں اپنے بیٹوں کی دھوکہ دہی کا ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ واقعی اپنی غلطیوں پر نادم ہیں یا محض ہنگامی اور عارضی طور پر اظہار ندامت کر رہے ہیں، بعد میں جب ثابت ہو گیا کہ واقعی بیٹوں کو اپنی خطاؤں اور زیادتیوں کا احساس ہے تو انہوں نے بھی معاف کر دیا۔

اور یہی ایک سچے مؤمن کی شان ہونی چاہیئے کہ جب وہ محسوس کرے کہ میرے ساتھ زیادتی کرنے والا شخص دل سے اپنی غلطی پر نادم اور شرمندہ ہے تو وہ اسے معاف کر دے۔

یہ معاف کر دینا خاموش انتقام بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ بھی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن پکارنے والا پکار کر کہے گا، وہ لوگ کہاں ہیں جو لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے، وہ اپنے پروردگار کے حضور میں آئیں اور اپنا انعام لے جائیں کیونکہ ہر وہ مسلمان جس کی یہ عادت تھی، وہ جنت میں جانے کا حقدار رہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے درجے بلند ہوں۔ اس کو چاہیئے کہ وہ آدمی سے درگذر کرے۔ جس نے اس پر ظلم کیا ہو، اور اس کو دے جس نے اس کو نہ دیا ہو اور اس کے ساتھ رشتہ جوڑے جس نے اس سے رشتہ توڑا ہو اور اس کے ساتھ تحمل کرے جس نے اس کو بُرا کہا ہو۔

ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میں اپنے خادم کا قصور کتنی بار معاف کروں؟

آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور آپ خاموش رہے، اس نے پھر وہی عرض کیا کہ یارسولُ اللہ میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا سو بار مقصد یہ تھا کہ معاف کرنے کی کوئی حد نہیں، جتنی بار معاف کرسکو، تمھارا ہی فائدہ اور تمھارا ہی بھلا ہے۔

میرے آقا کی زندگی

حضرت یوسف علیہ السّلام کے قصے کے حوالے سے جو آخری بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس قصّے میں میرے مکی ومدنی آقا ؐ کی زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے جب آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا گیا تو آپکے قریشی بھائی بُغض و حسد میں مبتلا ہو کر آپ کی جان کے درپئے ہو گئے۔ آپ نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ اور راستے میں چند دن غارِ ثور میں رُوپوش رہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچنے سے پہلے کنعان کے کنوئیں میں روپوش رہے تھے مدینہ منورہ میں آپ کو اللہ تعالےٰ نے عزّت وجلال کے بلند منصب پر فائز فرمایا۔ بالآخر وہ وقت بھی آیا جب آپ کے قریشی عزیز آپ کے سامنے

سرنگوں کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیئے آج ہمارے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ مگر آپ نے انتقام لینے کے بجائے انہیں معاف فرما دیا اور فرما یا جاؤ تم آزاد ہو، آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ سورۂ یوسف جو کہ مکہ کے عہد ستم میں بعض مخالفین کے سوالات کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورۂ مبارکہ میں اشارتًا مدنی آقا ؐ کے دشمنوں کو ان کا انجام بھی بتا دیا گیا۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ تم جس عظیم ہستی کا نام ونشان مٹانا چاہتے ہو، اسے مٹانا تمہارے بس کی بات نہیں، یہ چاند جو مکہ میں طلوع ہوا ہے۔ اللہ کے حکم سے مدینہ میں بدرِ کامل بن کر ابھرے گا۔ اور اس کی چمک سے مکہ کے پہاڑ اور وادیاں ہی نہیں، پورا عالم منور ہو جائیگا۔

وہ دن ضرور آئیگا جب تمہاری اکڑی ہوئی گردنیں اور شعلہ بار آنکھیں ندامت سے جھکی ہوں گی۔ اور تم برادرانِ یوسف کیطرح سوالیہ نشان بن کر محمد ؐ کے ہاتھوں اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہو گے —— چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ یوں ہی ہو کر رہا۔ اور چشم فلک نے سینکڑوں برس کے بعد مکہ کی سرزمین پر وہ کہانی دوبارہ دیکھی جسے وہ مصر کے محلاّت میں دیکھ چکی تھی۔

آیئے ہم بھی اسی رب کے سامنے دامن پھیلائیں جو کمزوروں کو اٹھاتا اور متکبّروں کو جھکاتا ہے۔

ہم بھی اسی مالک کو راضی کرنے کے لئے اپنے جذبات وشہوات کی قربانی دیں، جس کی رضا کے لئے کریم بن کریم بن کریم سیدنا یوسف ؑ نے قربانی دی

آیئے ہم اپنے دل میں یہ یقین کوٹ کوٹ کر بھر لیں کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا اچھا ہوتا ہے اور عزت و شوکت اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے حصّے میں آتی ہے۔

وَمَا علینا الا البلاغ



روزہ

مؤمنو! بحرِ ہدایت ہے یہ رمضان شریف
معدنِ جود و کرامت ہے یہ رمضان شریف
لؤلؤی کانِ سخاوت ہے یہ رمضان شریف
مخزنِ سرِّ ولایت ہے یہ رمضان شریف
حق تعالےٰ کی امانت ہے یہ رمضان شریف
روزہ داروں کی شرافت ہے یہ رمضان شریف

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اس حقیقت کو پالیا تھا کہ لذت صرف پیٹ بھر کر کھانے میں نہیں بلکہ اسے خالی رکھنے میں بھی ہے۔ مزہ صرف ٹھنڈے مشروبات کے پینے ہی میں نہیں بلکہ پیاس کی تلخی برداشت کرنے میں بھی ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ بیشمار لوگ ایسے ہیں جنھیں مرغن غذاؤں اور رنگا رنگ مشروبات میں وہ مزہ نہیں آتا جو اللہ والوں کو بھوکا اور پیاسا رہنے میں آتا ہے۔

کتنے ہی لوگ ہیں جو ریشم و کمخواب کے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے رات گذار دیتے ہیں اور انھیں نیند تو کیا اونگھ بھی نصیب نہیں ہوتی اور کتنے ہی ایسے خدا شناس ہیں جو سنگ ریزوں کے فرش پر لیٹ کر اپنی نیند پوری کر لیتے ہیں۔

جس بندے کی نظر اللہ کی رضا پر ہوتی ہے وہ اس کی راہ میں بھوکا اور پیاسا رہتا ہے تو اسے سکون ملتا ہے، وہ اس کی راہ میں مال لٹاتا ہے تو اسے خوشی حاصل ہوتی ہے وہ جان کی بازی لگاتا ہے تو اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ گنوا کے بھی کہتا ہے۔"فزتُ وَرَبِّ الکعبۃِ"

رمضان المبارک

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ ط

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ

اے ایمان والو! تم پر فرض کر دئے گئے روزے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے گئے تھے "تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَہٗ اِلَّا الصِّیَامُ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ وَالصِّیَامُ جُنَّۃٌ وَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے۔ سوائے روزہ کے، وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ روزہ ڈھال ہے پس جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ گالی گلوچ اور شور و شغب نہ کرے بلکہ

إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ، فَرِحَ بِصَوْمِهِ۔

اس کو کوئی گالی دے یا لڑائی جھگڑا کرے تو وہ کہدے کہ میں روزہ سے ہوں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی بو سے بھی زیادہ اچھی ہے روزہ دار کو دو خوشیاں میسّر آتی ہیں، ایک افطار کے وقت افطار سے خوش ہوتا ہے اور دوسرے جب اپنے رب سے ملیگا تو اپنے روزہ کی وجہ سے خوش ہوگا۔

گرامیٔ قدر حاضرین ! ہر سال جب رمضان المبارک آتا ہے تو خطباء اور علماء اس کی فضیلت وعظمت اور روزے کی حکمتوں اور فوائد کے بارے میں بات کرتے ہیں اور آپ حضرات عرصۂ دراز سے سنتے آئے ہیں، یوں بھی آج کل اخبارات ورسائل کے خصوصی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں، اور ان میں بڑے بڑے اسکالروں اور اہلِ قلم کے مضامین شائع ہوتے ہیں جو پڑھے لکھے آدمی کی نظر سے گذرتے ہیں، پھر گھروں میں ریڈیو اور دوسری چیزیں لوگوں نے جو رکھی ہیں، ان کے ذریعے بھی تا درالکلام پروفیسروں، مولویوں اور واعظوں کی تقریریں آپ کو سننے کو ملتی ہیں ——— میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک معلومات کا تعلق ہے تو ان کی ہرگز کمی نہیں ہے ہر کوئی جانتا ہے کہ رمضان المبارک کی فضیلت کیا ہے ؟

روزوں کا حکم کیا ہے؟
روزوں کے فوائد کیا ہیں
ان کی حکمتیں کیا ہیں
ان کی تاریخ کیا ہے
طب اور روحانیت کی دنیا میں ان کی اہمیت کیا ہے؟

لیکن اصل چیز عمل ہے صرف معلومات کے ہونے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ جب تک ہم عمل نہ کریں اور آج سب سے زیادہ جس چیز کی کمی ہے، وہ عمل ہے، لوگ حرام وحلال کے بارے میں جانتے ہیں کفر وایمان کے بارے میں جانتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔

اگر لوگوں کی معلومات اور وسیع مطالعہ کو دیکھا جائے تو اس موضوع پر کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی البتہ تذکیر اور یاددہانی کے طور پر کچھ عرض کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت میرا مقصد تذکیر اور یاددہانی ہی ہے۔ ایک دوسری بات یہ بھی دل میں ہے کہ شاید کچھ کہنے سننے سے مجھ ناچیز کو بھی عمل کی توفیق مل جائے کیونکہ بعض اوقات دوسروں کو سمجھانے سے خود بھی سمجھ آجاتی ہے اور دوسروں کو ترغیب دینے سے اپنے دل میں بھی عمل کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔

خطاب کا پیارا عنوان

آپ کے سامنے سورہ بقرہ کی جو آیت نمبر ۱۸۳ تلاوت کی گئی ہے، اس میں بڑے پیارے انداز میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اے ایمان والو!

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے مواعظ میں اس خطاب کے بارے میں بڑی پیاری باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا" کا عنوان جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے استعمال فرماتے ہیں، یہ بڑا پیارا عنوان ہے یعنی اے ایمان والو! اے وہ لوگو جو ایمان لائے، اس خطاب میں بڑا پیار ہے، اس لئے کہ خطاب کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مخاطب کا نام لے کر خطاب کیا جائے اے فلاں، اور خطاب کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو اس رشتے کا حوالہ دے کر خطاب کیا جائے۔ جو خطاب کرنے والے کا اس سے قائم ہے۔ مثلاً ایک باپ اپنے بیٹے کو بلائے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس بیٹے کا نام لے کر اس کو پکارے۔ اے فلاں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بیٹا کہہ کر پکارے کہ اے بیٹے! ظاہر ہے کہ بیٹا کہہ کر پکارنے میں جو پیار، جو شفقت اور جو محبت ہے اور سننے والے کے لئے اس میں جو لطف ہے وہ پیار اور لطف نام لے کر پکارنے میں نہیں ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس اللہ سرہٗ اتنے بڑے عالم اور فقیہ تھے، ہم نے تو ان کو اس وقت دیکھا تھا، جب پاکستان میں تو گیا، ساری دنیا میں ان کے علم و فضل کا لوہا مانا جاتا تھا کوئی ان کو "شیخ الاسلام" کہہ کر مخاطب کرتا تو کوئی ان کو "علامہ" کہہ کر مخاطب کرتا، بڑے تعظیمی القاب ان کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ہمارے گھر تشریف لاتے تھے۔ اس وقت ہماری دادی بقید حیات تھیں۔ ہماری دادی صاحبہ رشتے میں حضرت علامہ رح کی ممانی لگتی تھیں۔ اس لئے وہ ان کو "بیٹا"

کہہ کر پکارتی تھیں اور ان کو دعا دیتی تھیں، کہ "بیٹا! جیتے رہو" جب ہم ان کے منہ سے یہ الفاظ اتنے بڑے علامہ کے لئے سنتے، جنہیں دنیا "شیخ الاسلام" کے لقب سے پکار رہی تھی تو اس وقت ہمیں بڑا اچنبھا محسوس ہوتا تھا۔ لیکن علامہ عثمانی رح فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت مفتی صاحب رح (مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ) کے گھر میں دو مقصد سے آتا ہوں۔ ایک یہ کہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات، دوسرے یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مجھے "بیٹا" کہنے والا سوائے ان خاتون کے کوئی اور نہیں ہے صرف یہ خاتون مجھے بیٹا کہہ کر پکارتی ہیں۔ اس لئے میں بیٹا کا لفظ سننے کے لئے آتا ہوں، اس کے سننے میں جو لطف اور پیار محسوس ہوتا ہے وہ مجھے کوئی اور لقب سننے میں محسوس نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی قدر اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کہنے والے کے جذبے سے آشنا ہو، وہ اس کو جانتا ہے کہ مجھے یہ جو "بیٹا" کہہ کر پکارا جا رہا ہے یہ کتنی بڑی نعمت ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے، جب انسان یہ لفظ سننے کو ترس جاتا ہے

چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کا خطاب کر کے اس رشتہ کا حوالہ دیتے ہیں، جو ہر صاحب ایمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو "بیٹا" کہہ کر پکارے اور اس لفظ کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے جو بات باپ کہہ رہا ہے وہ شفقت محبت اور خیر خواہی سے بھری ہوئی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ ان الفاظ سے مسلمانوں کو خطاب فرما رہے ہیں، انہی

جگہوں میں سے ایک یہ ہے۔"

چونکہ مسلسل طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک بھوکا پیاسا رہنا خاص طور پر سخت گرمی کے موسم میں بعض لوگوں پر شاق گذر سکتا تھا۔ اس لئے بڑے پیار اور بڑی محبت کے ساتھ خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اے حسنِ ازل سے پیمانِ وفا باندھنے والو!

اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو!

اے اپنے خالق و مالک کی خدائی کا اقرار کرنے والو!

اے دنیا میں توحید کے علمبردار ہونے کا دعوٰی کرنے والو!

اگر تم اپنے دعوٰی میں واقعی سچے ہو تو ایک مہینے تک اس کے سوا سب سے نظریں ہٹا لو، ایک محدود وقت کے لئے نفسانی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لو،

اگر تم شاہدِ حقیقی کا وصال چاہتے ہو تو تمھیں بھوک اور پیاس برداشت کرنی ہی پڑے گی۔

دنیا بھر کا اصول ہے کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا ہی پڑتا ہے، کچھ لینے کے لئے کچھ دینا پڑتا ہے، کچھ حاصل کرنے کے لئے کچھ گنوانا بھی پڑتا ہے

تو تم جب اسے پانا چاہتے ہو جس کا پا لینا سب کچھ کا پا لینا ہے، جس کا حاصل کر لینا کون و مکان کا حاصل کر لینا ہے ——— تو پھر تمھیں بھی کچھ کھونا پڑے گا۔ کچھ دینا پڑے گا۔ اور تم سے کوئی بڑا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ کوئی بڑی قیمت نہیں مانگی گئی بلکہ صرف ایک ماہ تک محدود وقت کے لئے صرف صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

یہ روزے نفلی نہیں بلکہ فرض ہیں۔

اور یاد رکھو یہ مطالبہ صرف تم سے نہیں کیا گیا، اکیلے تم ہی اس آزمائش میں نہیں ڈالے گئے بلکہ پوری تاریخ انسانی میں جس کسی نے بھی ہم سے پیمانِ وفا باندھا، جس جس جماعت نے بھی حسنِ ازل کے ساتھ عشق و محبت کا دعویٰ کیا، ان سب کو اپنے دعویٰ کا کچھ ایسا ہی ثبوت پیش کرنا پڑا ہے۔ ان سب کو کچھ ہی ایسی ہی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ؎

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

(جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے)

روزہ تمام مذاہب میں

یہاں ایک بات کی طرف توجہ ضرور دلانا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ مکہ کا وہ اُمّی جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا

جس نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا

جس نے تقابلِ ادیان پر کوئی کتاب نہیں پڑھی۔

جس نے توریت کی ورق گردانی نہیں کی۔

جس نے انجیل کھول کر بھی نہیں دیکھی۔

جس نے زبور کے حمدیہ نغمے کسی سے نہیں سنے وہ بڑے اعتماد کے ساتھ علی الاعلان دعویٰ کرتا ہے کہ روزہ صرف مسلمانوں پر فرض نہیں کیا گیا بلکہ اسلام سے پہلے جتنے مذاہب گذرے ہیں ان سب کے ماننے والوں پر روزہ فرض تھا

انسان جب مکی مدنی آقا ﷺ کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے دنیا بھر کے

؎ تفسیر ماجدی بتغیر یسیر

مذاہب پر نظر ڈالتا ہے تو پکار اُٹھتا ہے کہ واقعی محمد بن عبداللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے اور بغیر کسی استاد سے پڑھنے اور سیکھنے کے دعویٰ کرتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم سے پہلے جتنے بھی اللہ تعالےٰ کو ماننے والے گذرے ہیں، ان سب پر روزہ فرض تھا۔ یہ دعویٰ جب صحیح ہے تو اس میں شک ہی کیا ہے کہ بتانے والا خود نہیں بتا رہا بلکہ اسے کسی نے بتایا ہے، کسی نے سکھایا ہے، کسی نے سمجھایا ہے، کسی نے پڑھایا ہے —
——— اور وہ بتانے، سکھانے، سمجھانے اور پڑھانے والا کوئی انسان نہیں بلکہ انسانوں کا خالق و مالک اللہ ہے جس اللہ نے اپنے تمام ماننے والوں پر روزے فرض کئے تھے۔ وہ اپنے آخری رسول کو بتا رہا ہے کہ ہیں نے کیا یہودی اور کیا عیسائی سب پر روزے فرض کئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے کوہِ طور پر چالیس دن بھوکے پیاسے گذارے اسی لئے یہودی چالیس دن روزہ رکھنا اچھا سمجھتے تھے، لیکن چالیسویں دن کا روزہ ان پر فرض ہے

انجیل متیٰ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن تک جنگل میں روزے رکھے۔

انجیل مرقس میں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام بھی روزے رکھتے تھے اور ان کی امت بھی روزہ دار تھی

ہندو مذہب کو سب سے زیادہ قدامت کا دعویٰ ہے لیکن روزہ اس میں بھی ہے، جسے برت کہتے ہیں

برہمن سال میں چوبیس روزے رکھتے ہیں

• جینی دھرم میں چالیس چالیس دن کا ایک روزہ رکھا جاتا ہے۔

مکہ کے قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار فاسٹنگ بڑی تحقیق اور بڑے مطالعہ کے بعد لکھتا ہے کہ شاید ہی ہم کسی ایسے مذہب کا نام لے سکیں جس میں روزہ فرض نہ ہو، وہ بات جو فاسٹنگ نے بڑی تحقیق اور مطالعہ کے بعد آج بتائی ہے وہ میرے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چودہ صدیاں قبل بغیر تحقیق اور مطالعہ کے براہِ راست علام الغیوب سے علم حاصل کرنے کے بعد بتا دی تھی اور فاسٹنگ جیسے ہزاروں محققین اور مصنفین کا فر ہونے کے باوجود تسلیم کر رہے ہیں کہ جو کچھ النبیّ الامیّ المکی المدنی نے فرمایا تھا وہ سچ تھا۔

بہرحال فرمایا گیا کہ روزے صرف تم پر ہی فرض نہیں کیئے گئے بلکہ تم سے پہلے بھی جو اللہ کو ماننے والے گذرے ہیں ان پر بھی روزے فرض تھے اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ روزے فرض کرنے سے ہمارا مقصد تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں ہے، تمہاری جان کو ہلکان کرنا نہیں ہے بلکہ روزے فرض کرنے سے اصل مقصود تمہاری بہتری ہے، تمہارے اندر ضبط نفس پیدا کرنا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ خواہشات تمہارے اُوپر غالب نہ آئیں بلکہ تم خود خواہشات پر غالب آجاؤ، تمہارے اندر تقوٰی پیدا ہو جائے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ

تمام تعلیمات کا خلاصہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ایک لفظ میں بتانا چاہے تو وہ لفظ تقوٰی ہے۔ ہر قسم کی عبادت کے بارے میں فرمایا گیا:—

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تمھارے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تمھیں تقویٰ حاصل ہو،

حج کا منشاء بھی تقویٰ ہی ہے، سورۂ حج میں ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (سورۃ الحج)

اور جو شخص اللہ کے شعائر (حج کے ارکان اور مقامات) کی عزت کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

قربانی سے بھی غرض تقویٰ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

اللہ کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمھارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے۔

مسجد کی بنیاد بھی تقویٰ پر ہونی چاہیئے، سورہ توبہ میں ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر قائم کی گئی۔

آخرت میں کامیابی تقویٰ والوں کو ملے گی سورۂ نبأ میں ہے:

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا

بلاشبہ تقویٰ والوں کے لئے کامیابی ہے،

جب ساری عبادتوں سے مقصد تقویٰ ہے تو فرمایا گیا کہ روزہ سے مقصد بھی تقویٰ ہے۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کا اصل تعلق ظاہر سے نہیں، باطن سے ہے، جسم سے نہیں بلکہ دل سے ہے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحا

کے مجمع میں دل کیطرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا — تقوٰی یہاں ہے۔

تقوٰی یہ ہے کہ دل میں حلال و حرام کی، خیر اور شر کی خلش پیدا ہو جائے

جب دِل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو نیکی کا کرنا آسان اور برائی کا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو انسان رات کی تاریکی میں بھی گناہ سے بچ جاتا ہے اور دن کے اُجالے میں بھی۔

جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو نفس کے تقاضے مغلوب ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تقاضے غالب آجاتے ہیں۔

جب یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی آنکھیں نامحرم کیطرف نہیں اٹھتیں، اس کی زبان کسی کی عزت سے نہیں کھیلتی، اس کے کان فحش کلام نہیں سنتے۔ اس کے پاؤں معصیت کی طرف نہیں چلتے، اس کے ہاتھ کسی مسلمان پر نہیں اٹھتے

جب یہ خلش دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اشتعال دلانے کے باوجود کہہ دیتا ہے۔

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تو اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر اٹھائے گا کہ مجھے قتل کر ڈالے تو میں (جب بھی) اپنا ہاتھ تجھ پر اٹھانے کا نہیں کہ تجھے قتل کر ڈالوں (کیونکہ میں تو اللہ پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو خلوت خانے میں کسی جوانِ رعنا کو اگر کوئی سراپا حسن و جمال دعوت دیتے ہوئے کہتی ہے۔

هَيْتَ لَكَ　　　　بس آجاؤ

تو وہ پوری قوت کے ساتھ جواب دے دیتا ہے۔

مَعَاذَ اللّٰهِ　　　　اللہ کی پناہ

روزے فرض کرنے سے بھی اصل مقصد یہی ہے کہ دل میں خیر و شر کی خلش پیدا ہو جائے۔

طلوعِ آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک حکم ہوتا ہے کہ اپنی منکوحہ بیوی کے قریب نہیں جانا ہے۔

اپنے ہاتھوں سے کمائی ہوئی حلال روزی کو استعمال نہیں کرنا۔

آپ خود ہی سوچئے کہ جو شخص محض اللہ کے ڈر سے اپنی بیوی کے قریب نہیں جاتا، وہ دوسرے کی ماں بہن کو غلط نظر سے کیسے دیکھ سکتا ہے۔

جو شخص اللہ کے ڈر سے اپنے خون پسینے کی کمائی سے ہاتھ کھینچ سکتا ہے وہ دوسروں کے حقوق پر کیسے ڈاکہ ڈال سکتا ہے۔

ریہرسل

یوں سمجھئے کہ روزہ داروں کو کامل ایک مہینہ تک اللہ کے حکموں کو غالب کرنے اور نفس اور شیطان کے تقاضوں کو مغلوب کرنے کی ریہرسل کرائی جاتی ہے۔

جب پورا ایک مہینہ اللہ کی یاد میں گذرے گا۔

جب یہ مبارک دن کسی کے اشتیاق میں بغیر بھوک و پیاس کے صرف ہوں گے۔

جب یہ برکت والی راتیں کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی میں کٹیں گی،

جب کسی کے ڈر سے آنکھیں کان اور زبان گناہ سے باز رہیں گے۔

تو یقیناً حیوانیت دور ہوگی اور ملکوتیت نزدیک آئے گی۔

پھر یقیناً دل میں وہ خلش ضرور پیدا ہوگی جو خیر اور شر، حلال وحرام اور جائز وناجائز میں امتیاز کرنے پر مجبور کر دے گی۔

یہ ریہرسل اور مشق تبھی ہوگی جب رمضان میں صرف کھانے پینے سے احتراز نہ کیا جائے بلکہ ہر گناہ سے اجتناب کیا جائے خواہ اس کا تعلق زبان سے ہو یا آنکھوں سے کانوں سے ہو ہاتھوں اور پیروں سے۔

ابنِ خزیمہ کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ الصِّیَامُ مِنَ الْاَکْلِ وَالشُّرْبِ اِنَّمَا الصِّیَامُ مِنَ اللَّغْوِ والرَّفَثِ	روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ کہتے ہیں لغو اور فضول باتوں اور گناہوں سے دُور رہنے کو۔

اسی لئے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہیں روزے کی حالت میں گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑے پر مجبور کرے تو تم اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرو، اور اس سے کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں اس لئے میں یہ بے ہودگی نہیں کر سکتا۔ ترمذی شریف میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ صَائِمًا فَلَا یَرْفَثْ وَلَا یَجْھَلْ فَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَہٗ اَوْ شَاتَمَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ اِنِّیْ صَائِمٌ	جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو اسے چاہیئے کہ گناہوں اور جہالت کے کاموں سے دُور رہے اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا لڑائی جھگڑا کرے تو یہ کہہ دے کہ مَیں روزہ سے ہوں، میں روزہ سے ہوں

صحیح بخاری میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس کے

راوی ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ

جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا یا اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالےٰ کو اس چیز کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

ابن ماجہ میں حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

رُبَّ صَائِمٍ حَظُّهٗ مِنْ صِيَامِهِ الْجُوْعُ وَالْعَطَشُ وَرُبَّ قَائِمٍ حَظُّهٗ مِنْ قِيَامِهِ السَّهَرُ

بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو ان کے روزوں سے صرف بھوک اور پیاس ہی ملتی ہے اور بہت سے قیام کرنے والے (یعنی راتوں میں نماز پڑھنے والے) ایسے ہیں جن کو ان کے قیام سے صرف شب بیداری ہی ملتی ہے

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ روزے کا حقیقی مقصد تبھی حاصل ہوگا۔ جب پوری طرح گناہوں سے بچا جائے، ایک مہینہ تک تو صرف ریہرسل ہے، اصل منشاء تو یہ ہے کہ مسلمان کی پوری زندگی ماہِ مقدس کی طرح گذرے، جب اور جس چیز کے کھانے کی اجازت ہو اُسے کھائے اور جب اور جس چیز کے کھانے سے منع کیا جائے اس سے رک جائے، آنکھ کان اور زبان کو جہاں اور جس طریقے سے استعمال کرنے کی اجازت ہے، وہیں اور اسی طریقے سے استعمال کرے اور جہاں اجازت نہیں ہے وہاں استعمال نہ کرے۔

روزہ کی فضیلت

جب گناہوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے آنکھ، کان ورزبان کی حفاظت کرتے ہوئے محض اللہ تعالےٰ کی رضا خاطر روزہ رکھا جائے گا تو وہ اجر و ثواب حاصل ہوگا جس کا وعدہ جناب رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے مختلف احادیث میں فرمایا ہے۔

الترغیب والترہیب میں ایک حدیث ہے، اللہ کے رسول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:۔

"جو شخص اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (اخلاص کے ساتھ) ایک دن کا بھی روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو جہنم سے اتنا دور کر دیتے ہیں جتنا کہ کوئی کوّا اگر وہ پیدا ہوتے ہی اڑنا شروع کر دے، اور بوڑھا ہو کر مَر جائے"

کوّے کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اُڑکر بڑی لمبی مَسافت طے کرتا ہے، مگر جب وہ پیدا ہوتے ہی اڑنا شروع کر دے اور پوری زندگی اڑتا رہے، یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو کر مَر جائے تو آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کتنی لمبی مسافت طے کرے گا۔

اللہ کی رضا کے لئے روزہ رکھنے والے کو جہنم سے دُور کر دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہوگا۔ بلکہ روزہ داروں کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک دروازہ مخصوص کر دیا ہے، جہاں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے کوئی دوسرا داخل نہ ہوگا۔

بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضؓ سے روایت ہے رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:۔

"جنت میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو بابُ الرّیان کہا جاتا ہے۔
اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا ان کے سوا
کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہو سکے گا اس دن پکارا جائیگا کہ کدھر ہیں وہ بندے
جو اللہ کے لئے روزہ رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اُٹھایا کرتے تھے،
وہ اُس پکار پر چل پڑیں گے، ان کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں
ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازہ سے جنت میں پہنچ جائیں گے، تو یہ
دروازہ بند کر دیا جائیگا۔ پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔

ریّان کا لفظ ریّ سے ہے جس کا معنی ہے سیراب کرنا چونکہ روزہ داروں
نے دنیا میں صرف اللہ تعالٰے کی رضا کی خاطر پیاس برداشت کی ہوگی اس لئے
روزہ دار قیامت کے دن جس دروازے سے داخل ہوں گے اس کا نام ہی
سیراب کرنے کا دروازہ ہوگا۔ اور اس دروازے سے داخل ہونے کے بعد
وہ ایسے سیراب ہوں گے کہ انہیں پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

انسان عام طور پر بھوک برداشت کر لیتا ہے لیکن سخت گرمی کے موسم میں
جب لُو چل رہی ہو اور بادِ سموم کے تھپیڑے بے کل کیئے ہوئے ہوں، اس وقت
حلق میں کانٹے چبھتے ہیں اور سوکھی ہوئی زبان پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس
جاتی ہے تو انسان سوکھی ہوئی زبان کو تر کرنے اور جان کا ٹوٹتا ہوا رشتہ برقرار
رکھنے کے لئے کچھ بھی کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ مگر روزہ دار اس بے کلی
کے عالم میں بھی روزہ نہیں توڑتا۔ اس کے گھر میں ہر قسم کے ٹھنڈے مشروبات
موجود ہوتے ہیں، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہوتا مگر وہ علام الغیوب کے علم و خبر
پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے کسی مشروب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔

وہ جانتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا مگر جس کے حکم کی تعمیل میں بھوک

پیاس برداشت کر رہا ہوں وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

دنیا والوں کو معلوم نہیں کہ میں نے چلّو بھر کر منہ میں جو پانی ڈالا ہے، یہ کلّی کرنے کے لئے ڈالا ہے یا حلق سے نیچے اُتارنے کے لئے ڈالا ہے۔

پھر کسی کو خبر نہیں کہ اس چلّو کے چند قطرے میں نے پی لئے ہیں، یا سارا پانی باہر پھینک دیا ہے۔

جب روزہ دار اتنے اخلاص کے ساتھ اتنی چاہت کے ساتھ اتنی احتیاط کے ساتھ اتنی مشقت کے ساتھ روزے رکھ لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ جنت میں اس کے داخلہ کے لئے ایک دروازہ مخصوص کر دیتے ہیں، جیسے ہمارے ہاں نام نہاد قسم کے وی آئی پی افراد کے لئے ایئرپورٹ وغیرہ پر آمد و رفت کے لئے دروازہ مخصوص کر دیا جاتا ہے، جہاں سے صرف وہی داخل ہو سکتے ہیں، کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکتا۔ یہی حال روزہ داروں کا ہوگا۔

سب سے بڑا انعام

میرا ناقص خیال یہ ہے کہ ویسے تو ربِّ کریم کی جانب سے جو انعام بھی عطا ہوگا وہ عظیم ہوگا۔ لیکن سب سے بڑا انعام اور سب سے بڑی فضیلت جو روزہ داروں کے لئے بیان کی گئی ہے وہ ہے جو بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَہٗ اِلَّا الصِّیَامُ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اُجْزِیْ بِہٖ

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے وہ میرے لئے ہے اور اس کا اجر میں خود ہوں۔

حوریں نہیں۔

جنت کے قصر و محل نہیں۔

کوئی اور نعمت نہیں جسے مادی عقل سمجھ سکے۔

بلکہ مَیں خود اُس کا اجر ہوں۔

یہ کون کس سے کہہ رہا ہے

مخدوم خادم سے نہیں

شاہ گدا سے نہیں

بلکہ خالق مخلوق سے

معبُود عبد سے

خدا بندے سے

کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں، ساری بادشاہتیں مل کر بھی اُس ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں۔

کیسی دردناک نادانی ہو گی کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت و نادانی کے نذر کر دیا جائے۔[۱]

دنیا کا کوئی ڈاکٹر یا حکیم کوئی طبیب اگر ہمیں کہہ دے کہ تمھارے تندرست ہونے کے لئے فلاں فلاں چیز سے پرہیز ضروری ہے یا اگر وہ کہدے کہ تم اسی وقت صحیح ہو سکتے ہو، جب تم فاقہ کرو تو ہم فاقہ کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں اور اُس کی منع کی ہوئی تمام چیزوں سے پرہیز کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، مگر کیا وجہ ہے کہ حکیم مطلق ہمیں ایک محدود وقت تک خورد و نوش سے منع کرتا ہے تو ہم خوشدلی سے اس کے حکم کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہوتے بلکہ طرح طرح کی تاویلوں سے اُس سے بچ جانا چاہتے ہیں۔

ہم نے بعض چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھا کہ اُنہیں انتہائی چپٹ پٹی اور

---

[۱] تفسیر ماجدی

لذیذ چیز کھانے کے لئے دی گئی مگر انہوں نے یہ کہہ کر اس کے کھانے سے انکار
کر دیا کہ ہمیں ڈاکٹر نے اس کے کھانے سے منع کر رکھا ہے ۔ کتنے تعجب کی بات
ہے کہ ایک چھوٹے سے بچے کا ڈاکٹر کی بات پر یقین ہے کہ اگر میں نے یہ چیز کھا
لی تو یہ میری صحت کے لئے مضر ثابت ہوگی مگر ہمیں سب سے بڑے حکیم کی
بات پر یقین نہیں ۔ وہ مالک و خالق جب محبت اور پیار کے ساتھ سمجھا رہا
ہے کہ اے میرے ماننے والو! اے میرے عشق و محبت کے دعوٰی کرنے والو!
اے اپنے سینے میں ایمان کی شمع روشن کرنے والو! میں نے تم پر کامل ایک مہینے
تک صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنا فرض کیا ہے مگر تمہیں بھوکا پیاسا
رکھنے میں میرا کوئی فائدہ نہیں بلکہ فائدہ سراسر تمہارا ہی ہے، میں چاہتا ہوں
تمہارے اندر تقوٰی پیدا ہو، تم ملکوتیت کے قریب آؤ ، تم خواہشات کے
غلام نہیں ، خواہشات کے آقا بن جاؤ ۔ تمہیں زمانے کی قیادت سنبھالنی
ہے اور جو خواہشات و جذبات کا غلام ہو وہ قیادت کا اہل نہیں ہو سکتا ۔
جب تم میرے حکم کے مطابق روزے رکھو گے تو تمہیں جہنم کے شعلوں سے
بہت دور کر دوں گا ۔ جنت میں تمہارے داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ
مخصوص کر دوں گا، تمہارے منہ کی بُو مجھے مشک سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے،
تم روزے کی حالت میں مجھ سے جو بھی دعا کرو گے میں اسے قبول کروں گا ۔
قیامت کے دن جب تمہیں اپنے لئے کسی سفارش کرنے والے کی
تلاش ہوگی ، تو روزہ تمہارا سفارشی بن جائیگا ۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :
اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن

لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَیْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَةَ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ قَالَ فَيُشَفَّعَانِ

بندے کے لئے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس بندے کو کھانے اور شہوت سے روکے رکھا تو آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا، اے میرے رب! میں نے اس بندے کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا تو آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اسکے حق میں بخشش والا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی۔

امت مسلمہ کی خصوصیت

جیساکہ آپ سن چکے روزے تو پہلی امتوں پر بھی فرض تھے لیکن اس اُمت کو رمضان المبارک میں پانچ ایسی مخصوص چیزیں بھی عطا کی گئی ہیں جو پہلی امتوں میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کی گئیں۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کو رمضان میں پانچ ایسی خصلتیں عطا کی گئی ہیں جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

نمبر ایک یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

نمبر دو یہ کہ ملائکہ ان کے لئے افطار تک مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔

نمبر تین یہ کہ اللہ تعالےٰ روزانہ ان کے لئے جنت کو مزیّن فرماتے ہیں اور فرماتے

ہیں کہ بہت جلد میرے یہ بندے تکلیف اور مشقّت سہ کر تیرے پاس آئینگے،
نمبر چار یہ کہ اس مہینہ میں سرکش شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ پس
رمضان المبارک میں بندوں کو اس طرح نہیں بہکا سکتے جس طرح غیر رمضان
میں بہکاتے ہیں
نمبر پانچ یہ کہ آخری رات روزہ داروں کی مغفرت کر دی جاتی ہے،
پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ؐ! کیا اس سے مُراد لیلۃ القدر ہے فرمایا کہ نہیں
مزدور کو مزدوری اس وقت ملتی ہے، جب وہ اپنا کام پورا کر لے۔

یہ مہینہ پھر کہاں !

میرے بزرگو اور دوستو! دن بھی آتے رہیں گے اور راتیں بھی آتی رہیں گی۔ مہینے بھی
آتے رہیں گے لیکن یہ مہینہ پھر نہیں آئے گا۔ یہ مہینہ نیکیوں کا موسمِ بہار ہے
عبادت و مغفرت کا سالانہ جشن ہے نہ معلوم پھر میسّر آئے یا کہ نہیں۔
ہمارے کتنے ہی جاننے والے گذشتہ سال ہمارے اندر موجود تھے،
اور آج نہیں ہیں اور جو آج موجود ہیں نہ معلوم ان میں سے کتنے اگلے سال
نہیں ہوں گے۔ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ صحت اور فرصت کے لمحات
جو ہمیں آج میسّر ہیں وہ اگلے سال میسّر نہ ہو،
خدا را اس مہینے کی عظمت کو پہچانئے، ان لمحات کی قدر کیجیئے
یہ وہ مہینہ ہے جس میں شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں
یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایسی رات بھی ہے جو ہزار مہینوں سے
افضل ہے
یہ وہ مہینہ ہے جس میں جنت آراستہ کی جاتی ہے، روزانہ بیشمار
لوگوں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ دیا جاتا ہے، عبادت کا ثواب کئی گنا

بڑھا دیا جاتا ہے، دعائیں قبول ہوتی ہیں، اللہ کا منادی پکار پکار کر کہتا ہے اے نیکی کرنے والے آگے بڑھ جلدی کر، اور اے گناہ کرنے والے رک جا، باز آجا، یہ گناہوں کا مہینہ نہیں، یہ تو توبہ اور مغفرت کا مہینہ ہے اے ظالم لوگ اپنی گردنیں جہنم سے آزاد کرا رہے ہیں تو کیوں محروم رہتا ہے، اپنے مالک وخالق کے سامنے جھک جا اور دامن پھیلا کر درخواست کر۔

اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رِقَابَنَا مِنَ النَّارِ وَرِقَابَ اٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَاَوْلَادِنَا وَاَقَارِبِنَا وَجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْهُمْ جَمِیْعًا اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رِقَابَھُمْ مِنَ النِّیْرَانِ	اے اللہ! ہماری گردنوں کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرما نیز ہمارے والدین آباؤ و اجداد، ہماری بیویوں، ہماری اولاد عزیز و اقارب اور تمام مسلمان اور مؤمن مردوں اور عورتوں کو بھی اے اللہ! آزاد فرما دے اے اللہ انہیں جہنم کی آگ سے بچا لے۔

مختصر دعا مانگنی ہو تو یہ دعا مانگو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ ط	اے اللہ! ہم آپ سے جنت کی درخواست کرتے ہیں اور جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں

بدبخت شخص

بڑا بدبخت ہے وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا، مگر وہ اللہ کو راضی نہ کر سکا، جو اپنے آپ کو جہنم سے آزاد نہ کرا سکا، جو جنت کا حقدار نہ بن سکا، اور یہ بات ہما شما کی نہیں، کائنات کے سردار (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ہے، کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا، منبر کے قریب ہو جاؤ، ہم لوگ حاضر ہو گئے، جب آپ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ جب آپ نے دوسرے پر قدم رکھا تو فرمایا آمین، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ مبارک سے فارغ ہو کر نیچے اُترے تو ہم نے عرض کیا کہ آج ہم نے آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سُنی جو پہلے کبھی نہیں سُنی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے، جب پہلے درجہ پر مَیں نے قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا۔ پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی مَیں نے کہا آمین۔ پھر جب دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہوا اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائیں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں، مَیں نے کہا آمین۔

ذرا غور کیجئے کہ دعا کرنے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو فرشتوں کے سَردار ہیں اور ان کی دعاء پر آمین کہنے والے محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام جنتیوں کے سَردار ہیں۔ تو اس دُعاء کی قبولیت میں شک ہی کیا ہے؟ تو بڑی ہی محرومی اور بڑی ہی شقاوت ہے اس شخص کی جو ماہِ مقدس میں مغفرت اور بخشش سے محروم رہے، جو شخص رمضان المبارک میں ایک روزہ بھی بغیر عذر کے چھوڑدے اور اگر اس کی قضا میں ساری زندگی بھی روزے رکھتا رہے تو اس محرومی کی تلافی نہیں ہو سکتی جو ماہِ مبارک کا روزہ چھوڑنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَۃٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْہُ صَوْمُ الدَّھْرِ کُلِّہٖ وَاِنْ صَامَ

جو شخص بغیر کسی رخصت اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دے گا وہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تو اس کی تلافی نہیں ہو سکتی ۔

رمضان کی عظمت پہچاننے والے

جن لوگوں نے رمضان کی عظمت کو پہچان لیا تھا اور روزوں کی فضیلت کو جان لیا تھا۔ وہ رمضان المبارک کا ایسے انتظار کرتے تھے ، جیسے کسی انتہائی قریبی اور معزز مہمان کا انتظار کیا جاتا ہے مشہور تابعی معلی بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ رمضانُ المبارک کے بارے میں صحابۂ کرام کے اشتیاق و انتظار کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

کَانُوْا یَدْعُوْنَ اللہَ سِتَّۃَ اَشْھُرٍ اَنْ یُّبَلِّغَھُمْ رَمَضَانَ ثُمَّ یَدْعُوْنَہٗ سِتَّۃَ اَشْھُرٍ اَنْ یَّتَقَبَّلَہٗ مِنْھُمْ

چھ ماہ تک وہ یہ دعاء کرتے تھے کہ اے اللہ ! ہمیں رمضان تک پہنچا پھر بقیہ چھ ماہ تک وہ یہ دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے صوم وصلوٰۃ کو قبول فرما ۔

خود رسول کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ جب رجب کا چاند دیکھتے تو یہ دعاء فرماتے تھے :-

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ

اے اللہ ! ہمیں رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔

جب شعبان کا مہینہ آتا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اشتیاق کا یہ عالم ہوتا کہ آپ شعبان ہی میں روزے رکھنا شروع فرما دیتے، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قریب قریب شعبان کا پورا مہینہ آپ روزے رکھتے تھے اور جب رمضان المبارک کا مہینہ آجاتا تو پھر آپ کی عبادت وتلاوت اور جود وسخا کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا، آپ صلے اللہ علیہ وسلم تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

تلامذہ کا حال

جب اُستاد کا یہ عمل اور یہ انداز تھا تو اس باکمال اُستاد کے سعادت مند تلامذہ کیوں پیچھے رہتے وہ رمضانُ المبارک کا حق ادا کرتے تھے راتوں کو قیام اور دن کو صیام ان کا دستُور تھا، حالتِ سفر میں اگرچہ روزہ رکھنا فرض نہیں لیکن صحابۂ کرام اس حالت میں بھی سخت تکلیف برداشت کرکے روزہ رکھ لیتے تھے۔ اگر کبھی کسی غلطی سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کا روزہ ٹوٹ جاتا تو ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ایک صحابی روزہ توڑ بیٹھے تو بال نوچتے ہوئے اور سینہ کوبی کرتے ہوئے رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے "میں تو ہلاک ہوگیا"۔ صحابۂ کرام رضہ صرف خود ہی روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں سے بھی روزے رکھواتے تھے ایک دفعہ حضرت عمر رضہ نے کسی بدمست کو بازار میں کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے سزا دی اور فرمایا ہمارے بچے بھی روزہ رکھتے ہیں اور تمھارا یہ حال ہے۔

صحابۂ کرام رضوانُ اللہ علیہم اجمعین صرف فرض روزے ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ نفلی روزے بھی رکھتے تھے۔ حضرت زید بن سہل رضہ نے رسولِ

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلسل چالیس سال روزے رکھے اور عید کے علاوہ کسی دن کا روزہ نہیں چھوڑا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ ہر مہینے صرف تین دن روزہ رکھا کرو، لیکن اُنھوں نے اصرار کیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ روزے رکھنے کی طاقت ہے تو آپ نے ان کو صوم داؤدی کی اجازت دے دی یعنی ایک دن کا ناغہ دے کر دوسرے دن کا روزہ رکھو

صحابۂ کرام عاشوراء کے روزے کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ وہ صرف خود ہی روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے چھوٹے بچوں سے بھی عاشوراء کا روزہ رکھوانے تھے اور جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے تو دل بہلانے کے لئے رنگین اُون کی گڑیاں دیدیتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اس حقیقت کو پالیا تھا کہ لذت صرف پیٹ بھر کر کھانے ہی میں نہیں بلکہ اسے خالی رکھنے میں بھی ہے۔

مزہ صرف ٹھنڈے میٹھے مشروبات کے پینے ہی میں نہیں بلکہ پیاس کی تلخی برداشت کرنے میں بھی ہے۔

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ بیشمار لوگ ایسے ہیں جنھیں مرغن غذاؤں اور رنگا رنگ مشروبات میں وہ مزہ نہیں آتا جو اللہ والوں کو بھوکا اور پیاسا رہنے میں آتا ہے۔

کتنے ہی لوگ ہیں جو ریشم و کمخواب کے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے رات گذار دیتے ہیں اور انہیں نیند تو کیا اُونگھ بھی نصیب نہیں ہوتی اور کتنے ہی ایسے خدا شناس ہیں جو سنگ ریزوں کے فرش پر لیٹ کر

اپنی نیند پوری کر لیتے ہیں۔

کتنے ہی دولت وثروت میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں جو سنگ مرمر سے بنے ہوئے وسیع وعریض محلات میں بے چین رہتے ہیں اور کتنے ہی فقر آشنا اہلُ اللہ ہیں جو خس پوش جھونپڑیوں میں سکون اور راحت کی زندگی گذار رہے ہیں۔

یاد رکھیئے راحت اور چیز ہے اور اسبابِ راحت اور چیز ہیں، ضروری نہیں کہ جو راحت کے اسباب جمع کر لے اُسے راحت بھی حاصل ہو جائے،

حقیقی راحت دولت سے نہیں

محلات سے نہیں

گاڑیوں سے نہیں

کارخانوں سے نہیں

خورد و نوش کے سامان کی فراوانی سے نہیں۔

بلکہ اللہ کے حکموں کو پورا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جس بندے کی نظر اللہ کی رضا پر ہوتی ہے وہ اس کی راہ میں بھوکا اور پیاسا رہتا ہے تو اسے سکون ملتا ہے، وہ اس کی راہ میں مال لٹاتا ہے تو اسے خوشی حاصل ہوتی ہے، وہ جان کی بازی لگاتا ہے تو اس کا دِل مطمئن ہوتا ہے، وہ سب کچھ گنوا کے بھی کہتا ہے

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

ربِّ کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔

اور سچی بات تو یہ ہے کہ کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا ہے نہ نماز میں کچھ رکھا ہے نہ روزے میں کچھ رکھا ہے، نہ جہاد میں کچھ رکھا ہے، نہ صدقہ

وخیرات میں کچھ رکھا ہے، نہ حج وعمرہ میں کچھ رکھا ہے، نہ تبلیغ وتدریس میں کچھ رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ مالک حقیقی کی رضا میں ہے۔

ایسی نمازیں ایسے روزے ایسے صدقات اور ایسے عمرے جن سے اس مالک کی رضا حاصل نہ ہو وہ کسی کام کے نہیں، حضرتِ ذکی کیفی مرحوم ومغفور کیا خوب فرما گئے ہیں۔ ؎

عشق تسلیم و رضا کے سوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے خوش نہ ہوں تو پھر وفا کچھ بھی نہیں

اور غالب نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

نہ تو ہے ہجر ہی اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

روزہ رکھنے والے دوست یاد رکھیں کہ ہم سے کوئی ایسا عمل نہ ہو جائے جو ہماری صبح سے شام تک کی بھوک پیاس کو غارت کر دے اور ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی بجائے ان کو ناراض کر بیٹھیں۔

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ
جو ترے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

(حضرت ذکی کیفی نور اللہ مرقدہٗ)

روزہ کے آداب

گرامی قدر حاضرین! ظاہر ہے ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کا دن کو بھوکا پیاسا رہنا اور راتوں کا قیام ضائع ہو جائے اور ماہِ مبارک اس کے لئے عطا کی بجائے حرمان کا سبب بن جائے۔

اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں تو روزہ کے آداب کا اہتمام کرنا ہوگا، اگر

ہم ان آداب کا اہتمام کرتے ہوئے روزے رکھیں گے تو انشاء اللہ یہ روزے قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے اور ہم "بابُ الرّیان" سے جنت میں داخل ہوں گے۔

علماء اور مشائخ نے روزے کے چھ آداب بیان فرمائے ہیں۔

نگاہ کی حفاظت

روزے کا سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ نگاہ کی حفاظت کی جائے۔ جناب رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:-

اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مَّسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِیْسَ

نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔

یہ تیر جا کے سیدھا دل پر لگتا ہے اور دل کو زہرناک کر دیتا ہے، دل میں تقوٰی اور ایمان کا نور اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک نگاہ کی حفاظت نہ کی جائے اور جب اللہ تعالےٰ کے خوف سے نگاہ کی حفاظت کی جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ دل میں ایسا ایمانی نور نصیب فرماتے ہیں جس کی حلاوت اور لذّت دل میں محسوس ہوتی ہے۔

زبان کی حفاظت

روزے کا دوسرا ادب زبان کی حفاظت ہے، زبان اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی نعمت بھی ہے اور امانت بھی، زبان کا صحیح استعمال ہمیں جنت میں لے جا سکتا ہے اور اس کا غلط استعمال جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے ترمذی شریف میں حدیث ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

هَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ۔

لوگوں کو جہنم میں چہروں کے بل ان کی زبانوں کی کرتوتیں ہی لے کر جائیں گی۔

صحیح بخاری میں سہل بن سعدؓ کی حدیث ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَن لِّي مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَن لَهُ الْجَنَّةَ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو مَیں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

یعنی اگر تم مجھے یہ ضمانت دے دو کہ زبان اور شرمگاہ کو غلط جگہ استعمال نہیں کرو گے تو میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت آدھے دین کی حفاظت ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کا کیا طریقہ ہے یعنی میں جہنم سے کیسے نجات پا سکتا ہوں۔ تو آپؐ نے جواب دیا کہ تین کام کر لو، تم جنت میں داخل ہونے کے حقدار ہو جاؤ گے۔

ایک تو یہ کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو،

دوسرے یہ کہ اپنا زیادہ وقت گھر میں گذارو (اِدھر اُدھر بازاروں میں بھی فضول نہ گھومو)

تیسرے یہ کہ اپنے گناہوں پر رویا کرو

زبان کی حفاظت تو ہر حال میں ضروری ہے لیکن روزے کی حالت میں اس کی حفاظت اور بھی زیادہ ضروری ہے، اسی لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو خاص طور پر فحش بات یا جہالت کی بات کرنے سے

منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اگر دوسرا لڑائی جھگڑے کی بات کرے بھی تو تم نہ کرو اور اس سے کہہ دو، کہ میرا روزہ ہے، میں تمھاری لغویات کا جواب نہیں دے سکتا۔ خاص طور پہ روزہ کی حالت میں غیبت اور جھوٹ سے بچنا بہت ضروری ہے۔ بعض علماء کے نزدیک تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا روزے کی حالت میں انہیں شدید بھوک لگی کہ وہ ہلاک ہونے کے قریب پہنچ گئیں آپ نے ان کے پاس ایک پیالہ بھیجا اور اس پیالے میں ان کو قے کرنے کا حکم دیا، دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے لوتھڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں نے اللہ تعالےٰ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا وہ یہ کہ یہ دونوں لوگوں کی غیبتیں کرتی رہیں، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ روزے کی حالت میں گناہ کرنے سے بھوک پیاس زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اسی لئے دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگ جو کسی نہ کسی طرح روزہ تو رکھ لیتے ہیں، لیکن روزے کے آداب کا خیال نہیں رکھتے، انہیں شدید بھوک اور پیاس لگتی ہے اور جو ذکر و فکر اور عبادت و اطاعت میں روزہ گذارتے ہیں، انہیں روزہ گذرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔

کان کی حفاظت

روزے کا تیسرا ادب کان کی حفاظت یاد رکھیئے، جن چیزوں اور باتوں کا زبان سے نکالنا ناجائز ہے، ان کا سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں

شریک ہیں۔

کتنے ہی لوگوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ روزہ رکھ لیتے ہیں، پھر روزہ گذارنے کے لئے گانے سنتے ہیں، فلمیں اور ڈرامے دیکھتے ہیں۔ گویا کانوں اور آنکھوں کے راستے گناہوں کی غلاظت اپنے دل کے برتن میں اُتارتے ہیں، بتلائیے، ایسے روزے سے کیا حاصل ہوا اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم روزہ گذارنے کے لئے ایسا کرتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ واقعی ایسے لوگوں کا روزہ گذر جاتا ہے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں گذر گیا یعنی مرگیا، تو ایسے ہی ان لوگوں کا روزہ بھی گذر جاتا ہے۔

کتنے خسارے کی بات ہے کہ دن بھر بھوکے پیاسے بھی رہے، لیکن حاصل بھی کچھ نہ ہوا۔

تمام اعضاء کی حفاظت

روزے کا چوتھا ادب یہ ہے زبان، کان اور آنکھ کے علاوہ باقی اعضاء کی بھی گناہ سے حفاظت کرے۔

یہ جو اعضاء اللہ تعالٰی نے ہمیں دئیے ہیں، یہ اعمال پیدا کرنے کی مشینیں ہیں

آنکھ عمل پیدا کرنے کی مشین ہے۔

زبان عمل پیدا کرنے کی مشین ہے۔

کان عمل پیدا کرنے کی مشین ہے۔

ہاتھ عمل پیدا کرنے کی مشین ہے۔

پاؤں عمل پیدا کرنے کی مشین ہے

ہماری مرضی ہے کہ ہم ان مشینوں سے اللہ کی رضا والے عمل پیدا کریں،

یا اس کی ناراضگی والے عمل پیدا کریں
ہاتھوں سے کسی پر ظلم نہ کرے کسی کی چیز نہ چرائے
پیروں سے گناہ کی جگہ اور گناہ کیطرف چل کر نہ جائے۔
پیٹ میں حرام غذا نہ جانے دے، حرام کی مثال زہر کی سی ہے، زہر جسم کے لئے خطرہ ہے اور حرام غذا روح کے لئے خطرہ ہے۔ حرام کھانے سے دل میں کثافت پیدا ہوتی ہے، دل تاریک ہوجاتا ہے اور حرام سے جو جسم پلتا ہے اس پر جہنم واجب ہوجاتی ہے۔ کم از کم رمضان المبارک میں اس بات کا اہتمام کریجیئے کہ حرام کا ایک لقمہ بھی ہمارے پیٹ میں نہ جانے پائے، شاید اس ماہ مقدس کی برکت سے ہمیں سال کے باقی گیارہ مہینوں میں بھی حلال روزی پر قناعت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے،

زیادہ نہ کھائے

روزے کا پانچواں ادب یہ ہے کہ اگرچہ مال حلال ہو پھر بھی بہت زیادہ نہ کھائے بلکہ جب کچھ بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دے۔

صوفیاء رمضان کے علاوہ عام دنوں میں چار چیزوں کا مجاہدہ کراتے ہیں۔ (۱) تقلیلِ طعام (کم کھانا) (۲) تقلیلِ کلام (کم بولنا) (۳) تقلیل منام (کم سونا) (۴) تقلیل الاختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا)

صوفیاءِ کرام اپنے مریدین کو کم کھانے پر بڑے بڑے مجاہدے کرایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت آجاتی تھی لیکن حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ اس قسم کے مجاہدوں کا نہیں، اب تو لوگ ویسے ہی کمزور ہیں۔ اگر کھانا کم کر دیں گے تو کئی بیماریاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

آج کے دَور میں انسان ایک بات کی پابندی کرلے تو تقلیل طعام کا مقصد حاصل ہوجائے گا وہ یہ کہ جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک مرحلہ ایسا آئیگا جب دل میں تردّد پیدا ہوگا کہ اب مزید کچھ کھاؤں یا نہ کھاؤں پس جب یہ تردّد پیدا ہوجائے اس وقت کھانا چھوڑ دے تو تقلیل طعام کا منشاء پورا ہوجائیگا۔

آج کل لوگ ڈائٹنگ کے لئے کھانا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وزن کم ہوجائے بعض خواتین مختلف قسم کی دوائیں استعمال کرتی ہیں اور اپنے آپ کو سمارٹ رکھنے کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کرتی ہیں، مگر ڈاکٹروں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ اگر مستقل کھانا چھوڑنے کے بجائے، کھانے میں کمی کردی جائے تو پیٹ بڑھنے کی شکایت بھی نہیں ہوگی اور ڈائٹنگ کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔

مگر یاد رکھیئے کہ تقلیل طعام سے مسلمان کا مقصود اللہ کی رضا ہونی چاہیئے یہ الگ بات ہے کہ اس کے ضمن میں صحت کی درستگی اور وزن اعتدال پر رہنے کا مقصد بھی خود بخود حاصل ہوجائیگا۔ جب عام حالات میں تقلیل طعام پر زور دیا جاتا ہے تو رمضان المبارک میں تو اس کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ روزہ سے مقصود قوت شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا اور قوت نورانیہ اور ملکوتیہ کا بڑھانا ہے، مگر ہمارے ہاں تو جناب حال یہ ہے کہ رمضان میں لوگ جتنا کھاتے ہیں شاید غیر رمضان میں نہ کھاتے ہوں۔ افطاری میں اتنا کچھ کھالیتے ہیں کہ پھر نمازِ عشاء اور قیام اللّیل کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر بالفرض نماز کے لئے کھڑے بھی ہوجائیں تو نماز میں اونگھتے رہتے ہیں

سحری میں اتنا کھاتے ہیں کہ نماز فجر کا پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے اور پھر

کمال یہ کہ اتنا کھانے کے بعد پھر سو بھی جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بخارات دماغ کو چڑھ جاتے ہیں، چنانچہ جب سو کر اٹھتے ہیں تو دماغ کے بوجھل ہو جانے کی وجہ سے کسی کام کے قابل نہیں رہتے۔ ایک جگہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں۔ جن سے کمر سیدھی رہے، اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر تُل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی (پیٹ) کھانے کے لئے رکھے ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی خالی رکھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو پورے رمضان المبارک میں دیکھا ہے کہ افطار وسحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چپاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی، دوستوں کے خیال سے بیٹھ جاتا ہوں۔ اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گذر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر و افطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی، ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری (نور اللہ مرقدہٗ) نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائیگا حضرت کچھ تناول ہی نہیں فرماتے تو حضرت نے فرمایا کہ الحمدللہ جنت کا لُطف حاصل ہو رہا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا پیارا شعر ہے فرماتے ہیں۔

ندارند تن پروراں آگہی   کہ پر معدہ باشد زحکمت تہی

پیٹ بھر کر کھانے والوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ بھرا ہوا معدہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

خوف و رجا

روزے کا بلکہ ہر عبادت کا ایک اہم ادب یہ ہے کہ انسان قبولیت کی اُمید رکھے مگر ڈرتا بھی رہے کہ شاید مرا قیام و صیام اور صدقہ و خیرات قبول بھی ہوا ہے یا نہیں، کیونکہ قیامت کے دن بہت سے ایسے لوگوں کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ جو بظاہر دنیا میں بڑی عبادت کرتے تھے مگر دل میں اخلاص نہ تھا، اللہ تعالٰی کی رضا پیشِ نظر نہ تھی بلکہ نمود و نمائش اور ریاکاری کا جذبہ دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ صاحبِ ایمان کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ نیکی کرتا ہے، قبولیت کی اُمید بھی رکھتا ہے مگر ڈرتا بھی رہتا ہے کہ کہیں میری محنت ضائع نہ ہو جائے اللہ اپنے راستہ میں خرچ کرتے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ٥	اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس جانا ہے۔

یہ اللہ تبارک و تعالٰی نے ایمان والوں کی نشانی بتائی ہے کہ میرے راستے میں خرچ بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں کہ ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ معلوم نہیں وہاں قبول ہوتا بھی ہے یا نہیں ہوتا اور اصل چیز تو میرے دوستو، قبولیت ہے، چھوٹا سا عمل ہو لیکن ان کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ اور بہت بڑا عمل ہو لیکن وہاں قبول نہ ہو تو کس کام کا؟

عمل کرنے کے بعد اکڑنا، اِترانا اور جتلانا عمل کو باطل کر دیتا ہے اور عمل کرنے کے بعد ڈرتے رہنا، مزید عاجزی اختیار کرنا، اسے قبولیت کے قریب کر دیتا ہے۔

کوشش اور دعا

میرے بزرگو اور دوستو! آئیے ہم کوشش بھی کریں اور دعا بھی کریں کہ ہمارا رمضان المبارک ان آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے گذر جائے اور یہی دو چیزیں اہم ہیں یعنی کوشش اور دعا۔

خالی خولی دعا بھی کافی نہیں اور نری کوشش بھی کافی نہیں بلکہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اپنی سی کوشش بھی کرتے رہیں کہ کم از کم اس مہینے میں ہم حلال روزی پر اکتفاء کرلیں، حرام کے قریب نہ جائیں، گناہوں کو یکسر چھوڑ دیں۔ آنکھ، کان، زبان کی حفاظت کرلیں، غیبت، جھوٹ اور بہتان تراشی سے باز آجائیں۔ اپنے نفس کو بہلائیں کہ میاں صرف ایک مہینے کی بات ہے ایک مہینہ اللہ کی رضا کے مطابق گذار لو، اگر آپ اپنے نفس کو بہلانے اور گناہوں سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو انشاء اللہ سال کے بقیہ گیارہ مہینے بھی اسی طرح گذارنے کی توفیق مل جائے گی۔

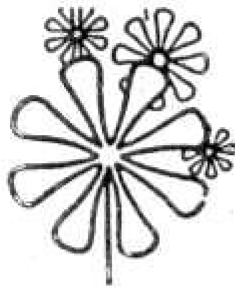
کوشش کے ساتھ دعا بھی کرتے رہیں، کہ اے اللہ! میں کمزور ہوں، چاہتا ہوں کہ ماہِ مقدس تیری رضا کے مطابق گذر جائے مگر میرا چاہنا کس کام کا، جب تک تو نہ چاہے، بس تو اپنے فضل و کرم سے اس مبارک مہینے کو اس طریقے سے گذارنے کی توفیق عطا فرمادے کہ مجھے تیری رضا حاصل ہو جائے، میں جہنم سے بچ جاؤں اور جنت میں داخل ہونیکا حقدار بن جاؤں۔

میرے بھائیو! آخری گذارش یہ ہے کہ اگر کسی کو اس طریقے سے

رمضان المبارک گذارنے کی توفیق حاصل ہو جائے تو حیًّا و میتًا اس گنہگار کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

کیونکہ میں آپ کی دعاؤں کا بہت زیادہ محتاج ہوں، دامن نیک اعمال سے خالی ہے اور آخرت کا سفر بڑا مشکل ہے۔ جب مخصوص اوقات میں اپنے لئے دعا کریں تو اس ناقص انسان کے لئے بھی دعا کردیں تو اللہ تعالےٰ آپ کو اس احسان کا بدلہ ضرور دے گا۔

وما علینا الا البلاغ



حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ہیں زخمِ کفر کے لئے بے شک دوا علیؓ
اس واسطے کہ ہیں اسدِ کبریا علیؓ
جو دیدہ ور ہیں خاکِ درِ مصطفےٰؐ میں سب
فاروق ذی حشم ہوں کہ شیرِ خدا علیؓ
مؤمن کے اعتبار میں مشکل کشا خدا
غیروں کے اعتقاد میں مشکل کشا علیؓ
کیا کم ہے یہ شرف کہ بہ ترتیب واقعی
ہیں پیشوائے ملّتِ خیر الوریٰ علیؓ

"اس باہمی اعتماد کو دیکھنا ہو تو شبِ ہجرت کو یاد کیجئے، جب قریش نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا چراغ گل کر دینے کا عزم کرکے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ آپ نے حضرت علی رضؓ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور فرمایا "تمھیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔" یہ بات آسان نہیں تھی اور وہ رات یقیناً قیامت کی رات تھی۔ باہر بدترین دشمنوں کا محاصرہ تھا اور حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلم وہاں سے جا چکے تھے۔ حضرت علی رضؓ جانتے تھے کہ دشمنوں کو جب پتہ لگے گا کہ آپ ان کے ہاتھ سے نکل گئے تو وہ جوشِ غضب میں ان کی جگہ پر لیٹے ہوئے شخص کی بوٹی بوٹی کر دیں گے۔ لیکن حضرت علی رضؓ کو آپ سے اتنی محبّت اور آپ کی بات پر اعتماد تھا کہ وہ بلا خوف و خطر آپ کے بستر پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔ انھیں یقین تھا کہ یہ چمکتی ہوئی تلواریں اور دشمنوں کی شعلے برساتی ہوئی نگاہیں میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔"

سوچیے مقتل میں کسے نیند آتی ہے یہ مقتل ہی تھا جہاں حضرت علی رضؓ محوِ استراحت تھے۔"

حضرت علی کرّم اللہ تعالے وجہہٗ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ	لیکن رسول نے اور جو اس کے ساتھ ہو کر
اٰمَنُوْا مَعَہٗ جَاھَدُوْا	ایمان لائے ہیں، انھوں نے اپنے جان
بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ ط	و مال سے جہاد کیا اور انھیں کے لئے
وَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ	خوبیاں ہیں اور وہی (آخرت میں) فلاح
وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ	پانے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے
اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ	ایسے باغات تیار کئے ہیں، جن کے
مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ	(درختوں کے نیچے) نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ
فِیْھَا اَبَدًا ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ	ان ہی میں رہنے والے ہیں، یہی بڑی
الْعَظِیْمُ ہ	کامیابی ہے۔

وَعَنْ سَعْدٍ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ	حضرت سعد رضؓ سے روایت ہے، نبی
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِیٍّ	اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے
اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ	فرمایا، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے
بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی	کہ میری نیابت کے معاملے میں تمہاری حیثیت
(صحیح مسلم جلد ثانی صـ۲۷۸)	وہ ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کی،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔

محترم حاضرین! یوں تو رمضان المبارک کا مہینہ اپنی عظمتوں اور برکتوں کی وجہ سے ایک بے مثال مہینہ ہے لیکن اپنی ذاتی فضیلت و عظمت کے ساتھ ساتھ اس مبارک مہینے میں کئی ایسے تاریخی واقعات بھی پیش آئے ہیں، جنھوں نے اسے ایک یادگار مہینہ بنا دیا ہے۔ بالخصوص سترہ رمضان المبارک ایک یادگار دن کی حیثیت رکھتا ہے۔

غارِ حرا میں کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی یا یوں کہیئے کہ تقریباً چھ سو سال بعد آسمان کا زمین سے پہلا رابطہ ہوا، تو اس دن رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔

جب بَدر کے میدان میں حق و باطل کے درمیان پہلا حربی معرکہ برپا ہوا تو اس دن بھی رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔

اور جب دامادِ نبی امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کا واقعہ پیش آیا، تو اس دن بھی رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی

اس مناسبت سے آج مناسب معلوم ہوا کہ آپ حضرات کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حالات اور فضائل و کمالات بیان کیے جائیں تاکہ ہمارے دلوں میں ان کی محبّت اور عظمت اُجاگر ہو اور اللہ تعالےٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمادے۔

خوش قسمت انسان

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ وہ خوش قسمت انسان ہیں جن کا بچپن سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور سرپرستی میں گذرا،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا ابو طالب کے بچے زیادہ تھے اور آمدنی محدود تھی اس لئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قبول فرمالی اور حضرت علی رضؓ کو حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

حضرت علی رضؓ نے محمد بن عبداللہ کو محمد رسولُ اللہ بنتے دیکھا

جب آپ کو نبوت ملی اور آپ نے مکہ والوں کو ایمان کی دعوت دی

تو بڑے بڑے سرداروں

بڑے بڑے شاعروں

اور بڑے بڑے دانشوروں نے

آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا مگر ایک چھوٹا سا بچہ جس کی عمر اس وقت صرف نو برس تھی اور جسے دنیا آج حیدرِ کرار کے نام سے جانتی ہے اس بچے نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور ایمان قبول کر لیا

پختہ عمر لوگوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے

خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضؓ نے

غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن ثابت رضؓ نے

اور کم عمر لوگوں میں سے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان قبول کیا۔

اور یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں، آخر انہیں اس عظیم انسان کی تربیت نصیب ہوئی تھی جو سارے انسانوں کی تربیت کے لئے آیا تھا۔

جو سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آیا تھا

جس کی دعوت نے ساری دنیا میں عام ہونا تھا۔

اس عظیم انسان کی آغوشِ تربیت میں آنکھ کھولنے والا بچہ اگر سارے نوجوانوں سے پہلے ایمان قبول کر لیتا ہے تو تعجب کی کون سی بات ہے۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علی رضؓ نے ایمان قبول کرنے سے پہلے بھی کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔

انتہائی اعتماد

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر انتہائی اعتماد تھا، آپ کے اعتماد کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اپنی اس بیٹی کا نکاح حضرت علی رضؓ سے کیا جسے آپ نے جنتی خواتین کی سردار قرار دیا اور جس کے بارے میں آپ نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّیْ يُؤْذِيْنِيْ مَا آذَاهَا وَيُرِيْبُنِيْ مَا أَرَابَهَا

فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو فاطمہ کو اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے جو اسے رنج دیتا ہے وہ مجھے رنج دیتا ہے

یوں تو آپ کو اپنی ساری ہی بیٹیوں سے پیار تھا مگر جتنا پیار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھا، اتنا کسی اور سے نہیں تھا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم جب کسی سفر پر روانہ ہونے لگتے تو آخری کام جو کرتے وہ یہ ہوتا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے اور جب واپس آتے تو پہلا کام یہ ہوتا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جا کر دیکھتے

ایک عام شخص کی بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کسی ایسے شخص کے نکاح میں دے، جس پر اُسے اعتماد ہو تو کیا کوئی سوچ بھی سکتا ہے، کہ کائنات کے سردار نے خواتینِ جنت کی سردار کو ایسے شخص کے نکاح میں

دے دیا ہوگا، جس پر آپ کو پورا اعتماد نہیں ہوگا

صرف حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد نہیں تھا بلکہ حضرت علی رضؓ کو بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر، آپ کے وعدوں پر، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں پر پورا پورا اعتماد تھا

اس باہمی اعتماد کو دیکھنا ہو تو شبِ ہجرت کو یاد کیجیئے، جب قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا چراغ گل کر دینے کا عزم کر کے آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اللہ نے اپنے نبی کو اس سازش سے آگاہ کر دیا اور آپؐ نے حضرت علی رضؓ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور فرمایا

"تمھیں کوئی بھی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا"

یہ بات آسان نہیں تھی اور وہ رات یقیناً قیامت کی رات تھی باہر بدترین دشمنوں کا محاصرہ تھا، اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے جا چکے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ دشمنوں کو جب پتہ لگے گا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ سے نکل گئے تو وہ جوشِ غضب میں ان کی جگہ پر لیٹے ہوئے شخص کی بوٹی بوٹی کر دیں گے۔ لیکن حضرت علیؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبّت تھی اور آپ کی بات پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ بلا خوف و خطر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے

سوچیئے مقتل میں کیسے نیند آتی ہے۔

یہ مقتل ہی تو تھا جہاں حضرت علی رضؓ محوِ استراحت تھے

چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ تمھیں کوئی بھی نقصان

نہیں پہنچا سکے گا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ واقعی یہ چمکتی ہوئی تلواریں اور دشمنوں کی شعلے برساتی ہوئی نگاہیں میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔

حضرت علی رضؓ صبح کو اُٹھے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب امانت داروں کی امانتیں ان کے حوالے کیں اور تین دن کے بعد وہ بھی مدینہ منورہ روانہ ہو گئے، جب مدینہ منورہ پہنچے تو چل چل کر آپ کے پاؤں پھٹ چکے تھے۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ علی رضؓ کو میرے پاس بلاؤ، لوگوں نے عرض کیا، وہ چل نہیں سکتے، آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے، گلے سے لگایا اور ان کے پیروں کے زخم دیکھ کر رُو پڑے، پھر ان پر اپنا مبارک لعابِ دہن لگایا اور مقدس ہاتھ اُن پر پھیرا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ پھر ساری زندگی حضرت علی رضؓ کے پیروں میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

کتنے مبارک تھے وہ پیر جن پر دہن نبوّت کا مقدّس لعاب لگا۔

کامل ایمان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سَردارِ دوجہان صلے اللہ علیہ وسلّم کی خبروں اور باتوں پر جو کامل ایمان اور پورا پورا اعتماد تھا۔ اس کا ایک اَور واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں

۸ ھ میں جب رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فتح مکہ کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کو رازداری کے ساتھ تیاری کا حکم دیا۔

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جلیلُ القدر صحابی تھے مگر اس موقع پر ان سے چھوٹی سی غلطی ہو گئی۔

اصل میں ان کے اہل وعیال مکّہ میں اکیلے تھے، انھوں نے سوچا کہ اگر قریش پر ایک احسان کر دوں تو وہ میرے بیوی بچوں کا خیال رکھیں گے،

اسی خیال سے انھوں نے ایک خط کے ذریعے قریش کو اطلاع دی کہ رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم مکہ آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ خط انہوں نے ایک عورت کو دیا، جسے اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپالیا اور روانہ ہوگئی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وحی کے ذریعہ سے اس کی اطلاع مل گئی۔ آپ نے اسی وقت حضرت علی اور حضرت زبیرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ ابھی فوراً چل پڑو، تمہیں خاخ کے باغ میں اونٹنی پر سوار ایک عورت ملے گی، جس کے پاس ایک خط ہے، جو وہ قریش کو پہنچانے کے لئے جا رہی ہے، تم وہ خط اس سے لے کر آؤ۔

یہ دونوں حضرات تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے خاخ کے باغیچے میں پہنچے تو وہاں اُنہیں وہ عورت مکہ کیطرف جاتی ہوئی مل گئی۔ انھوں نے اُسے اُتار کر پوچھا کہ تمھارے پاس کوئی خط ہے؟ وہ بولی، میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ان دونوں نے کجاوے کو کھول کر دیکھا تو اس میں کچھ بھی نہ ملا حضرت علی رضؓ نے اس عورت سے کہا کہ مَیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ تو کبھی رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خلافِ واقعہ بات کہی ہے اور نہ ہی ہم غلط کہتے ہیں۔ وہ خط یقیناً تمھارے پاس ہے اور ہر صُورت میں وہ خط تم کو نکالنا ہی پڑے گا۔ اور اگر تم نے شرافت سے وہ خط نہ نکالا تو ہم تمھیں برہنہ کر کے تمھاری جامہ تلاشی لیں گے۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ یہ اپنی دھمکی میں سنجیدہ ہیں تو اس نے کہا کہ اچھا تم دونوں منہ پھیر لو!! انھوں نے منہ پھیر لیا، تو اس نے سَر کے جوڑے کو کھولا اور خط نکال کر دے دیا، جس کو لے کر یہ دونوں رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں واپس آ گئے۔

اس باہمی اعتماد کا یہ حال تھا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو اہل بیت کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ نا چاہا، تو انھوں نے عرض کیا کہ اس طرح منافقوں کو افواہیں پھیلانے اور اور چہ میگوئیاں کرنے کا موقع مل جائیگا تو آپ نے فرمایا اے علی! کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میرے اعتماد اور میری نیابت کے معاملے میں تمہاری حیثیت وہ ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ تھی، ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا (بخاری)

مقصد یہ تھا کہ مجھے تم پر اسی طرح اعتماد ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حضرت ہارون علیہ السّلام پر اعتماد تھا۔ البتہ تم دونوں میں یہ فرق ضرور ہے کہ حضرت ہارون علیہ السّلام نبی تھے اور اے علی رضؓ تم نبی نہیں ہو،

اللہ اور رسولؐ کا پیار

اس اعتماد کی ایک جھلک آپ غزوۂ خیبر میں بھی دیکھ سکتے ہیں جب وہاں کے سارے قلعے ایک ایک کر کے فتح ہو رہے تھے لیکن القموص کے قلعہ کا فتح کرنا مسلمانوں کو کچھ مشکل معلوم ہو رہا تھا تو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"کل مسلمانوں کا جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں ہوگا جس کو اللہ اور اُس کا رسول پسند فرماتا ہے اور یہ قلعہ اسی کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ جب کل ہوئی تو کئی صحابۂ کرام منتظر تھے، کہ شاید یہ عزّت افزائی ہمیں نصیب ہو لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہو گئے مگر ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف تھی۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور

ان کے لئے دعا فرمائی جس سے وہ تکلیف اسی وقت دور ہوگئی اور ایسی دور ہوئی کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا اور اللہ نے شیرِ خدا کے ہاتھوں یہ قلعہ فتح کرا دیا"۔

یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اعتماد ہی تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام کی موجودگی میں آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قموص کا تاریخی قلعہ فتح کرنے کے لئے مقرر فرمایا اور آپ اپنے آقا کے اعتماد پر پورے اُترے۔

بے مثال محبت

آقا کے اس اعتماد نے حضرت علیؓ کے دل میں آقا کی ایسی محبت پیدا کر دی تھی جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

وہ اپنے آقا کی ذات سے محبت کرتے تھے
صفات سے محبت کرتے تھے۔
آپ کی دعوت سے محبت کرتے تھے
اور ہر اس چیز سے محبت کرتے تھے جس کا تعلق آقا سے تھا۔
آقا کو خوش دیکھتے تو خوش ہو جاتے
آقا کو پریشان دیکھتے تو پریشان ہو جاتے

ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر فاقہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو تڑپ اٹھے، جی چاہا کہ آقا کو سیر کر دوں۔ مگر خود آپؓ کے گھر میں بھی کچھ نہ تھا۔ چنانچہ کسی مزدوری کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے۔ تاکہ اتنا تو مل جائے جس سے آقا کی ضرورت پوری ہو جائے۔ تلاش کرتے کرتے ایک یہودی کے باغ میں جا پہنچے اور باغ کو پانی پلانے کا کام اپنے ذمہ

لے لیا۔ مزدوری یہ تھی کہ ایک ڈول پانی کھینچنے کی اُجرت ایک کھجور ملے گی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سترہ ڈول کھینچے اور سترہ عجوہ کھجوریں لے کر آقا کی خدمت میں پیش کر دیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے علیؓ! یہ کہاں سے لائے ہو

عرض کیا یا نبیؐ اللہ! مجھے پتہ لگا تھا کہ آج آقا کے گھر میں فاقہ ہے اس لئے میں مزدوری کی تلاش میں نکل گیا تھا تاکہ کچھ کھانے کا سامان کر سکوں

رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم کو اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت نے اس پر آمادہ کیا تھا؟

عرض کیا ہاں یا رسولُ اللہ!

آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا کوئی ایسا نہیں ہے۔ جس پر اتنی تیزی سے افلاس نہ آتا ہو۔ جتنی تیزی سے سیلاب کا پانی اپنے رُخ پر بہتا ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول سے محبّت کرے، اسے چاہیئے کہ وہ مصائب کے روک کے لئے ایک چھتری بنا لے۔

ادب و احترام

محبّت کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضؓ کے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا جو ادب و احترام تھا۔ اس کا اندازہ حدیبیہ والے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوگیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کے لئے بلوایا۔ معاہدے کے آخر میں آپ نے لکھوایا۔

ھٰذَا مَا کَاتَبَ عَلَیۡہِ مُحَمَّدٌ   یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسولُ اللہ

رَسُوْلُ اللّٰہِ   نے فیصلہ کیا۔

اس پر قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ "رسول اللہ" کے الفاظ کیوں لکھے ہیں۔ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو نہ بیت اللہ میں آنے سے روکتے اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ تم جھٹلاتے رہو میں اللہ کا رسول ہوں، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو اور ان کے بجائے "محمد بن عبداللہ" لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں "رسول اللہ" کے الفاظ اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں پر "رسول اللہ" لکھا ہے۔ میں خود مٹا دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم جلد ثانی)

شجاعت کا پیکر

غرضیکہ دل میں آقا کی محبت بھی تھی۔ ادب و احترام بھی تھا آپ کی باتوں پر اعتماد بھی تھا۔ آپ کی خبروں پر یقین بھی تھا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کا جذبہ بھی تھا۔ جب بھی آقا یاد فرماتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ لبیک کہتے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مقابلے میں نہ تلواروں کی چمک سے ڈرتے تھے نہ تیروں کی بارش سے خوف کھاتے تھے۔

بدر کے میدان کا جائزہ لیجیئے۔

اُحد کے پہاڑ کو دیکھیے

خیبر کے قلعوں کا احوال پڑھیئے۔
غزوۂ خندق کا مطالعہ کیجئے
آپ کو ہر جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پیش پیش دکھائی دیں گے
بدر کے میدان میں جب عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی شیبہ
اور بیٹا ولید مقابلہ کے لئے نکلا اور انھوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے مقابلے
میں مسلمانوں میں سے ہمارے رشتہ داروں کو سامنے لاؤ تو رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی فرمائش سُن کر فرمایا:۔

"حمزہ اُٹھو، علی اُٹھو، عبیدہ اٹھو، یہ تینوں اٹھے اور انھوں نے
اپنے دشمنوں کو للکارا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو پہلے ہی وار
میں جہنم رسید کر دیا۔ عتبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی
کر دیا تھا چنانچہ حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ نے عتبہ
کا قِصّہ بھی تمام کیا اور حضرت عبیدہ رضؓ کو اٹھا کر لے آئے،
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کو دیکھ کر آپ نے
اپنی تلوار ذوالفقار ہمیشہ کے لئے انہیں بخش دی۔"

غزوہ اُحد میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے
بعد مسلمانوں کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور
لاتعداد مشرکوں کو ٹھکانے لگایا، جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زخمی
ہو کر گر پڑے تو حضرت علی رضؓ نے آپ کے ہاتھ کو سہارا دیا اور حضرت طلحہ رضؓ
بن عبید اللہ رضؓ نے آپ کو اٹھایا اور آپ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔
غزوہ خندق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ عرب کے اس

مشہور پہلوان اور سورما سے ہوا جس کا نام عمرو بن وُدّ تھا
اور جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ اکیلا ایک ہزار شہسواروں کے
برابر ہے وہ جب خندق پار کر کے مسلمانوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے
چلّا کر کہا

مَنْ یُّبَارِزُ — کون ہے جو میرے مقابلے میں آنے کی ہمّت
رکھتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور فرمایا:۔
اے عمرو! تم نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر قریش کے کسی فرد نے تم کو دو چیزوں
کی دعوت دی تو تم ایک کو ضرور قبول کرو گے۔ اس نے کہا بیشک میں نے
یہ کہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔
میں تم کو اللہ اور اُس کے رسول اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں
عمرو نے جواب دیا:۔
مجھے اس کی ضرورت نہیں
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر میں تمھیں مقابلے پر آنے کی
دعوت دیتا ہوں
عمرو بولا کیوں؟ میرے بھتیجے میں تمھیں قتل نہیں کرنا چاہتا
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن اللہ کی قسم! میں تم کو قتل کرنا
چاہتا ہوں،
یہ سُن کر اسے جوش آگیا۔ وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور گھوڑے
کی کوچیں کاٹ دیں اور اُس کے چہرے پر ایک ضرب لگائی اور تلوار
نکال کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

دونوں کی تلواریں چلنے لگیں اور پھر قریش یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کا وہ سُورما جو ایک ہزار جنگجوؤں پر بھاری ثابت ہوتا تھا۔ شیرِ خدا نے اکیلے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ نے مرحب کے ساتھ جو کیا تھا وہ تو ہر کسی کو معلوم ہے، وہ اکڑتا ہوا آیا تھا مگر شیرِ خدا نے ایسا وار کیا کہ اس کے سر کا آہنی خود اور سر دونوں کٹ گئے اور اسکے جبڑے بھی ٹوٹ گئے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا اسلام کے کسی غزوہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پیچھے نہیں رہے۔ ان کی شجاعت کا جادو ہر جگہ سر چڑھ کر بولتا رہا، یقیناً وہ حیدر کرار اور اسد اللہ تھے اور ظاہر ہے اللہ کا شیر مخلوق سے نہیں ڈر سکتا۔

سب سے بڑے قاضی

یہاں میں یہ عرض کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض اوقات کسی شخصیت کا کوئی ایک وصف ایسا مشہور ہو جاتا ہے کہ اس کے دوسرے اوصاف نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے، ان کی شجاعت ایسی مشہور ہوئی ہے کہ ان کے دوسرے اوصاف اس کے سامنے دب کر رہ گئے ہیں۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کمالات کا مجموعہ اور اوصاف و اخلاق کا سرچشمہ تھی۔ آپ احکام شریعت کا سب سے زیادہ فہم رکھنے والے اور سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا:-

اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ تم میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں

آپ ابھی نوجوان ہی تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا نمائندہ بنا کر یمن بھیجا۔ آپ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے ان لوگوں میں بھیج رہے ہیں، جن کے آپس میں جھگڑے ہوں گے اور مجھے فیصلہ کرنے کا کوئی تجربہ نہیں

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمھاری زبان سے صحیح بات نکلوائے گا اور تمھارے دل کو اس پر مطمئن کر دیگا کہ تم صحیح فیصلہ کر رہے ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد مجھے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کبھی شک نہیں ہوا کہ فیصلہ صحیح ہوا ہے یا نہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے جب بھی کوئی پیچیدہ مسئلہ آتا تو وہ اُسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش فرماتے ان کا مشہور مقولہ ہے کہ :-

لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرَ اگر علی نہ ہوتے تو عمر تباہ ہو جاتا۔

مقصد یہ کہ اگر علی رضؓ نہ ہوتے تو شاید مجھ سے کوئی ایسا فیصلہ ہو جاتا جو میری تباہی کا سبب بن جاتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کا یہ حال تھا کہ ایک بار انھوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے خود فرمایا، کتاب اللہ کے بارے میں جو چاہو پوچھ لو، اللہ کی قسم قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن کو، ہموار راستے میں چلتے ہوئے نازل ہوئی ہے یا اس وقت جب آپ کسی پہاڑی پر تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علم و حکمت کو دیکھنا ہو تو ان کے اشعار ان کے اقوال اور ان کے خطبوں کا مطالعہ کیا جائے۔

زُہد و بے نیازی

علم و حکمت کے علاوہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ تعالٰے عنہ کا ایک نمایاں وصف ان کا زُہد اور ان کی دنیا سے بے نیازی اور بے رغبتی تھی، مجبوری کی حالت میں سب ہی زاہد بن جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے اس وقت دنیا سے بے نیازی اختیار فرمائی، جب حکومت کے پورے اختیارات اُن کے ہاتھ میں تھے اور ان سے کوئی پوچھنے والا اور محاسبہ کرنے والا نہ تھا۔

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا۔ آپ نے اس فالودہ کو مخاطب کرکے فرمایا۔ تیری خوشبو اچھی ہے، رنگ حسین ہے، مزہ بھی لذیذ ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤں جس کا وہ اَب تک عادی نہیں ہے۔

زید بن وہب رح سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ اپنے گھر سے اس حال میں نکلے کہ وہ ایک تہ بند باندھے ہوئے تھے اور ایک چادر سے جسم کو ڈھکے ہوئے تھے، ان کے پاس کمر بند بھی نہیں تھا۔ جس سے وہ تہ بند کو باندھ سکتے، کمر بند کے بجائے انھوں نے تہ بند کو کپڑے کے چیتھڑے سے باندھ رکھا تھا۔ ان سے کہا گیا، کہ آپ اس لباس میں کس طرح رہتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا، میں یہ لباس اسلیئے پسند کرتا ہوں کہ یہ نمائش سے بہت دُور ہے، اس میں نماز پڑھنے میں آرام ہے اور مؤمن کی سنت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک بار زاہدوں کا ذکر ہو رہا تھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے کہا :

أَزْهَدُ النَّاسِ فِي الدُّنيا — دنیا میں سب سے بڑے زاہد

عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ — علی بن ابی طالب رض تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے قبضے میں صرف سات سو درہم تھے جو ان کو بیت المال کے مقررہ حصّہ میں ملے تھے اور وہ اس رقم سے ایک خادم خریدنے کا ارادہ کر رہے تھے۔

انصاف پسندی

دنیا سے بے رغبتی سے بھی زیادہ مشکل کام کسی حکمران کے لئے یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا مقرّر کیا ہوا قاضی خود اسی کے خلاف فیصلہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے بلا چون وچرا حکمِ شرع کے سامنے سر جھکا دیا

کنز العمال میں ہے کہ جمل کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کہیں گر گئی۔ ایک شخص کو ملی، اس نے بیچ دی، کسی نے وہ زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھ کر اُسے پہچان لیا۔ اس زرہ کا مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پہنچا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن رض اور ان کے غلام قنبر نے گواہی دی۔ قاضی شریح نے کہا کہ حسن رض کے بجائے کوئی دوسرا گواہ لائیے۔ حضرت علی رض نے فرمایا کیا آپ کو حسن رض کی گواہی قبول نہیں، قاضی شریح نے جواب دیا نہیں کیونکہ میں نے آپ کی یہ ہدایت یاد رکھی ہوئی ہے کہ باپ کے حق میں

بیٹے کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔

پھر قاضی شریح نے یہودی کے حق میں فیصلہ سناتے ہوئے اسے کہا کہ یہ زرہ تم لے لو، یہودی یہ سارا معاملہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اس نے کہا کہ امیر المؤمنین خود قاضی کے پاس آئے، اس کے باوجود اس نے ان کے خلاف فیصلہ دیا اور وہ اس فیصلے پر راضی رہے۔

اللہ کی قسم! آپ نے سچ کہا تھا، یہ واقعی آپ کی زرہ ہے اُس نے وہ زرہ بھی آپ کو لوٹا دی اور آپ کا کردار اور اسلام کا نظامِ عدل دیکھ کر اس نے کلمۂ شہادت "اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پڑھا اور مسلمان ہوگیا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ اس کو بخش دی اور وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا، یہاں تک کہ صفین کے موقع پر شہید ہوا

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے یہی وہ اعلیٰ اخلاق اور بلند اوصاف تھے جو ہر کسی کو ان کا گرویدہ کر دیتے تھے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم بھی ان پر جو اتنا اعتماد کرتے تھے اور اتنی محبت کرتے تھے تو اس کی وجہ بھی ان کا بلند کردار ان کی اعلیٰ سیرت اور علمی اور عملی کمالات ہی تھے ورنہ رشتہ دار تو اور بھی تھے اور ان میں بڑے قد آور نوجوان بھی تھے۔

خلیفۂ اوّل کا اِعتماد اور تعلّق

پھر یہ بھی جان لیں کہ صرف حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی حضرت علی رضیَ اللہ عنہ پر اعتماد نہیں فرماتے تھے بلکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ

عنہم بھی ان پر اعتماد فرماتے تھے اگرچہ بعض لوگوں نے زبردست پروپیگنڈے کے ذریعے جاہلوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خلفاءِ ثلاثہ کے درمیان ایسے اختلافات تھے جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے دُور دُور رہتے تھے لیکن یہ جھوٹے پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہیں، حقیقت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں،

جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی سب کے سامنے بیعت کی اور پھر وہ ہر موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیر اور رفیق رہے انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اتنی محبت اور اتنا تعلق تھا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے خود تشریف لے جانے لگے تو حضرت علی رضا اونٹنی کی مہار پکڑ کر سامنے کھڑے ہو گئے، کہ آپ مدینہ منورہ واپس جائیں کیونکہ اگر جنگ میں آپ کو کوئی زخم آگیا تو اِسلام کا شیرازہ ہمیشہ کے لئے بکھر جائیگا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اُن کی رائے کا احترام کرتے ہوئے واپس آنا پڑا۔

سوچیئے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبّت نہ ہوتی تو وہ اُنہیں جنگ میں جانے سے روکتے یا جنگ میں جانے کا مشورہ دیتے ؟

امام محمد باقر رح نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوکھ میں درد ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ آگ سے گرم کر کے اس پر پھیرتے رہے اور اس کو سینکتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبّت اور اعتماد ہی کی

وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابوبکر رکھا تھا۔
دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہ حال تھا کہ وہ
ہر اہم معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور زمانۂ
خلافت میں بھی ان کے بچوں کو پیار سے اپنے کاندھوں پر اٹھا لیتے تھے۔

خلیفہ ثانی کا اعتماد اور تعلق

خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اعتماد فرماتے تھے اور ان کی رائے کو وقعت
اور اہمیت دیتے تھے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کے سفر پر گئے تو حضرت
علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے۔
نہاوند کے مقام پر جب ایرانیوں کے ساتھ مسلمانوں کا تاریخی
معرکہ ہوا تو حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ میں
مسلمان مجاہدین کی قیادت خود کروں۔ بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ
علیہم اجمعین کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس رائے
سے اختلاف کیا اور یہ مشورہ دیا کہ آپ مرکز ہی میں رہیں۔ کیونکہ خدانخواستہ
اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو مسلمانوں کا اتحاد باقی نہیں رہے گا
چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے پر ہی عمل کیا لیکن اسکے برعکس
جب عیسائیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعوت دی کہ وہ بیت المقدس
آجائیں تو ہم بغیر جنگ کئے مسجد اقصیٰ شریف کی چابیاں ان کے حوالے
کردیں گے۔ چونکہ یہ ایک تاریخی اعزاز کا موقع تھا۔ اسلئے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم
کے برخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ آپ کو وہاں ضرور

جانا چاہیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور وہ انہیں اپنا قائم مقام بنا کر بیت المقدس کے تاریخی سفر پر روانہ ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کی انتہا یہ تھی کہ عمروں میں بہت زیادہ فرق ہونے کے باوجود اپنی بیٹی امّ کلثوم کا رشتہ حضرت عمرؓ کو دے دیا۔

جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے تو حضرت علیؓ زارو قطار رو رہے تھے، کسی نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو تو فرمایا کہ عمر کی موت پر رو رہا ہوں، عمر کی موت اسلام میں ایک ایسا شگاف ہے جو قیامت تک پُر نہیں کیا جا سکے گا۔

اُدھر خاندانِ نبوت سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہُ کے تعلق اور محبّت کا جو حال تھا اسے بتانے اور سمجھانے کے لئے صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس یمن کے حُلّے آئے جو کہ آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیئے، سب لوگ نئے کپڑے پہن کر مسجد نبوی میں آئے، اس وقت حضرت عمرؓ منبر نبوی اور روضۂ نبوی کے درمیان تشریف فرما تھے، لوگ آتے، سلام کرتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیتے، اتنے میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گھر سے نکلے، ان کے جسم پر وُہ حُلّے نہیں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افسُردہ اور پریشان ہو گئے کسی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو فرمایا، میں ان صاحبزادوں کی وجہ سے مغموم ہوں، آج سَب کے جسم پر نئے حلّے ہیں مگر ان کے جسم پر نہیں

ہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو حلّے میرے پاس آئے تھے ان میں ان کے بدن کے مطابق کوئی حلّہ نہیں تھا، حلّے بڑے تھے اور ان کے قد چھوٹے ہیں۔ اسکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً یمن پیغام بھیجا کہ دو جوڑے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لئے خاص طور پر بھیجے جائیں، چنانچہ وہاں سے جوڑے بھیج دیئے گئے۔ آپ نے ان دونوں کو پہنایا تب آپ کو اطمینان ہوا۔

خلیفہ ثالث کا اعتماد اور تعلّق

خلیفہ ثالث امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ پر بھرپور اعتماد فرماتے تھے وران کا آپس میں بہت قریب کا تعلّق اور برادرانہ محبّت تھی۔

جب باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو گھر کے اندر محصور کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے غلام قنبر اور بیٹے حضرت حسن رضؓ اور حضرت حسین رضؓ ان کے دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے اور باغیوں کے حملے سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور قنبر زخمی بھی ہو گئے تھے، خود حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے باغیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اجازت طلب کی مگر انھوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو لوگوں نے ان سے نماز کی امامت کی درخواست کی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا فرمایا کہ جب امام

گھر میں قید ہے تو میں کیسے نماز پڑھا سکتا ہوں، میں تو اکیلے نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ آپ اکیلے اپنی نماز پڑھ کر واپس تشریف لے آئے۔

جب سخت ناکہ بندی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جو پانی تھا وہ ختم ہو گیا تو انھوں نے مسلمانوں سے پانی طلب کیا، یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو خود پانی کا مشکیزہ لے کر گئے اور بڑی مشقت سے پانی حضرت عثمان رضہ تک پہنچایا۔

میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ خلفاءِ ثلاثہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعلقات اچھے نہ تھے اور آپس میں ایک قسم کا بُعد تھا تو یہ بالکل غلط ہے۔ خلفاءِ ثلاثہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے۔ تمام اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے، ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے اور اِدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ دل سے ان کے خیر خواہ تھے اور ان سے محبت کرتے تھے

خلفاءِ ثلاثہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبّت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ انھوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابوبکر دوسرے کا نام عمر اور تیسرے کا نام عثمان رکھا۔

مخالفین خواہ کچھ بھی ڈھنڈورا پیٹتے رہیں، یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ یہ حضرات "رُحَمَاءُ بینھم" کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

حضرت علی رضہ کی شہادت

گرامی قدر حاضرین! میں پچھلے جمعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت کا، ان کے اخلاق کا، ان کی عظمت کا اور فضیلت کا، ان پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ ثلاثہ کے اعتماد کا بقدر ضرورت

تذکرہ کر چکا ہوں۔ آج کی نشست میں حیدرِ کرار کی شہادت کا واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

دو ضروری باتیں

لیکن واقعۂ شہادت سے پہلے بہت اختصار کے ساتھ دو باتیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جس وقت خلیفہ بنے وہ تاریخ کا انتہائی نازک دور تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب خلیفۂ سابق حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کا واقعہ انتہائی وحشیانہ انداز میں پیش آچکا تھا۔

افواہیں پھیل رہی تھیں

قیاس آرائیاں زوروں پر تھیں

اسلامی معاشرہ ایک خلا سے گذر رہا تھا

خونِ عثمان رضؓ کے قصاص کی آوازیں بڑی شدّت سے اُٹھ رہی تھیں یہ اور یہ آوازیں اٹھانے والے کوئی معمولی لوگ نہیں تھے۔ ان میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے، حضرت زبیر رضؓ تھے، حضرت معاویہ رضؓ تھے، امّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں۔

ان حضرات کے مطالبے کے جواب میں حضرت علی رضؓ کی رائے یہ تھی کہ پہلے حالات درست ہو جائیں، پھر شریعت کے طے کردہ اُصول کے مطابق قصاص لیا جائیگا۔

یہ اختلاف بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ پہلے ۳۶ھ کو بصرہ میں

حضرت علی رضؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جنگ جمل ہوئی جس میں تیرہ ہزار مسلمان شہید ہوئے، اس کے بعد صفّین کے مقام پر حضرت علی رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کے لشکر کے درمیان کئی دن تک شدید ترین جنگ ہوئی اور اس جنگ میں بھی ہزاروں کلمہ گو مسلمانوں کا خون بہہ گیا۔

مسلمانوں کے دو گروہ تو تھے ہی یہاں صفین کے مقام پر ایک تیسرا گروہ بھی پیدا ہو گیا جسے "خوارج" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دونوں گروہوں کو کافر کہتے تھے۔

۲۔ دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ صحابہ کرام رضؓ کی آپس میں جو خونریز جنگیں ہوئیں، ہم ان جنگوں کو ان میں سے ایک فریق کی اجتہادی خطا تو کہہ سکتے ہیں لیکن ان کی وجہ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی صحابی پر سب وشتم کرنا اہل سنّت کے نزدیک روا نہیں،

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب جنگ جمل میں ان کا مقابلہ کرنے والوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا وہ سب مشرک تھے۔

آپ نے فرمایا شرک سے تو وہ فرار اختیار کر چکے تھے۔

تو کیا وہ منافق تھے۔

فرمایا منافق اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں

تو پھر وہ کیا تھے؟

فرمایا: میرے ہی بھائی تھے، میرے خلاف بغاوت کر رہے تھے

اور مزید فرمایا۔ مَیں دعا کرتا ہوں کہ ہم اور وہ سب ان لوگوں میں شامل ہوں جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ

اور جو کچھ ان کے دلوں میں کینہ ہوگا۔ اسے ہم دور کر دیں گے (سب) بھائی بھائی کیطرح رہیں گے آمنے سامنے تختوں پر

جنگ جمل میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں تھے انہیں عمرو بن جرموز نے شہید کیا اور ان کا سر تن سے جدا کر کے حضرت علی المرتضٰے کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچایا۔ اس کو توقع تھی کہ یہ اس کا کارنامہ سمجھا جائیگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے اعزاز و اکرام سے نوازیں گے۔ لیکن جب اس شخص نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو اندر آنے کی اجازت مت دو اور اسے جہنم کی "خوشخبری" سنا دو،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا، وہ بھی تاریخ میں ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے

انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پہرے داروں کی ایک جماعت بھیجی، اور بصرہ کی معزز چالیس خواتین کو ان کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا اور بارہ ہزار درہم کی رقم پیش کی اور رخصت کرنے کے لئے کئی میل تک خود بھی قافلے کے ساتھ چلتے رہے۔

دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار کو سامنے رکھیئے، روم کے بادشاہ نے جب دیکھا کہ معاویہ رض، علی رض کے ساتھ جنگ میں مشغول ہیں تو وہ بڑی فوج کے ساتھ کسی قریبی ملک میں آیا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانا چاہا۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت معاویہ رضؓ نے اس کو لکھا کہ :-

اے لعین !! اللہ کی قسم اگر تم باز نہ آئے تو ہم اور ہمارے چچا زاد بھائی (علی رضؓ) دونوں آپس میں مل جائیں گے

اور تجھے تیرے ملک سے باہر نکال دیں گے اور زمین کو وسعت کے باوجود تجھ پر تنگ کر دیں گے۔ یہ سُن کر رُوم کا بادشاہ ڈر گیا اور اُس نے جنگ بندی کی اپیل کی

یہ حضرات آپس کے اختلافات اور جنگوں کے باوجود ایک دوسرے کے مقام اور مرتبے کو پہچانتے تھے اور کسی حالت میں بھی کافروں کو اپنے ساتھ ملانے یا ان کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔

اسلئے ہمیں ان میں سے کسی پر بھی زبانِ طعن دراز کر کے اپنا ایمان ضائع نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہر اس انسان کا اِحترام کرنا چاہیئے جو صحابیت کے شرف سے مشرّف ہے

ہر اس آنکھ کا اِحترام کرنا چاہیئے جس آنکھ نے ایمان کی حالت میں حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا۔

ہر اس ہاتھ کا اِحترام کرنا چاہیئے جو مدنی آقا صلے اللہ علیہ وسلّم کی حمایت میں بلند ہوا۔

ہر اُس پاؤں کا اِحترام کرنا چاہیئے جو جہاد کی خاطر سرورِ دو عالم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ چلا۔

شہادت

ان دو ضروری باتوں کو جان لینے کے بعد اب آیئے میں آپ کے سامنے دامادِ نبی امیر المؤمنین خلیفۃ المُسلمین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت

کا المناک واقعہ عرض کروں۔

"آپ سن چکے ہیں کہ جنگ صفین کے موقع پر ایک تیسرا گروہ خارجیوں کا پیدا ہو گیا تھا، جن کا مشہور نعرہ تھا " لاحکم الا اللہ" (اللہ کے سوا کسی کا فیصلہ قبول نہیں)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے نعرے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

ھٰذِہٖ کَلِمَۃُ حَقٍّ یُّرَادُ بِھَا بَاطِلٌ یہ ایک حق بات ہے مگر اس سے باطل مطلب مراد لیا جا رہا ہے۔

یہ اپنے آپ کو " الشراہ " کہتے تھے، یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیں۔

حضرت علی رضؓ نے نہروان کے مقام پر ان سے جنگ کی اور ان کو شکست دی اور ان میں خاصی تعداد کو قتل کیا۔ لیکن نہ تو وہ بالکل فنا ہوئے اور نہ ہی ان کا عقیدہ ختم ہوا بلکہ اس شکست کی وجہ سے وہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے اور زیادہ دشمن ہو گئے، اور ان کے قتل کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔

یہ خوارج عجیب و غریب لوگ تھے۔ ایک طرف ان کے زُہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ کھجور کے درخت سے ٹپکا ہوا ایک دانہ بھی اگر مالک کی اجازت کے بغیر منہ میں ڈال لیتے تو یاد آتے ہی فوراً منہ سے نکال کر پھینک دیتے راتوں کو جاگتے اور عبادت کرتے لیکن دوسری طرف ان کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں کا خون بہانے میں بالکل دریغ نہیں کرتے تھے۔ جو ان کا عقیدہ نہ رکھتا اسے فوراً قتل کر دیتے۔

عبدالرحمن بن ملجم جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، جب وہ پکڑا گیا تو لوگوں نے اس کی زبان کاٹنے کا ارادہ کیا تو وہ گبھرا گیا اس سے کہا گیا کہ اب کیوں گبھراتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں قرآن کی تلاوت کر رہا ہوں، اور قرآن کی تلاوت کے بغیر رہنے والا ایسے ہے جیسے مُردار اور مَیں مُردار بن کر رہنا پسند نہیں کرتا

علم وحکمت کا خون

بہرحال انہی خارجیوں میں سے تین افراد اکٹھے ہوئے ان میں سے ایک عبدالرحمٰن بن ملجم تھا۔ دوسرا برک بن عبداللہ التیمی اور تیسرا عمرو بن بکر التیمی ۔ ان تینوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ معاذ اللہ اس وقت کے گمراہوں کے سربراہ تین ہیں (۱) علی (۲) معاویہ (۳) عمرو بن العاص (رضی اللہ عنھم)

ابن ملجم نے کہا، علی رض کو ختم کرنے کی ذمّہ داری میں لیتا ہوں۔

برک نے کہا، معاویہ رض کا صفایا کرنا میرے ذمّہ ہے۔

عمرو بن بکر رض نے کہا: عمرو بن العاص کا سَر اُڑانا میرا کام ہے۔

ان تینوں نے آپس میں قسمیں اُٹھائیں اور پھر زہر میں بجھی ہوئی تلواریں سنبھال کر اپنے اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

رمضان المبارک کی سترہ تاریخ کو ابن ملجم اس دروازے کے چھجّے کے نیچے چھُپ کر بیٹھ گیا، جس سے حضرت علی رض نماز کے لئے نکلا کرتے تھے، جب آپ نمازِ فجر کے لئے نکلے اور لوگوں کو بھی "نماز، نماز" کہہ کر نماز کے لئے بیدار کیا تو ابن ملجم نے سیدنا علی رض کے سَر کے اگلے حصّہ پہ وار کیا، سر کے خون سے داڑھی مبارک رنگین ہو گئی، جب اس نے وار کر

اس وقت بھی اپنی جماعت کا مخصوص نعرہ لگایا

لَا حُکْمَ اِلَّا اللّٰہُ لَیْسَ لَکَ حکومت صرف اللہ کی ہے، علی!

وَلَا صِحَابِکَ یَا عَلِیُّ تمہاری یا تمہارے ساتھیوں کی نہیں۔

حضرت علی رضی نے آواز دی، اس کو پکڑو،

ابن ملجم پکڑا گیا، جب اُسے آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

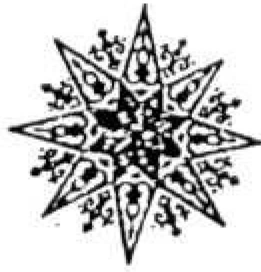
اس کو گرفتار رکھو اور قید میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر میں زندہ رہا تو سوچوں گا کہ کیا کروں معاف کروں یا قصاص لوں، اور اگر میں مَر جاؤں تو ایک جان کا بدلہ ایک ہی جان سے لیا جائے اور اس کا مثلہ نہ کیا جائے، (یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹ کر شکل نہ بگاڑی جائے)

کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی زبان سے جو آخری لفظ نکالے۔ وہ یہ آیت تھی۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝ سو جو کوئی ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جس کسی نے ذرہ بھر بھی بدی کی ہو گی اسے بھی دیکھ لے گا۔

رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی، جمعہ کا مبارک دن تھا، سحر کا وقت تھا جس وقت بدبخت ابن ملجم نے علم و حکمت کا خون کر دیا، زندگی تو شان سے گذاری ہی تھی۔ موت بھی کچھ اس شان سے آئی کہ ہزاروں زندگیاں اس پر نچھاور کی جا سکتی ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن کی زندگی باعثِ شرم ہوتی ہے اور کیسے خوش نصیب ہیں وہ جن کی موت بھی لائق رشک ہوتی ہے۔ موت کو دیکھئے تو شہادت کی موت ہے جو ساری موتوں کی سردار ہے مہینہ دیکھئے تو رمضان المبارک کا جو سارے مہینوں کا سردار ہے۔

دن دیکھیئے تو جمعہ کا جو سارے دنوں کا سردار ہے
وقت دیکھیئے تو سحر کا جو سارے اوقات کا سردار ہے۔
عمل دیکھیئے تو نماز کی تیاری کا جو سارے اعمال کا سردار ہے۔
جانے والے کو دیکھیئے تو علی بن ابی طالب جو سارے صوفیاء کا سردار ہے
اللہ تعالےٰ ہمیں بھی شیرِ خدا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب
فرمائے۔ وما علینا الاّ البلاغ



جنّت اور جنّت میں لیجانے والے اعمال

ان کو رب نے لیا اس دن کی آفت سے بچا
تازہ روئی اور خوش وقتی ہوئی اُن کو عطا
اور ان کو صبر کے بدلے میں جنّت کی عطا
ریشمی پوشاک کا خلعت بھی ان کو دے دیا
اور پاکیزہ شراب ان کو پلائے گا خُدا
اھلِ جنت یہ تمھاری نیکیوں کی جزا

(سورۂ دہر کی آیت نمبر ۱۱، ۱۲، ۲۱، ۲۲ کا منظوم ترجمہ)

"خوشیاں تو انسان کو دنیا میں بھی مل جاتی ہیں، زندگی میں انسان کو کتنی ہی ایسی نعمتیں مہیا ہو جاتی ہیں، جو پیشانی پر خوشی کی جگمگاہٹ اور آنکھوں میں مسرّت کی مسکراہٹ پیدا کر دیتی ہیں لیکن دنیا کی خوشی کا کوئی پھول ایسا نہیں جس کے ساتھ غم کا کوئی کانٹا نہ ہو اور نہیں تو کم از کم ان خوشیوں کے چھن جانے اور ختم ہو جانے کا خوف تو ہر کسی کے دل میں سمایا ہی رہتا ہے پھر ایک دوسرا پہلو بھی سامنے رکھیں وہ یہ کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے، اس کے لئے سر توڑ محنت کرتا ہے، پسینہ بہاتا ہے، راتوں کو جاگتا ہے کسی سے جھڑکی اور کسی سے گالی سنتا ہے، تب جا کر وہ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی کوئی نعمت حاصل کر پاتا ہے مگر جنت کی خوشیوں میں یہ دونوں پہلو نہیں ہونگے وہاں کی ہر خوشی کامل ہو گی اسکے ساتھ خوف اور غم کا کوئی کانٹا نہیں ہو گا۔ وہاں انسان کو جو کچھ ملے گا وہ اللہ تعالٰے کے فضل و کرم کے نتیجہ میں ملے گا۔ ہمیں کسی قسم کی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔"

جنت اور جنت میں لے جانے والے اعمال

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

اے میرے بندو! آج نہ تم کو کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے (ہم ان سے کہیں گے کہ) تم اور تمہاری بیبیاں عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان پر سونے کی رکابیاں اور پیالوں کا دور چلے گا اور جس چیز کو جی چاہے گا، اور جس سے آنکھیں خوش ہوں گی، وہ وہاں موجود ہوں گی اور تم ہمیشہ یہیں رہو گے، یہ جنت کی میراث تم کو اس کے عوض ہے جو تم کرتے رہے، یہاں تمہارے لئے کثرت سے میوے ہیں، جن میں سے تم کھا رہے ہو۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ عزّ وجل (قیامت کے دن) اہل جنت سے

جَلَّ یقولُ لاھلِ الجنّۃِ یا اھلَ الجنّۃِ	فرمائیگا اے جنت والو! تو وہ کہیں گے
فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ رَبَّنا وَسَعْدَیْکَ	اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور بھلائی
وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ فَیَقُوْلُ	تیرے ہاتھوں میں ہے پس اللہ تعالیٰ فرمائے
ھَلْ رَضِیْتُمْ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَا	گا کیا تم راضی ہو؟ تو وہ کہیں گے اے ہمارے
لَنَا لَا نَرْضٰی یَا رَبِّ وَقَدْ	رب! ہم کیوں راضی نہ ہوں جبکہ تو نے
اَعْطَیْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ اَحَدًا	ہم کو وہ کچھ دیا ہے جو اپنی مخلوق میں سے
مِّنْ خَلْقِکَ فَیَقُوْلُ اَ لَا	کسی کو بھی نہیں دیا۔ پھر اللہ فرمائیگا، کیا
اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ	میں تم کو اس سے بھی افضل چیز عطا
ذٰلِکَ فَیَقُوْلُوْنَ یَا رَبِّ	نہ کروں تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے
وَاَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ	پروردگار اس سے بھی افضل چیز کون سی
ذٰلِکَ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ	ہو سکتی ہے۔ پس اللہ تعالےٰ فرمائیگا۔
رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ	میں نے تم پر اپنی رضامندی واجب
بَعْدَہٗ اَبَدًا (مسلم ص۳۷۸ جلد۲)	کردی ہے۔ اب کبھی بھی تم سے ناراض
	نہ ہوں گا۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ط

میرے بزرگو اور دوستو! قیامت کا دن نتیجہ نکلنے کا دن ہے اس دن کسی کی کامیابی کا اعلان ہوگا اور کسی کی ناکامی کا

اس دن کسی کے چہرے پر ذلت کی سیاہی چھائی ہوگی اور کسی کا چہرہ عزت کے نور سے منور ہوگا۔

کسی کو گھسیٹ کر جہنم کے گڑھے میں ڈال دیا جائے گا اور کسی کے لئے باغ رضوان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

قیامت کا دن دار الجزاء ہے وہاں پر کسی کو اس کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

یہ جو ہم ہر نماز میں بلکہ ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جزاء کے دن کا مالک ہے۔ ویسے تو اس دنیا میں بھی مالک وہی ہے لیکن چونکہ اس نے انسان کو تھوڑا سا اختیار دے رکھا ہے، اس لئے یہ نادان سمجھتا ہے کہ مالک کوئی دوسرا نہیں ہے بلکہ میں ہی مالک ہوں ——————— وہ جو مثال مشہور ہے ناں کہ چوہے کی دُم کو تھوڑی سی ہلدی لگ گئی تھی تو وہ اپنے آپ کو پنساری سمجھنے لگ گیا تھا، بس یہی حال انسان کا ہے، تھوڑا سا اختیار اسے کیا ملا، یہ سمجھنے لگا کہ مالک تو بس میں ہی ہوں البتہ ایمان والے جانتے ہیں کہ انسان حقیقی مالک نہیں، حقیقی مالک تو صرف اللہ ہے، انسان بے چارا تو خود مملوک ہے۔ وہ حقیقی مالک جیسے چاہتا ہے اس انسان میں اور پوری کائنات میں تصرُّف کرتا ہے مگر قیامت کے دن بڑے سے بڑے منکر بھی اعتراف کرلیں گے کہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔

اس لئے فرمایا "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنَ" کہ وہ جزاء کے دن کا مالک ہے اس دن ہر کسی کو اس کے ہر عمل کا بدلہ دیا جائیگا

یہ دنیا دار الجزاء نہیں ہے بلکہ یہ دار العمل ہے، یہاں کسی کا بیماری میں یا فقر و فاقہ میں اور تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ اس بندے سے ناراض ہے اور اسی طرح یہاں کسی کو صحت اور تندرستی کی نعمت مل جانا یا مال و دولت اور عزت و شہرت کا حاصل ہوجانا اس بات کی علامت نہیں کہ اللہ تعالےٰ اس سے خوش ہے۔

یہ تو قیامت کے دن کھلے گا کہ کون کامیاب ہوا اور کون ناکام ہوا۔
کس سے باری تعالٰی خوش ہے —— اور کس سے ناراض ہے
جن سے وہ خوش ہوگا اُنہیں اپنے مقدس خطاب سے مشرّف فرماتے ہوئے بشارت سنائے گا۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اے میرے بندو! آج نہ تم کو کوئی خوف
وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ہے اور نہ تم غمگین ہوگے۔

خطاب اور بشارت

کتنا پیارا خطاب ہے اور کیسی عظیم بشارت ہے جو خوف اور غم والے دن ان لوگوں کو سنائی جائیگی۔ جنھوں نے اپنے باطن کو ایمان کے نور سے منور اور اپنے ظاہر کو اسلام کے احکام و اعمال سے جگمگا لیا ہوگا۔

بڑے پیار سے اللہ فرمائیں گے اے میرے بندو!

اے میرے چاہنے والو!

اے میری چاہت پر ساری چاہتیں قربان کر دینے والو!

اے میرے احکام کے تقاضوں کے مقابلے میں نفس کے تقاضوں کو دبا لینے والو!

آج جب کہ ہر کوئی خوفزدہ ہے، ہر کوئی پریشان ہے، ہر کوئی اپنی زندگی ضائع کرنے پر حسرتوں اور ندامتوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ آج تمھیں نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی غم ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ خوف ہوتا ہے مآٰت کا اور غم ہوتا ہے مافات کا۔
یعنی خوف ہوتا ہے آگے پیش آنے والے حالات کا اور غم ہوتا ہے، ہاتھ سے چلی جانے والی چیز کا۔

اللہ کے نافرمانوں کو اس دن خوف بھی ہوگا اور غم بھی ہوگا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہیں گے کہ آج ہمیں ہماری بد اعمالیوں اور فسق وفجور کی نہ معلوم کیسی سخت سزا دی جائے گی اور ساتھ ہی ساتھ وہ زندگی کے قیمتی لمحات فضول کاموں میں ضائع کرنے پر پچھتا بھی رہے ہوں گے۔

مگر سچے مؤمنوں اور مخلص مسلمانوں کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ان کا مستقبل بھی محفوظ ہوگا اور انہیں ماضی پر بھی کوئی ندامت اور شرمندگی نہیں ہوگی۔ انہیں اللہ خود حکم دے گا کہ باعزت طریقے سے ان باغوں میں داخل ہو جاؤ، جو خاص طور پر میں نے تمہارے ہی لئے تیار کئے ہیں۔

تم دنیا میں صرف میرے ڈر سے نفس کی خواہشات اور جذبات کو دباتے رہے آج میں تم کو وہ سب کچھ دوں گا جو تمہارے جی میں آئے گا۔ وہ سب کچھ عطا کر دوں گا جو تمہارا نفس چاہے گا۔

مانگنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس جس چیز کا خیال تمہارے دل میں پیدا ہوگا اور جس نعمت سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی وہ حاضر کر دی جائیگی۔

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ — جس چیز کو جی چاہے گا اور جس سے آنکھیں

وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ — خوش ہوں گی وہ وہاں موجود ہوگی۔

مختصر الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ جو دنیا میں خدا چاہی زندگی گذار کر گیا ہوگا۔ وہ وہاں من چاہی زندگی گذارے گا۔ جو من میں آئے گا وہ ملے گا، جو جی چاہے گا وہ سامنے موجود ہوگا۔

ایک لطیفہ

خطیبِ ایشیا سیّد عطاءُ اللہ شاہ بخاری نوّر اللہ مرقدہٗ نے ایک بار جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے یہی بات اپنے مخصوص خطیبانہ انداز میں بیان فرمائی کہ جنّت میں اہلِ

جنّت جو مانگیں گے وہ ملے گا جو چاہیں گے حاضر کر دیا جائے گا تو ایک سیدھے سادے دیہاتی نے سوال کیا۔ حضرت آپ فرماتے ہیں۔ جنت میں ہر چاہت پوری کی جائے گی۔ تو میں حقّے کا عادی ہوں، میرا اس کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا تو اگر میرے دل میں حقّے کا کش لگانے کی خواہش پیدا ہوئی تو کیا مجھے حقہ دیا جائے گا؟

شاہصاحبؒ نے جواب دیا، کیوں نہیں باجی آپ کو حقہ ضرور دیا جائیگا مگر اس کے لئے آگ آپ کو جہنم سے جاکر لانی پڑے گی،

شاہ صاحب کے اس ظریفانہ جواب پر پورا مجمع کشتِ زعفران بن گیا۔

حضرت بخاری رحمۃُ اللہ علیہ کی بھی کیا بات تھی! ایسا جواب دیتے تھے کہ بڑوں بڑوں کا ناطقہ بند کر دیتے تھے۔

ایک وکیل صاحب کو مولویوں کا مذاق اُڑانے میں بڑا لطف آتا تھا جیسا کہ کئی ایک ماڈرن حضرات کا یہی حال ہے کہ وہ بات بات میں علماء کا ان کی شکل وصورت کا، ان کے زہد و تقوٰی کا اور ان کے عقائد و افکار کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں ———— تو ان وکیل صاحب نے رمضان کے مبارک مہینے میں حضرت شاہ صاحب سے سوال کیا کہ شاہ جی آپ مولوی لوگ تاویل کرنے کے بڑے ماہر ہوتے ہیں تو کوئی ایسی تاویل بتایئے کہ انسان کھاتا پیتا بھی رہے اور روزہ بھی نہ ٹوٹے۔

حضرت شاہصاحبؒ نے وکیل صاحب کی انتہائی لغویات بڑے تحمّل سے سُنی اور جواب دیا۔

جناب بہت ہی آسان حل ہے آپ کسی کو جوتے مارنے کے لئے

کہیں۔آپ جوتے کھاتے رہیں اور غصہ پیتے رہیں، روزے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا (اس ٹانک میں ایک اضافی فائدہ یہ ہے کہ دماغ بھی سیدھا ہو جائیگا)

یہ تو حضرت خطیبُ العصر نور اللہ مرقدہٗ کی ظریفانہ باتیں تھیں ورنہ عرض یہ کر رہا تھا کہ اہل جنت کی ہر خواہش، ہر چاہت، ہر تمنا اور ہر آرزو پوری کی جائے گی۔

اہل جنت کی خصوصیت

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اہل جنت کی خصوصیت ہے کہ ان کی ہر خواہش پوری کی جائے گی ورنہ آپ دنیا میں دیکھیں کہ انسان کے سینے میں چاہتوں اور آرزوؤں کی ایک لامحدود دنیا آباد ہے، لیکن کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کی ہر چاہت پوری ہو جائے۔

دولت وثروت کے باوجود

عہدہ اور اقتدار کے باوجود

تعلقات کے باوجود

علم وہنر کے باوجود

انسان کی بہت ساری خواہشیں ناآسودہ رہ جاتی ہیں اور اس کے سینکڑوں خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پاتے۔

لیکن جنتی وہ خوش قسمت انسان ہوگا جس کی ہر آرزو پوری کی جائے گی

سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي	اور تمہارے لئے جنت میں وہ ہے جو
أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا	تمہارے دل چاہیں اور تمہارے لئے اس

تَدَّعُوْنَ ٥ میں وہ ہے جو تم مانگو۔

بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے بندے سے خود کہے گا کہ آج تم اپنے دل میں آرزوئیں پیدا کرو، میں تمہاری آرزوئیں پوری کردوں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

"جنت میں جو سب سے کم رُتبے والا ہوگا اس کی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ اللہ تعالے اس سے فرمائے گا کہ تم اپنی انتہائی آرزو کا خیال دل میں پیدا کرو، وہ کرے گا تو اللہ تعالے فرمائیگا۔ تمہیں وہ سب کچھ دیا گیا جس کی تم نے آرزو کی تھی اور اس کے برابر مزید بھی (مسلم شریف)

بعض لوگوں کو بازار کا شوق ہوگا (کہ بازار لگے تو ہم اس میں خرید و فروخت کریں) تو بازار بھی لگے گا لیکن وہاں حقیقی خرید وفروخت نہیں ہوگی کیونکہ وہاں کس چیز کی کمی ہے بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہو گی (ترمذی شریف)

کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہوگا تو اس کا یہ شوق بھی پورا کردیا جائیگا لیکن کھیتی کے پکنے میں مہینے اور سال نہیں لگیں گے، بلکہ دانہ اگنے سے لے کر کھیتی کے کٹنے تک سب کام لمحوں میں ہوجائے گا۔ (صحیح بخاری)

ایک بدوی نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کیا

وہاں گھوڑے بھی ہوں گے ؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو جنّت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ سرخ یاقوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جنت میں جہاں چاہو لئے پھرے تو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ یارسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُونٹ بھی ہوگا ؟ آپ نے فرمایا، اگر تم جنّت میں گئے تو تمہارے لئے وہ سَب کچھ ہوگا جو تمہارا دل چاہے گا اور جو تمہاری آنکھیں پسند کریں گی۔

کامل خوشی

خوشیاں تو انسان کو دنیا میں بھی مِل جاتی ہیں، زندگی میں انسان کو کتنی ہی ایسی نعمتیں مہیّا ہو جاتی ہیں، جو پیشانی پر خوشی کی جگمگاہٹ اور آنکھوں میں مسرّت کی مسکراہٹ پیدا کر دیتی ہیں

شادی بیاہ ہے، اولاد کا پیدا ہونا ہے، عزیزوں سے ملاقات ہے، کاروبار میں ترقی ہے، پوتوں اور نواسوں کی کلکاریاں ہیں ـــــــــ

یہ سارے مواقع انسان کو خوشیاں عطا کرتے ہیں لیکن دنیا کی خوشی کا کوئی پھُول ایسا نہیں، جس کے ساتھ غم کا کوئی کانٹا نہ ہو، اور نہیں تو کم از کم ان خوشیوں کے چھِن جانے اور ختم ہو جانے کا خوف تو ہر کسی کے دل میں سمایا ہی رہتا ہے،

مثلاً کسی نے شادی کی، اول تو شادی کے اخراجات ہی کمر توڑ دیتے ہیں

پھر ہو سکتا ہے کہ دونوں کی طبیعت میں موافقت نہ ہو یا دونوں کے خاندان میں اَن بَن ہو جائے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک بیمار ہو جائے۔

طلاق تک بھی نوبت پہنچ سکتی ہے۔

کسی ایک کا انتقال بھی ہو سکتا ہے۔

ان سارے اِحتمالات کی موجودگی میں ہم اِس خوشی کو کامل خوشی نہیں کہہ سکتے

پھر ایک دوسرا پہلو بھی سامنے رکھیں وہ یہ کہ انسان اس دنیا میں جو کچھ حاصل کرتا ہے، اس کے لئے سر توڑ محنت کرتا ہے، پسینہ بہاتا ہے، راتوں کو جاگتا ہے، کسی سے جھڑکی اور کسی سے گالی سنتا ہے، تب جاکر وہ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی کوئی نعمت حاصل کر پاتا ہے مگر جنت کی خوشیوں میں یہ دونوں پہلو نہیں ہوں گے، وہاں کی ہر خوشی کامل ہوگی، اس کے ساتھ خوف اور غم کا کوئی کانٹا نہیں ہوگا

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝	نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وہاں انسان کو جو کچھ ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے نتیجے میں ملے گا، ہمیں کسی قسم کی مشقّت نہیں اٹھانی پڑے گی، جنتی وہاں کی راحتیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ترانے گاتے پھریں گے سورۃ فاطر میں ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ	رہنے کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے ان میں وہ سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ان میں ریشم ہوگی اور وہ کہیں گے پاک ہے وہ جس نے ہم سے غم دُور کر دیا، بیشک ہمارا پروردگار گناہوں کا معاف کرنے والا ہے اور نیکیوں کی قدر کرنے والا ہے، اور جس نے ہم کو اپنی مہربانی سے رہنے

وَلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ہ   کے گھر میں اُتارا اور ہم کو وہاں نہ مشقت پہنچی اور نہ اس میں ہم کو تھکنا ہے۔

جنت کی نعمتوں کے حصول میں اہلِ جنت کو نہ مشقت اُٹھانی پڑے گی نہ محنت کرنی ہوگی نہ طعنہ نہ جھڑکی نہ گالی، نہ خون پسینہ بہانے کی ضرورت نہ راتوں کو جاگنے کی حاجت

وہ نعمتیں زحمت اور نجاست کے ہر پہلو سے پاک ہوں گی

یہاں یہ حال ہے کہ اچھے سے اچھا خوشبودار مشروب پیا مگر پیٹ سے بدبودار پیشاب بن کر نکلتا ہے۔

بہترین پکی ہوئی غذائیں سڑا ہوا فُضلہ بن جاتی ہیں۔

زیادہ کھالیں تو کھٹے ڈکار، بدہضمی، پیٹ کی خرابی اور طرح طرح کی بیماریاں لگ جاتی ہیں، مگر جنت کی نعمتوں میں ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہوگی۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"کہ اہل جنت کھائیں گے اور پئیں گے لیکن نہ تھوکیں گے، نہ وہاں بول و براز کی حاجت ہوگی، نہ ناک سے رطوبت نکلے گی، نہ بلغم نہ کوئی آلائش۔ کھانا ایک ڈکار میں ہضم ہو جائے گا، وہاں کے پسینہ میں مشک کی خوشبو ہوگی، جو جنت میں داخل ہوگا اسے ایسی نعمت ملے گی کہ پھر کبھی تکلیف نہیں ہوگی نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ان کی جوانی زائل ہوگی، وہاں غیب کا منادی پکار کر کہہ دیگا۔

یہاں وہ تندرستی ہے کہ بیمار نہ پڑو گے

وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہیں آئے گی

وہ جوانی ہے کہ پھر بوڑھے نہ ہو گے۔

وہ آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پاؤ گے۔

لوگوں کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے مطابق چمکیں گے کوئی ستارے کیطرح اور کوئی چودھویں کے چاند کیطرح۔ (صحیح مسلم)

راحت ہی راحت

غرضیکہ وہاں راحت ہی راحت ہو گی، عیش ہی عیش ہو گی، آرام ہی آرام ہو گا۔ وہ جو کسی نے جنت کی تعریف کی ہے کہ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را باکسے کارے نہ باشد

بہشت وہ جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو، کسی کو کسی کے ساتھ کوئی سروکار نہ ہو۔

جنت میں نہ کوئی تکلیف ہو گی نہ غم ہو گا، نہ نکلنے کا ڈر، نہ نعمتوں کے ختم ہونے کا اندیشہ۔ سورۂ حجر میں ہے:

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ — نہ اس میں انہیں کوئی تکلیف چھوئے گی اور نہ وہ اس سے باہر نکالے جائیں گے
وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ

کسی قسم کی بے ہودہ اور جھوٹی گفتگو اور گالی گلوچ وہاں سننا نہیں پڑے گا۔ سورۂ واقعہ میں ہے:

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا — وہ اس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گناہ کی۔
وَلَا تَأْثِيمًا

وہاں نہ گرمیوں کی تپش ستائے گی اور نہ ہی سرد ہواؤں کے تھپیڑے

پریشان کریں گے۔ سورۂ دہر میں ہے:۔

لَا یَرَوْنَ فِیْھَا شَمْسًا وَّلَا زَمْھَرِیْرًا ۝ نہ اس میں سورج (کی تپش) دیکھیں گے اور نہ کڑاکے کی سردی

جنّت کی نعمتیں

غرضیکہ جنت میں کوئی دکھ نہ ہوگا، کوئی پریشانی نہ ہوگی، کوئی بیماری نہ ہوگی نعمتوں اور سامانِ راحت کی فراوانی ہوگی۔ ایسی ایسی نعمتیں جنت میں مہیّا ہوں گی جن کا اس دنیا میں انسان شاید تصور نہ کر سکے۔

وہاں پاکیزہ اور صاف ستھرے مکان ہوں گے۔

وَمَسَاکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ (سُورۂ توبۃ) اور رہنے کے باغوں میں صاف ستھرے مکانات

وہاں تخت ہوں گے جن پر اہلِ جنّت اپنی بیویوں کے ساتھ بیٹھ کر خوش گپیاں کریں گے۔ سورہ یٰسٓ میں ہے:

ھُمْ وَاَزْوَاجُھُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَی الْاَرَائِکِ مُتَّکِئُوْنَ ۝ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے۔

سورہ صافات میں ہے:

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے ہوں گے)

اہلِ جنت ایسے بالاخانوں میں ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ سورۃ النحل میں ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّھُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کئے ہم انہیں ضرور ہی جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے۔ ان کے

ماکولات و مشروبات

نیچے نہریں جاری ہوں گی صرف پانی کی نہریں نہیں ہوں گی بلکہ پانی کے ساتھ ساتھ دودھ کی، شراب کی اور شہد کی بھی نہریں ہوں گی۔ سورہ محمد میں ہے

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی (سورۂ محمد)

اس جنت کی صفت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جس میں بدبو نہیں ہے اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ بدلا ہوا نہیں ہے اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کو لذت دینے والی ہیں اور صاف کئے ہوئے شہد کی نہریں ہیں۔

اہل جنت کو پینے کے لئے شراب پیش کی جائے گی مگر اس شراب کی لذّت اور تاثیر دنیا کی شراب سے بالکل مختلف ہوگی۔ دنیا میں لوگ شراب پی کر بہک جاتے ہیں۔ اپنے آپ سے باہر ہو جاتے ہیں، کسی کو دیکھیں تو نشہ پی کر گندے نالے کے کنارے پڑا ہوتا ہے اور مکھیاں بھنبھنا رہی ہوتی ہیں، آنے جانے والے ٹھوکریں مارتے ہیں مگر کسی چیز کا ہوش نہیں ہوتا بعض لوگوں پر شراب پی کر ایسی مستی طاری ہوتی ہے کہ محرمات تک سے دست درازی کرنے لگتے ہیں، ہم نے ایسے ایسے واقعات بھی سنے اور پڑھے ہیں کہ شرابیوں نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں تک سے منہ کالا کیا۔ لیکن جنت کی شراب کے پینے سے نہ کوئی بہکے گا نہ اپنے آپ سے باہر ہوگا۔

بندہوش ہوگا نہ خمار ہوگا، نہ سر درد ہوگا۔ جنت کی شراب ہر قسم کے بُرے اثرات سے پاک ہوگی۔ اگرچہ وہاں کسی قسم کی ملاوٹ کا اندیشہ نہیں اسکے باوجود وہاں کی شراب مہر بند ہوگی، سورۂ مطففین میں ہے :۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ — انہیں مہر لگی ہوئی شراب پلائی جائے گی جس کی مہر مشک ہوگی اور اس میں حرص کرنا چاہیئے حرص کرنے والوں کو۔

سورہ صافات میں ہے :۔

لَا فِيهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ — نہ اس (شراب) میں خرابی ہے اور نہ وہ اس سے بیہودہ بکیں گے۔

وہاں کھانے کے لئے ہر قسم کے میوہ جات ہوں گے، کھجوریں بھی ہوں گی، انار بھی ہوں گے، کیلے بھی ہوں گے، وہاں کے پھلوں کا ذائقہ اور لذت دنیا کے پھلوں سے مختلف ہوگی۔ اہل جنت جونسا پھل پسند کریں گے فوراً اُن کی خدمت میں پیش کر دیا جائیگا۔

سورۂ واقعہ میں ہے :۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝ — اور میوے جس قسم کے وہ پسند کریں گے۔

اہل جنت کو ریشم کا لباس اور سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے

سورۂ حج میں ہے :۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيْرٌ ۝ — وہ اس میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔

حور و غلمان

جنت والوں کی بیویوں کا حسن ایسا ہوگا

کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جا سکتی، پھر دنیا میں عورت کتنی بھی حسین کیوں نہ ہو۔ وہ نسوانی امراض اور بشری کمزوریوں سے پاک نہیں ہو سکتی، کبھی حیض ہے، کبھی نفاس ہے، کبھی سر درد ہے، کبھی نزلہ کھانسی ہے اور کبھی بخار ہے، لیکن جنت میں دی جانے والی حوریں ہر قسم کی بیماری اور نجاست سے پاک ہوں گی، ان کا ظاہر بھی پاک ہوگا اور باطن بھی پاک ہوگا۔ ان کے دل میں اپنے شوہر کے سوا کسی کی محبت نہیں ہوگی، انہیں کسی دوسرے نے ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا، ان کے حسن کی تابانی موتیوں کو شرما رہی ہوگی۔ سورۂ رحمٰن میں ہے:۔

فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝	ان (جنتوں) میں نظر نیچی رکھنے والی ہیں ان سے پہلے ان کے نزدیک نہ کوئی انسان ہوا ہے اور نہ کوئی جن، پس اے جنو اور انسانو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت جھٹلاؤ گے گویا وہ یاقوت اور مونگے ہیں،

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب سے بہتر ہے اور اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت زمین کیطرف جھانک لے، تو ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) کے درمیان کا حصہ سب روشن ہو جائے اور ان دونوں کے درمیان خوشبو مہک

جائے اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب سے بہتر ہے"۔

خدمت اور چاکری کے لئے وہاں ایسے خوبرو اور مستعد لڑکے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، سورۂ دہر میں ہے :۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ	اور ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے
مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ	گشت کرتے ہوں گے جب تو اُنہیں دیکھے
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا	گا تو انہیں بکھرے ہوئے موتی خیال کریگا

دارُالسلام

جنت کی نعمتوں میں سے ایک خاص نعمت جس کا ذکر ربّ کریم نے قرآن کریم میں کیا ہے وہ یہ کہ وہاں امن ہو گا اور سلامتی ہو گی۔

امن اور سلامتی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور بدامنی اور خوف اس کا بہت بڑا عذاب ہے

اہلِ جنت کو حکم ہو گا :۔

اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ ٥	اس (جنت) میں سلامتی سے امن کے
(سورۂ حجر)	ساتھ داخل ہو جاؤ۔

جنت میں ہر طرف سے سَلام سلام کی آوازیں آ رہی ہوں گی، ربُّ العالمین خود اُنہیں سلام کہلائے گا۔ سورہ یٰسین میں ہے :

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ	(انہیں) پروردگار مہربان کیطرف سے
(سورۂ یٰسین)	سَلام کہا جائے گا۔

فرشتے جنت والوں کو سَلام کہنے کے لئے حاضر ہوں گے۔ سورۂ رَعد میں ہے :۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ	اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے
عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝	داخل ہوں گے اور (کہیں گے کہ) تم
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ	پر سلام ہو اس لئے کہ تم نے صبر کیا تھا
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝	سو آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے

اعراف والے بھی جنتیوں کو سلام کہیں گے۔ سورۂ اعراف میں ہے

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ	وہ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا	سلام ہو وہ اس (جنت) میں داخل
وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝	نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ امید رکھتے
(سورۂ اعراف)	ہوں گے۔

خود جنتی بھی آپس میں ملیں گے تو ایک دوسرے کو سلام کہیں گے۔ سورۂ یونس میں ہے :-

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ	اس میں ان کا قول ہو گا کہ اے اللہ
اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا	تو پاک ہے اور اس میں ان کی دُعاء
سَلٰمٌ ط	سلام ہو گی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ السلام علیکم کہنا اہلِ جنت کا شیوہ ہے افسوس ہے کہ آجکل کئی مسلمان بھی السلام علیکم کہتے ہوئے شرماتے ہیں۔

کوئی صبح بخیر کہہ رہا ہے

کوئی گڈ مارننگ کہتا ہے۔

کوئی ویسے ہی ہندؤوں کیطرح "نمستے" کے انداز میں دُور ہی سے ہاتھ جوڑنا شروع کر دیتا ہے۔

کوئی سر جھکا کر لکھنوی انداز میں آداب کہہ کر اپنے مہذّب

ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر یاد رکھیئے کہ اسلام نے صرف "السّلام علیکم" کہنے کی تلقین کی ہے۔ یہ محبّت کا اظہار بھی ہے اور ایک دوسرے کے لئے سلامتی کی دُعا بھی، سلام کرنے سے اجر و ثواب ملتا ہے اور معاشرے میں امن و سکون کا دَور دَورہ ہو جاتا ہے،

جنّت کے چند مزید نام

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جنت میں امن اور سلامتی ہوگی، اور ہر طرف سے سلام، سَلام کی آوازیں آئیں گی، اسی لئے جنت کا ایک نام قرآن کریم میں "دارالسلام" بھی آیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی جنت کے کئی نام قرآن کریم میں آئے ہیں۔

اسے جنۃ النعیم بھی کہا گیا ہے یعنی نعمتوں کا باغ کیوں کہ وہاں ہر طرح کی نعمتیں میسّر ہوں گی۔

اس کا نام جنّۃ الخلد بھی ہے یعنی ہمیشگی کا باغ، کیونکہ وہاں کی ہر چیز دائمی ہوگی۔

اسے دارالمقامۃ بھی کہا گیا ہے یعنی قیام کا گھر کیونکہ اصل قیام تو وہیں ہوگا۔ دنیا میں تو مؤمن کا قیام عارضی ہے۔

وہ جنّت عدن بھی ہے، جنّت المأوی بھی ہے، فردوس بھی ہے، روضہ بھی ہے۔ اس کے بہت سارے نام ہیں اور ہر نام اسی ایک مرکزی نکتے کو ثابت کرتا ہے کہ وہاں ہر نعمت اور ہر خوشی میسّر ہوگی اور ان نعمتوں اور خوشیوں کو زوال نہیں ہوگا۔

سب سے بڑی نعمت

یوں تو جنت کی ہر نعمت ایسی ہوگی کہ دنیا میں اس کی کوئی

مثال پیش نہیں کی جا سکتی، لیکن ایک نعمت ایسی ہوگی کہ خود جنت میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں ہوگی۔

نہ حور و غلمان اس کا مقابلہ کر سکیں گے۔

نہ دودھ اور شہد کی نہریں اس کا مقابلہ کر سکیں گی۔

نہ ماکولات اور فواکہ اس کا مقابلہ کر سکیں گے۔

اور وہ نعمت ہوگی اللہ کی رضامندی

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ اَكْبَرُ۔ اللہ تعالےٰ کیطرف سے رضامندی بڑی چیز ہے۔ (سورۂ توبہ)

جب اللہ تعالےٰ خود فرمائیں گے کہ میں تم سے راضی ہوں تو وہ لمحہ مؤمنوں کے لئے حسین ترین لمحہ ہوگا۔

رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی

دنیا میں بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کو ہر وقت خوف رہتا ہے، کہ کہیں ہم سے کوئی ایسی حرکت نہ سرزد ہو جائے، جس سے سارے کئے کرائے پہ پانی پھر جائے اور وہ کائنات کا بادشاہ ہم سے روٹھ جائے کیونکہ سچی محبّت کرنے والوں کے دل و دماغ پر ہمیشہ یہ خیال چھایا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

لیکن جنت میں جانے کے بعد یہ وسوسہ اور خیال ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیگا، اس دن اللہ اپنے بندوں کو اپنی رضامندی کی لازوال دولت عطا فرمائے گا اور ان سے پھر کبھی ناراض نہیں ہوگا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حدیث ہے، رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اہلِ جنت کو آواز دیگا کہ اے جنت والو! وہ جواب دیں گے اے اللہ! ہم حاضر ہیں۔ سب بھلائیاں تیرے پاس ہیں، اللہ تعالےٰ فرمائے گا کیا آج تم (جنت کی نعمتیں پاکر) خوش ہوئے ہو؟ وہ عرض کریں گے، ہم کیوں خوش نہ ہوں تو نے ہم کو وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا، اللہ فرمائے گا۔ کہ کیا مَیں تم کو وہ چیز نہ دوں جو ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے؟ وہ کہیں گے اے پروردگار! ان سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے اللہ تعالےٰ فرمائے گا (وہ سب سے بڑی نعمت یہ ہے) کہ مَیں تم پر اپنی رضامندی اور خوشی اُتار دوں، پھر اس کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔

مقامِ قرب

اس کے بعد اہلِ جنت کو مقامِ قرب حاصل ہوگا اور وہ جنت کی سب سے آخری نعمت سے سرفراز ہوں گے۔ یعنی وہ اللہ تعالےٰ کی تجلی کا نظارہ کریں گے۔

آج ہم میں سے کوئی۔ بیداری کی حالت میں اس تجلّی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ عام لوگوں کو تو چھوڑیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیلُ القدر نبی نے بھی اس تجلّی کے نظّارہ کی درخواست کی تو صاف کہہ دیا گیا کہ اے موسیٰ ع! تم اس نظارے کی تاب نہیں رکھتے، لیکن قیامت کے دن آنکھوں میں ایسی طاقت دے دی جائے گی کہ اس نورِ مطلق کا نظارہ کیا جاسکے گا۔ سورۂ قیامہ میں ہے:-

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ کتنے چہرے اس دن تروتازہ اور اپنے پروردگار کیطرف دیکھ رہے ہوں گے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت جریر بن عبدُ اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ اپنے پروردگار کو صاف

صاف دیکھو گے، ایک روایت میں آتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں بھیڑ بھاڑ نہ کرو گے۔

اشکالات

میرے بزرگو اور دوستو! تفصیل کا موقع نہیں میں نے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کتاب و سنّت کی روشنی میں کر دیا ہے۔ آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ بہت سے ذہنوں میں جنت کے بارے میں اشکالات پیدا ہوتے ہیں۔

کئی سائنسدان اور پڑھے لکھے جاہل کہتے ہیں کہ ہم نے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا ہے، جنگلوں میں گئے ہیں، سمندروں کا سفر کیا ہے۔ پہاڑوں کا نظارہ کیا ہے، ہمیں تو کہیں بھی جنت اور دوزخ دکھائی نہیں دی۔

آپ ان سائنسدانوں سے پوچھئے کیا آپ نے ساری کائنات دیکھ لی ہے؟ کیا آپ نے سمندروں کی گہرائیوں اور فضا کی وسعتوں کا پوری طرح مشاہدہ کر لیا ہے؟

کیا آپ نے تمام سیّاروں کی سیر کر لی ہے؟

یہ بات سائنسدان ہی بتاتے ہیں کہ یہ کائنات پانچ سو ملین کہکشاؤں پر مشتمل ہے۔ ایک ملین دس لاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں کروڑوں کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش سیّارے پائے جاتے ہیں، گویا اربوں کھربوں سیّارے ہیں اور انسان نے تو ابھی زمین سے باہر صرف چاند پر قدم رکھا ہے اور چاند کو بھی انسان پوری طرح دیکھ نہیں پایا۔ وہاں جاتا ہے اور تحقیق کے لئے کچھ ٹکڑے

لے کر بھاگ آتا ہے۔

ذرا اِس کمزور انسان کے ناقص علم اور ناقص مشاہدے کو دیکھیں اور پھر اس کے دعووں کے پہاڑ کو دیکھیں، کہتا ہے مَیں نے کائنات کا کونہ کونہ چھان مارا ہے، مجھے کہیں جنت اور دوزخ دکھائی نہیں دی۔

ارے ظالم! اربوں کھربوں سیاروں میں سے صرف ایک سیّارے پر تُو نے ادھورا سا قدم رکھا ہے اور دعوے یہ کر رہا ہے کہ میں نے خدا کی ساری خدائی دیکھ لی ہے۔

کتنا جھوٹا ہے تو اور کیسے بے بنیاد دعوے کرتا ہے تو!

اپنے اوپر قیاس

بعض لوگ وہ ہیں جو معاذ اللہ، مالک کائنات کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں وہ بیچارے سمجھتے ہیں کہ ہمیں خالص شہد کی ایک بوتل نہیں ملتی۔ جنت میں شہد کی نہر کہاں سے آئے گی۔

ہم تو چند کلو خالص دودھ کے لئے ترس جاتے ہیں وہاں دودھ کی نہریں کیسے بہیں گی۔

یہاں چند تولے سونا بڑی مشکل سے ملتا ہے وہاں سونے چاندی اور موتیوں کے مکانات کیسے بن جائیں گے۔

ان نادانوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے وہ شکم مادر ہی کو اپنی کائنات اور عیش و راحت کی جگہ سمجھتا ہے، اُسے اگر بتایا جائے کہ جب تم یہاں سے باہر نکلو گے تو ایک وسیع و عریض دنیا تمھیں دیکھنے کو ملے گی، جہاں لمبے چوڑے بازار اور سڑکیں ہوں گی، فلک بوس عمارتیں ہوں گی۔

گاڑیاں، ہوائی جہاز اور ٹرک ہوں گے۔

پھلوں اور پھولوں سے لدے پھندے باغات ہوں گے۔ تو وہ ان معلومات کے فراہم کرنے والے کو پاگل اور بے وقوف قرار دے گا اور صاف کہہ دے گا کہ ایسا ہونا بالکل ناممکن ہے، جو کچھ ہے وہ یہی پیٹ ہے اور خورد و نوش کا سامان بس وہی ہے جو یہاں میسّر ہے۔

یا ان کی مثال کنوئیں کے اس مینڈک کی سی ہے جو کنوئیں ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور کنوئیں سے باہر کی دنیا کا انکار کرتا ہے۔

ارے اللہ کے بندو! اللہ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو، اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں، اسکے خزانوں کا کوئی شمار نہیں،

جس دنیا میں تم رہتے ہو ایسی اربوں کھربوں دنیائیں وہ پیدا کر سکتا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے پیدا کی ہوئی ہیں۔ مگر انسان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ان دنیاؤں کا اب تک مشاہدہ نہیں کر سکا۔

میرے بزرگو اور دوستو! کافر اور مشرک اشکال کرتے ہیں تو کرتے رہیں، ہم تو مسلمان ہیں، ہمیں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک خبر پر ایک ایک بات پر ایک ایک وعدے پر ایک ایک وعید پر سچا یقین ہونا چاہیئے اور اس یقین کا تقاضا ہے کہ ہم وہ راستہ اختیار کریں جو جنت کی طرف جاتا ہے۔

ہم وہ اعمال کریں جو جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

انشاء اللہ آئندہ نشست میں آپ کے سامنے وہ اعمال ذکر کئے جائیں گے، جو جنت میں لے جانے والے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ جن لوگوں کو جنت کا اور جنت میں لے جانے والے اعمال کا یقین تھا ان کا کیا حال تھا۔

جنت میں لے جانے والے اعمال

پچھلے جمعہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ حضرات کی خدمت میں جنت میں لے جانے والے اعمال کا تذکرہ کیا جائیگا چنانچہ آج کی نشست میں انتہائی اختصار کے ساتھ ایسے چند اعمال ذکر کئے جا رہے ہیں جو ہمیں جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

میں صرف چند اعمال کے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔ ورنہ حقیقت میں ایسے اعمال سینکڑوں ہیں جو ہمیں جنت کا حقدار بنا سکتے ہیں۔

اصل بات تو وہ ہے جو ایک فارسی محاورہ میں کہی گئی ہے کہ ؎

رحمتِ خدا بہانہ مے جوید و بہانمے جوید۔

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے، مال و دولت تلاش نہیں کرتی، اس کی رحمت بے پایاں کا اندازہ کیجئے کہ راستہ سے پتھر ہٹا دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

کوئی مناسب بات کہہ کر دو روٹھے ہوئے بھائیوں کی آپس میں صلح کرا دی جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

اس کے عذاب کے خوف سے آنسوؤں کے دو قطرے بہا دیئے جائیں تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

اہلُ اللہ سے محبت کی جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

کسی بھوکے انسان کو کھانا کھلا دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

یہاں تک کہ اگر پیاسے کتے کو پانی پلا دیا جائے تو بھی وہ خوش ہو جاتا ہے

کتنے ہی نیکی کے چھوٹے چھوٹے کام ہیں جنھیں ہم شاید کچھ اہمیت نہ دیتے ہوں لیکن وہ اللہ تعالے کی رضا اور ہمیں جنت میں لے جانے والے

بن سکتے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :-

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھو۔

تو ایسے اعمال تو بے شمار ہیں جن سے اللہ خوش ہوتا ہے اور جن کیوجہ سے انسان جنت میں جانے کا حقدار ہو جاتا ہے مگر وقت کی قلت کے پیشِ نظر میں ان میں سے محض چند اعمال کے ذکر کرنے پر اکتفاء کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ان اعمال کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایمان اور عمل صالح

قرآنِ کریم میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا گیا ہے وہ ایمان اور عمل صالح ہے

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کو خوشخبری سُنا دیجیئے کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

سورہ مومنون میں ہے :-

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

پھر جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کئے، ان کے لئے بخشش ہے، اور عزت کی روزی،

ایمان اصل ہے اور عمل صالح اس کی فرع ہے۔

ایمان جڑ ہے اور اعمالِ صالحہ اس درخت کی شاخیں اور پھل اور پھول ہیں

ایمان بنیاد ہے اور عمل صالح اس پر تعمیر ہونے والی خوبصورت عمارت ہے

ایمان کے بغیر عمل کا درخت سرسبز نہیں رہ سکتا اور عمل کے بغیر ایمان ایسا درخت ہے جو برگ و بار سے خالی ہے۔

ایمان سے دل کی اصلاح ہوتی ہے اور جب تک دل کی اصلاح نہ ہو اعمال کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور جب دل درست ہو جاتا ہے تو سارے اعمال درست ہو جاتے ہیں۔

اگر دل میں ایمان جڑ پکڑ لے اور انسان خلوص دل سے ایمان قبول کر لے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے عمل صالح کا موقع نہ بھی ملے تو بھی مؤمن کو جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے

ایمان کی اہمیت

مسلم شریف میں روایت ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو نبیت جو کہ انصار کا ایک قبیلہ ہے، اس کا ایک آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر آگے بڑھا اور اس نے جہاد میں حصّہ لیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گیا تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

عَمِلَ هٰذَا يَسِيْرًا وَّ اُجِرَ كَثِيْرًا — اس نے تھوڑا سا عمل کیا ہے اور اسے بہت زیادہ اجر دیا گیا ہے۔

ایمان قبول کرنے سے اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے، نہ نماز پڑھی نہ روزہ رکھا نہ حج کیا نہ صدقہ و خیرات کیا اور وہ جنت میں داخل ہونے کا حقدار ہو گیا۔ ایمان نے اسے جنت میں داخل کرا دیا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان کی قدر کریں

ایمان کی عظمت کو پہچانیں، ایمان کی اہمیّت کو محسوس کریں، اگر ہمارے پاس ایمان ہے تو ہمارے پاس بہت بڑی دولت ہے۔

ایسی دولت جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ہو سکتی۔

ایسی دولت جس سے ہمیں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے

ایسی دولت جس سے جنت خریدی جاسکتی ہے۔

ایسی دولت جس پر ساری دولتیں بلکہ جان تک نچھاور کی جاسکتی ہے

مگر کسی چیز پر نچھاور نہیں کیا جاسکتا۔

اور اگر ہمارے پاس ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم دنیا کے سب سے بڑے کنگلے انسان ہیں اگرچہ ہمارے پاس کوٹھی ہو، کمار ہو، مال و دولت ہو ——— یہ چیزیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اگر ایمان نہ ہو،

ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ہونا چاہیئے، دل میں ایمان کی جڑیں جتنی گہری ہوں گی، اتنی ہی زیادہ اعمال کی توفیق ملے گی، اور اگر ہمارے ایمان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق ہو تو اول تو اعمال کو دل ہی نہیں چاہتا اور اگر بالفرض کوئی کر ہی لے تو ان میں جان نہیں ہوتی۔

عمل صالح

آپ بار بار سُن رہے ہیں کہ قرآن نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بھی ذکر کیا ہے۔ آپ ضرور سوچیں گے کہ آخر عملِ صالح ہے کیا؟

اگر میں تفصیل میں جاؤں تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ ایک اُصولی بات عرض کرتا ہوں جس سے آپ کو عمل صالح کی حقیقت معلوم ہو جائے گی ہر وہ عمل جو اللہ کی رضا کے لئے رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق کیا جائے۔ وہ عملِ صالح ہے۔ اس اُصول کے مطابق نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تو ظاہر ہے۔ اعمالِ صالح ہیں ہی لیکن اگر زراعت، تجارت، ملازمت اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی بھی اسی جذبہ کے ساتھ کی جائے تو یہ بھی عمل صالح

ہوں گے ۔

اور اگر نماز، روزہ میں اللہ تعالےٰ کی رضا پیش نظر نہ ہو تو یہ بھی عمل صالح نہیں ہے ، عمل فاسد بن جاتے ہیں، نیت کا رُخ بدلنے سے عبادت معصیت بن جاتی ہے اور بعض مباح کام عبادت بن جاتے ہیں ۔

اپنے پاس گھڑی رکھنا ایک مباح کام ہے لیکن اگر اس سے مقصد یہ ہو کہ نماز کے اوقات کا خیال رہے گا تو گھڑی کا رکھنا بھی نیک عمل شمار ہوگا.

کھانا پینا، ورزش کرنا اور ہلکی پھلکی تفریح کرنا مباح عمل ہے لیکن اگر دل میں نیت یہ ہو کہ اس سے عبادت میں تقویت حاصل ہوگی ، تو یہ سَب نیک عمل ہوں گے ۔

لوگوں کو سایہ پہنچانے کی غرض سے درخت لگانا ، انسانیت کی خدمت کی نیت سے ڈاکٹر بننا ، سائنس کے میدان میں دشمنانِ دین کا مقابلہ کرنے لئے سائنسی تحقیقات کرنا ، کفر کو شکست دینے کے لئے ہتھیار بنانا ، . یہ سب نیک کام ہوں گے ۔

دیکھیئے نیت کے درست ہونے سے وہ کام جو بظاہر عبادت نہیں ہیں وہ بھی عبادت بن جاتے ہیں اور اگر نیت میں گڑبڑ ہو تو پھر عبادت بھی عبادت نہیں رہتی بلکہ معصیت بن جاتی ہے ۔

کوئی شخص نماز پڑھتا ہے ، روزے رکھتا ہے ، حج اور عمرے کرتا ہے صدقہ وخیرات کرتا ہے مگر دل میں اللہ کی رضا کا جذبہ نہیں ، بلکہ ریاکاری اور دکھاوے کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے تو اس کی نماز محض اُٹھک بیٹھک ہوگی ۔

اس کا روزہ خالی خولی بھوک پیاس ہوگا

اس کے حج و عمرے سیر و سیاحت ہوں گے۔

اس کا صدقہ و خیرات نِرا انفاق اور اِسراف ہوگا۔

حقوقُ العباد کی ادائیگی

جنت میں لے جانے والے اعمال میں سے ایک اہم عمل

حقوق العباد کی ادائیگی بھی ہے۔ یتیموں اور بیواؤں کی مدد، والدین کی خدمت، اہل و عیال پر خرچ کرنا اور پڑوسی اور ہمسفر سے اچھا سلوک کرنا، یہ سب اعمال جنت میں لے جانے والے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ هٰکَذَا وَ اَشَارَ بِالسَّبَابَۃِ وَالْوُسْطٰی وَفَرَّجَ بَیْنَهُمَا

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ کہہ کر آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اشارہ فرمایا۔

بیواؤں اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے کے بارے میں صحیح بخاری اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:-

"جو شخص کسی بیوہ یا کسی مسکین کے لئے کوشش کرے، وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ" وہ اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل بغیر کسی وقفے کے نماز میں کھڑا ہوا اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو کبھی روزہ نہ چھوڑتا ہو، بتلایئے اس سے بڑا اجر و ثواب

کیا ہو سکتا ہے کہ بیواؤں اور مسکینوں کی خدمت میں مصروف شخص کا ہر لمحہ عبادت میں گذرتا ہے اور وہ اللہ کے ہاں مسلسل نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے والا شمار ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں والدین کی خدمت کی متعدد مقامات پر تاکید کی گئی ہے اور احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ عمل کون سا پسند ہے، آپ نے فرمایا :-

"وقت پر نماز ادا کرنا"

مَیں نے پوچھا اسکے بعد کون سا عمل ؟ آپؐ نے فرمایا :-

"والدین کے ساتھ حسن سلوک"

مَیں نے پوچھا، پھر کون سا عمل ؟ آپؐ نے فرمایا :-

"اللہ کے راستے میں جہاد"

اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر تو سارے کام چھوڑ کر جہاد میں جانا ضروری ہو جاتا ہے لیکن اگر جہاد فرض عین نہ ہو اور والدین کی خدمت کی ضرورت بھی ہو تو پھر ان کی خدمت کرنا ضروری ہوگا - اہل وعیال پر خرچ کرنا ہر شخص اپنا فرض سمجھتا ہے اور عام طور پر اسے کوئی ایسا کام نہیں سمجھا جاتا جس پر اجر و ثواب حاصل ہو لیکن اللہ تعالےٰ اس پر بھی اجر و ثواب سے نوازتے ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي جو کوئی خرچ تم اللہ کی خوشنودی حاصل

بِهَا وَجْهَ اللهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰى مَا تَجْعَلُ بِهَا فِى اِمْرَاَتِكَ

کرنے کے لئے کرو، اس پر تمہیں ثواب ملتا ہے، یہاں تک کہ جو کھانا تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو اس پر بھی۔

خدمت

جنت میں لے جانے والے اعمال میں سے ایک خدمت بھی ہے، جو شخص اس دنیا میں اللہ کی رضا کے لئے خادم بنتا ہے، وہ انشاء اللہ قیامت کے دن مخدوم بنے گا۔

آج کا غلام کل کا آقا ہو گا۔

آج جو دوسروں کو نوازتا ہے، کل اسے نوازا جائے گا۔

آج جو دوسروں کو خوش کرتا ہے کل اس کو خوش کیا جائے گا۔

خدمت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، بیمار کی عیادت کرنا، راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا، کمزور نگاہ والے کی رہنمائی کرنا، ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دینا، پیاسے جانور کو پانی پلا دینا یہ سب خدمت ہی کے مختلف شعبے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ عَادَ مَرِيْضًا اَوْزَارَ اَخًا لَهٗ فِى اللهِ نَادَاهُ مُنَادٍ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّاْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا۔

جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے، یا اللہ کی رضا کی خاطر اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی زیارت کرتا ہے تو ایک پکارنے والا پکارتا ہے، تم بھی مبارک ہو اور تمہارا چلنا بھی مبارک ہے اور تم نے جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا ہے۔

یہ تو صرف عبادت اور ملاقات کرنے کا اجر و ثواب ہے، اور اگر اسکے ساتھ ساتھ بیماری کے اخراجات کے سلسلہ میں اس کے ساتھ تعاون بھی کر دے تو ظاہر ہے کہ یہ نورٌ علےٰ نور ہو گا۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو مسلمان سے پیار ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان سے اللہ کو خوش کرنے کے لئے پیار کرتا ہے یا اس کے کام آتا ہے یا اس کی دل جوئی کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس سے بھی پیار کرتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک شخص کو مزے کرتے ہوئے دیکھا اسلئے کہ اس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جو مسلمانوں کو تکلیف پہنچاتا تھا۔

کسی بھولے بھٹکے کو راستہ دکھا دینا، کسی کمزور نظر والے یا نابینا کو سڑک پار کرا دینا یا اسے گھر تک پہنچانے میں اس کی راہ نمائی کر دینا بھی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا۔ "راستے میں نہ بیٹھو اور اگر ایسا کرنا ہی ہے، تو سلام کا جواب دو اور نگاہ کو پست رکھو اور راہنمائی کرو، اور سواری اور باربرداری میں لوگوں کی اعانت کرو۔" (کشف الاستار)

ابو تمیمہ جہمی رضؓ سے ایک جامع حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نیکی کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نیکی کو بھی معمولی نہیں سمجھنا چاہیئے، چاہے تو تم رسّی کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ دو، چاہے جوتے کا ایک تسمہ ہی کیوں نہ دو، چاہے تم اپنے ڈول میں سے

اپنے بھائی کے برتن میں پانی کیوں نہ ڈال دو، چاہے لوگوں کی گذرگاہ سے تکلیف پہنچانے والی چیز ہی کیوں نہ ہٹا دو، چاہے تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے کیوں نہ مل لو، خواہ تم اپنے بھائی سے جب ملو تو اسے سلام ہی کیوں نہ کرلو، خواہ تم حیران و پریشان کو اپنے سے مانوس کیوں نہ کر دو، اور اگر تم میں کوئی عیب دیکھ کر کوئی شخص برا بھلا کہے تو اس میں خرابی اور عیب جاننے کے باوجود اسے بُرا نہ کہنا تمھیں اَجر کا مستحق بنا دیگا۔ اور اس بدگوئی کا گناہ اسی پر ہوگا اور جو بات تمہارے کان سننا پسند کریں، اس پر عمل کرنا اور جس کو تمہارے کان سننا پسند نہ کریں اس سے بچنا (یہ سب نیکی کے کام ہیں) مُسند احمد

بظاہر یہ کتنے چھوٹے چھوٹے سے کام معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ سب نیکی کے کام ہیں۔

اچھے اخلاق

اچھے اخلاق بھی ان اعمال میں سے ہیں جو انسان کو جنّت میں لے جانے کا ذریعہ بنتے ہیں، ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جناب رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:-

إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا ۔

تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجلس میں میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔

صبر

اچھے اخلاق میں سرِفہرست صبر ہے جو کئی صفات کا منبع اور مرکز ہے اور صبر کرنے والوں کا ٹھکانہ آخرت میں جنت ہوگا۔ سورہ فرقان میں ہے اللہ تعالےٰ نے اپنے مخصوص بندوں

کا اوران کی صفات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آخر میں ہے :۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ یہی لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلے جنت میں بالاخانے ملیں گے اور وہاں دعا اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال ہوگا

یاد رکھیئے کہ صبر بزدلی کا نام نہیں بلکہ گناہوں سے رُک جانا اور نیکی پر قائم رہنا صبر ہے

کسی عزیز کی جدائی پر آپ سے باہر نہ ہونا صبر ہے

میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا صبر ہے۔

ہر قسم کی تکلیف اٹھا کر اپنے مقصد پر جمے رہ کر کامیابی کا انتظار کرنا صبر ہے

برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کر دینا صبر ہے۔

یہ تمام باتیں صبر کے مفہوم میں داخل ہیں اور یہی صبر کرنے والے ہیں

جو برائی کیطرف خواہش کے باوجود اپنے آپ کو روک لیتے ہیں۔

جو راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں

جو حسن و جمال کی بے قید لذتوں سے اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں۔

جو ضرورت کے باوجود حرام دولت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے جس سے صبر کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

حُجِبَتِ (حُفَّتِ) الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُجِبَتِ (حُفَّتِ) النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ جنّت ناخوشی کے کاموں اور دوزخ نفسانی لذتوں کے کاموں سے ڈھانپی گئی ہے۔

سورہ فرقان کی جو آیت کریمہ ابھی میں نے آپکے سامنے تلاوت کی ہے

اس آیت سے قبل اللہ تعالےٰ کے مخصوص بندوں کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں۔ ان سب کا حاصل بھی وہی ہے جو صبر کا مفہوم ہے اور جو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی نیک کاموں کو تکلیف اور مشقت کے باوجود کرتے رہنا اور بُرے کاموں میں لذت ہونے کے باوجود ان سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا۔

جنت میں لے جانے والے کام وہ ہیں جو عام طور پر نفس پر بڑے مشکل اور شاق ہوتے ہیں اور جہنم میں لے جانے والے اعمال وہ ہیں جن کیطرف طبیعت مائل ہوتی ہے اور اُن میں نفس کو بڑی لذّت محسوس ہوتی ہے۔

شکر

شکر بھی ان اخلاق میں سے ہے جس سے اللہ تعالےٰ کی رضا مندی حاصل ہوتی ہے۔ شکر کرنے والے کو اللہ تعالےٰ عذاب نہیں دیتا، سورۂ نساء میں ہے:۔

مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیۡمًا ۝

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالےٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کریگا، اور اللہ تو قدر پہچاننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

شکر کرنے پر دنیاوی نعمتوں میں بھی برکت دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی نوازا جائے گا۔ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ شکر کا بدلہ ضرور عطا فرمائے گا۔ سورہ اٰلِ عمران میں ہے:۔

وَسَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ ۝

اور ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔

سچائی اور ایفائے عہد

سچائی اور ایفائے عہد سے بھی جنت ملتی ہے

سورۃ المائدہ میں ہے:۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ط لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اللہ فرمائیگا کہ یہی دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کا سچ کام آئے گا، ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ اُن سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ۔

ایک حدیث میں رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چھ ایسے اعمال بتائے ہیں، جن کی پابندی کرنے والے کے لئے آپ نے جنت کی ضمانت لی ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

اِضْمَنُوا لِيْ سِتًّا مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ : اَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَاصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ (شعبُ الایمان للبیہقی)

تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو، میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں جب تمھارے پاس امانت رکھوائی جائے تو اسے ادا کرو، جب کسی سے کوئی معاہدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب بات کرو تو سچ بولو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھوں کو (دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور گناہ کرنے سے) روکو

نرم خوئی

طبیعت میں نرمی اور مزاج میں لطافت اور تواضع کا ہونا ایسا خلق ہے جو اللہ کو بڑا پسند ہے، وہ شخص جو لوگوں سے نرم لہجے میں بات کرتا ہے۔ خرید وفروخت میں نرم رویّہ اختیار

کرتا ہے، کسی سے غلطی ہو جائے تو معاف کر دیتا ہے کوئی عیب دیکھتا ہے، تو پردہ پوشی کرتا ہے، کسی تنگدست کو دیکھتا ہے تو اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے ـــــ ایسا شخص اپنی اسی نرم خوئی کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ وَیُعْطِیْ عَلَی الرِّفْقِ مَالَا یُعْطِیْ عَلَی الْعُنْفِ وَمَالَا یُعْطِیْ عَلٰی مَاسِوَاہُ	اللہ تعالےٰ ـــــ نرمی کا معاملہ کرنے والے ہیں اور نرمی کے معاملے کو پسند فرماتے ہیں اور نرم خوئی پر وہ اجر عطا فرماتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے (بلکہ) کسی اور چیز پر بھی نہیں دیتے

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اُس کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ لایا جائیگا جس کو اللہ تعالےٰ نے مال دیا تھا۔ اللہ تعالےٰ اس سے پوچھیں گے کہ تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ تو وہ کہے گا "میرے پروردگار آپ نے مجھے مال دیا تھا، مَیں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کیا کرتا تھا اور میری عادت درگذر کرنے کی تھی، چنانچہ مالدار کے لئے آسانی پیدا کرتا اور تنگدست کو مہلت دیتا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرمائیں گے کہ" میں اس طرزِ عمل کا تم سے زیادہ مُستحق ہوں" پھر آپ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ میرے اس بندے سے درگذر کرو"۔ (صحیح مسلم)

ترمذی شریف میں حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

جو شخص کسی تنگدست (مقروض) کو مہلت دے یا اس کو قرضے

میں رعایت۔ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عرش کے سائے میں رکھیں گے جب کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی بے چینیوں سے اس کو نجات عطا فرمائیں اس کو چاہیئے کہ وہ کسی تنگدست کی مشکل آسان کرے یا اس کے قرضے میں رعایت دے۔"

مسلمان کے بھائی کے عیب پر پردہ ڈالنے والے کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَا یَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِی الدُّنْیَا اِلَّا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

جو کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا

جہاد

جیسا کہ ابتداء میں عرض کر چکا ہوں کہ ان سارے اعمال کے بیان کا موقع نہیں جو جنت میں لے جانے والے ہیں فقط چند اعمال آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ اب اُن میں سے آخری عمل کو بیان کر کے اس بات کو سمیٹنا چاہتا ہوں اور یہ وہ عظیم عمل ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور سربلندی کا ضامن ہے۔ لیکن آج ہم نے اجتماعی طور پر اس عمل کو چھوڑ رکھا ہے اور اسی بنا پر آج دنیا بھر میں ہم ذلیل و خوار ہیں

کشمیر میں ہم پٹ رہے ہیں

بوسنیا میں ہمارا نام و نشان مٹانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

انڈیا میں ہم جور و جفا کا ہدف بنے ہوئے ہیں۔
چیچنیا میں ہمیں تہِ تیغ کیا جا رہا ہے۔
دنیا کا کون سا خطّہ ہے جو ہمارے خون سے رنگین نہیں۔
وہ کون سا شہر اور کون سا گلی کوچہ ہے جہاں سے ہماری ماؤں بہنوں کی آہیں اور سسکیاں نہیں اُٹھ رہیں۔
یقیناً اس کی بہت ساری وجوہات ہیں لیکن ایک بہت بڑی وجہ ترک جہاد بھی ہے۔
رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی ساری زندگی جہاد میں گذری، آپ نے اپنے مرض وفات میں جیشِ اُسامہ کو جہاد کے لئے روانہ فرمایا اور جہاد کے بے شمار فضائل بیان فرمائے۔
اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے قرآن تو قرآن تورات اور انجیل میں بھی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ (القرآن)

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں کہ انکے بدلے ان کو جنّت دیگا یہ اللہ کے رستے میں لڑتے ہیں اور مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں، یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے یہ تورات اور انجیل اور قرآن سب میں لکھا ہوا ہے۔

جنھیں یقین تھا

آخر میں آپ کو مختصر طور پر ان اہلِ یقین

کے دو واقعے سنا دینا مناسب سمجھتا ہوں، جنھیں اللہ اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات پر اور ایک ایک وعدے پر یقین تھا۔

میدانِ بدر میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔

"لو اس جنت کا موقع سامنے ہے جس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے" ایک انصاری نے حیرت سے پوچھا کہ کیا آسمان و زمین کے برابر؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں" وہ خوشی سے واہ واہ کہنے لگے۔ آپنے دریافت فرمایا کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا، انہوں نے عرض کیا اس امید سے کہ شاید مَیں بھی اس میں ہوں آپنے فرمایا تم جنت میں ہو۔ یہ سُن کر وہ کھجوریں نکال کر جلدی جلدی کھانے لگے لیکن پھر کہنے لگے کہ اگر مَیں کھجوریں کھاتا رہا، تو جنت میں جانے میں بہت دیر ہو جائے گی، یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں اور تلوار لے کر دشمنانِ دین سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

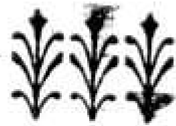
حضرت قیس رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے وہ ایک جہاد میں شریک تھے۔ انھوں نے مسلمان مجاہدوں کو بتایا کہ رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

"جنت کے دروازے تلواروں کے سائے نیچے ہیں۔ ایک عام سا مسلمان پاس کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا آپ نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے انھوں نے کہا، ہاں، یہ سُن کر وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا

اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ میان توڑ کر پھینک دی، اور تلوار لے کر دشمن کی صف پر حملہ کر دیا، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق آپ کے سامنے جنت کا، جنت کی نعمتوں کا، اور جنت میں لے جانے والے اعمال کا تذکرہ کر دیا ہے۔ آیئے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں جنت میں لے جانے والے اعمال کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وما علینا الا البلاغ



جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال

فیصلے کے دن بے شک وقت ہے ٹھہرا ہوا
صور جس دن حکم سے خالق کے پھونکا جائیگا
سرکشوں کی گھات میں دوزخ لگا ہے بالیقین
اور ٹھکانہ سرکشوں کا فی الحقیقت ہے وہیں
وہ نہ چکھیں گے وہاں زنہار ٹھنڈک کا مزا
اور نہ کچھ پینے کو پیپ اور گرم پانی کے سوا

(سورہ نبأ کی آیت ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ کا
منظوم ترجمہ)

"اے حسنِ ازل سے پیمانِ وفا باندھنے والو!
اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو!
اے اپنے خالق و مالک کی خدائی کا اِقرار کرنے والو!
اے غیبی حقائق پر یقین رکھنے کا دعوی کرنے والو!
اے جنت و دوزخ اور جزا و سزا کو تسلیم کرنے والو!
بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو عذاب سے
وہ رحمٰن و رحیم اللہ جو چاہتا ہے کہ بندے جہنم میں جانے سے
بچ جائیں وہ بندوں کو محبت اور پیار کے انداز میں خطاب
کر کے کہتا ہے کہ تم اپنے آپ کو بھی جہنم سے بچاؤ اور گھر والوں
کو بھی! کیونکہ جہنم کا اور جہنم کے عذابوں کا برداشت کرنا
تمہارے بس کی بات نہیں، اس کی آگ انوکھی ہے، اس کا
ایندھن لکڑی نہیں ہوگی بلکہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں
گے ـــــــــــــــــ یہ بھی اس مالک کا کتنا بڑا احسان
اور کرم ہے کہ اس نے ہمیں دنیا میں بتا دیا کہ جہنم میں کتنی سخت
سزائیں ہوں گی۔"

جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ امابعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ○ (سورۃ التحریم)

اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس پر تند خو بڑے مضبوط فرشتے مقرر ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اسے فوراً بجا لاتے ہیں۔

وعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُكُمْ هٰذِهِ الَّتِیْ یُوْقِدُ ابْنُ اٰدَمَ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِّنْ حَرِّ جَهَنَّمَ قَالُوْا وَاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةً یا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَیْهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ آگ جسے انسان (دنیا میں) جلاتا ہے یہ جہنم کی آگ کا سترھواں حصہ ہے۔ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہی آگ کافی تھی فرمایا وہ (جہنم کی) آگ اس آگ سے انہتر درجے زیادہ سخت ہے، ان اجزا

بِتِسْعَةٍ وَسِتِّيْنَ جُزْءً كُلُّهَا مِثْلُ حَرِّهَا۔ (بخاری ومسلم) میں سے ہر جزء دنیاوی آگ کی طرح ہے۔

محترم حاضرین مجلس! اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بڑا پیار اور بڑی محبّت ہے۔ اگر بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دیکھنا ہو تو اس کی صفات کا مطالعہ کیجئے کیونکہ ہم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو نہیں دیکھ سکتے البتہ صفات کے آئینہ میں اس کا مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ (اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاءاللہ تعالیٰ کسی دوسری نشست میں صفات باری تعالیٰ کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوگی۔)

جب ہم صفات باری تعالیٰ پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا دِل اس کی محبّت سے بھر جاتا ہے وہ اپنے بندوں پر کتنا شفیق اور کتنا مہربان ہے؟ اس کا تو حقیقت میں اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ اُس کے فضل وکرم کی کوئی حد ہی نہیں۔

صفات باری تعالیٰ

وہ المؤمن ہے یعنی امن دینے والا، وہ اپنے ماننے والوں کو امن دیتا ہے دنیا کی مصیبتوں سے اور آخرت کے عذاب سے۔

وہ المھیمن ہے یعنی حفاظت کرنے والا، وہ اپنے بندوں کی جب تک چاہتا ہے اس طرح حفاظت فرماتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

وہ الغفّار ہے، یعنی بہت زیادہ بخشنے والا، جتنا وہ مالک بخشتا ہے اتنا کوئی نہیں بخش سکتا۔

وہ الوہاب ہے یعنی بلاعوض دینے والا۔

وہ الرزّاق ہے یعنی، ساری مخلوق کو روزی دینے والا

وہ الفتّاح ہے یعنی اپنی رحمت اور علم کے دروازے کھولنے والا۔

وہ العدل ہے یعنی بہت انصاف کرنے والا

وہ الغفور ہے یعنی بہت گناہ بخشنے والا۔

وہ الشکور ہے یعنی قدر کرنے والا۔

وہ الکریم ہے۔ یعنی کرم کرنے والا۔

وہ رحمٰن ہے یعنی بے حد مہربان

وہ رحیم ہے یعنی بے انتہا رحم کرنے والا

وہ الودود ہے یعنی محبت والا

وہ الوکیل ہے یعنی کام بنانے والا

وہ الولی ہے یعنی مدد کرنے والا۔

وہ البرّ ہے یعنی احسان کرنے والا۔

وہ التواب ہے یعنی بہت توبہ قبول کرنے والا۔

وہ العفو ہے یعنی بہت معاف کرنے والا

وہ الرؤف ہے یعنی بہت شفقت کرنے والا

وہ الہادی ہے یعنی ہدایت کرنے والا۔

وہ الرشید ہے یعنی مصلحت بتانے والا

وہ الصّبور ہے یعنی بہت تحمّل والا۔

اس مالک کی یہ صفات اسکے کرم کو، اس کی شفقت کو، اس کی کار ساز ی کو، اس کی رزق رسانی کو اور اس کے محسن ہونے کو بتاتی ہیں اور جب انسان ان صفات کی روشنی میں اس کے بارے میں مراقبہ کرتا ہے، غور وفکر

کرتا ہے تو اس کا دِل اپنے مالک حقیقی کی محبّت سے بھر جاتا ہے۔

دِل کی آواز

اور اس کے دل سے آواز اٹھتی ہے کہ اے ظالم! جھک جا اس ہستی کے سامنے جو تیرے بگڑے کاموں کو سنوارتی ہے۔

تجھے ضلالت کے اندھیروں سے نکالتی ہے۔

تیرے سامنے علم و حکمت کے دروازے کھولتی ہے۔

تیری توبہ کے آنسو اپنے دامنِ رحمت سے صاف کرتی ہے۔

جو تیری گستاخیوں پر تحمل سے کام لیتی ہے۔

جس کے اِحسانات اور نوازشوں کی کوئی حد ہی نہیں۔

یہاں مَیں یہ عرض کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں کہ انہیں اس کے غیظ و غضب کی علامت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ وہ بھی اس کی رحمت اور اس کے عدل و انصاف کی آئینہ دار ہیں، مثلاً الجبّار کا مفہوم کئی لوگ سمجھتے ہیں، جَبر کرنے والا، حالانکہ اُس کا معنی ہے درستی کرنے والا یا صحتی کرنے والا۔

اسی طرح القہّار کا مفہوم کئی لوگ بیان کرتے ہیں، قہر ڈھانے والا، حالانکہ اس کا معنیٰ ہے مخلوقات پر غالب اور اس میں شک ہی کیا ہے کہ وہ ساری مخلوق پر غالب ہے، غالب ہونے کا یہ مطلب کہاں سے آگیا کہ معاذ اللہ وہ مخلوق پر قہر و غضب ڈھاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ المتکبّر ہے لیکن متکبّر کا معنی ہے، بڑائی والا اور اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بڑائی اور عظمت اسی کے لئے ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ وہ المنتقم ہے جس کا معنی ہے بدلہ لینے والا لیکن بدلہ لینے سے ظلم کا ارتکاب لازم نہیں آتا، بلکہ بسا اوقات انصاف کا تقاضا ہوتا ہے کہ بدلہ لیا جائے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالے اپنے بندوں سے بڑی محبت اور بڑا پیار کرتا ہے اور اس محبّت اور پیار کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی صفات کا مراقبہ اور ان میں غور و فکر کیجئے۔

وہ بندوں کو پیدا کرنے والا اللہ

وہ بندوں کو رزق دینے والا اللہ

وہ بندوں پر رحمت کرنے والا اللہ

وہ بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اللہ

وہ ندامت کے دو آنسو بہا دینے سے سو سال کے گناہ معاف کر دینے والا اللہ

اپنے بندوں کو جہنم میں ڈال کر ہرگز خوش نہیں ہوتا، وہ تو چاہتا ہے کہ میرے بندے کسی نہ کسی طریقے سے جہنم میں جانے سے بچ جائیں وہ اگر بندوں کو جہنم سے نہ بچانا چاہتا تو ایک لاکھ سے زائد انبیاءِ کرام علیہم السلام انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث نہ کرتا۔

وہ اگر بندوں کو جہنم سے بچانا نہ چاہتا تو انہیں جنت کا راستہ دکھانے کے لئے آسمان سے کتابیں نازل نہ فرماتا۔

وہ اگر بندوں کو جہنم سے بچانا نہ چاہتا تو موت تک درِ توبہ کھلا نہ رکھتا۔

پیار والا انداز

رَبِ کریم نے بندوں کو سمجھانے کے لئے جو انداز اختیار کیا ہے وہ بڑے ہی پیار اور محبّت کا انداز

ہے وہ ایک ایک مضمون کو مختلف انداز سے مختلف اُسلوب میں مختلف الفاظ میں اتنی بار بیان کرتا ہے کہ تعجب ہونے لگتا ہے، توحید کو لے لیں، نماز کو دیکھ لیں، ہر ایک کو بار بار بیان کیا ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ بیٹا سفر پر جائے یا خراب حالات میں گھر سے باہر نکلنے لگے تو ماں اسے بار بار سمجھاتی ہے بعض اوقات بیٹا جوان ہو تو وہ چڑچڑا سا ہو جاتا ہے کہ میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں مگر شاید میری ماں مجھے بیوقوف سمجھتی ہے کہ ایک ایک بات کو دس دس بار دُہراتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ ماں کے دل میں اپنی اولاد کے لئے محبّت کا جو شدید ترین جذبہ ہے وہ اسے ایک ہی بات کے بار بار دُہرانے پر مجبور کر رہا ہے۔

یقین جانیں کہ ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے اس محبت کے مقابلے میں جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔

وہ بندوں کے ساتھ محبت کرنے والا اللہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے بندوں کو عذاب دوں، یہ بھی تو سوچیں کہ بندوں کو عذاب دے کر اُسے کیا ملے گا۔ کتنے پیارے انداز میں سورۂ نساء میں بندوں سے کہا گیا ہے:-

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ٥	اللہ کو تمہارے عذاب سے کیا کرنا ہے اگر تم شکر گذاری کرو اور ایمان لے آؤ اللہ تو بڑا قدردان ہے بڑا علم والا ہے۔

مسلمانوں کا خدا غیر قوموں کے ان دیوی دیوتاؤں جیسا نہیں ہے جنہیں مخلوق کو عذاب اور تکلیف میں دیکھ کر لطف آتا ہے وہ تو نیکیوں کی قدر کرتا ہے اور ہر چھوٹے بڑے عمل کو جانتا ہے۔

اے میرے چاہنے والو! جو آیت میں نے خطبہ میں تلاوت

کی ہے، تھوڑی سی توجہ اس آیتِ کریمہ پر بھی مرکوز کیجئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا۔

اے حسنِ ازل سے پیمانِ وفا باندھنے والو!

اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو!

اے اپنے خالق و مالک کی خدائی کا اقرار کرنے والو!

اے غیبی حقائق پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرنے والو!

اے جنت و دوزخ اور جزا و سزا کو تسلیم کرنے والو!

بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو عذاب سے۔

وہ رحمٰن اور رحیم اللہ جو چاہتا ہے کہ بندے جہنم میں جانے سے بچ جائیں وہ بندوں کو محبت اور پیار کے انداز میں خطاب کرکے کہتا ہے کہ تم اپنے آپ کو بھی جہنم سے بچاؤ اور گھر والوں کو بھی۔ کیونکہ جہنم کا اور جہنم کے عذابوں کا برداشت کرنا تمھارے بس کی بات نہیں، اس کی آگ انوکھی آگ ہے، اس کا ایندھن لکڑی نہیں ہوگی بلکہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، ——— صرف یہیں نہیں بلکہ اپنے ظلوم وجہول بندوں کو سمجھانے کے لئے نہ معلوم قرآن کریم میں کتنے ہی مقامات پر باری تعالےٰ نے جہنم کا، جہنم کی سزاؤں کا اور جہنم میں لے جانیوالے اعمال کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی اس مالک کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں دنیا ہی میں بتادیا ہے کہ جہنم میں کتنی سخت سزائیں ہوں گی۔

ایک عجیب نکتہ یہاں ایک عجیب نکتہ ذہن میں آرہا ہے جو بعض اساتذہ سے سنا تھا، کہا جاتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مشہور پنڈت دیانند سرستی

نے اسلام پر اور قرآن پر مختلف اعتراضات کئے تھے ایک اعتراض یہ تھا کہ سورۂ رحمٰن جسے تم لوگ قرآن کی زینت کہتے ہو اس میں مختلف نعمتیں ذکر کرکے بار بار سوال کیا گیا ہے:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

جہاں تک پانی، جنت، پھلوں اور پھولوں کی نعمتوں کا تعلق ہے، ان کے بارے میں تو یہ سوال کرنا مناسب ہے کہ:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس سورہ میں جہنم اور جہنم کی ہولناک سزاؤں کا ذکر کرنے کے بعد بھی یہی سوال کیا گیا ہے۔ حالانکہ جہنم یا جہنم کی سزائیں تو کوئی نعمت نہیں ہیں کہ ان کا تذکرہ کرکے سوال کیا جائے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

پس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

مثلاً آیت نمبر ۳۵ میں ہے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ (سورۂ رحمٰن)

تم دونوں (جنوں اور انسانوں) پر آگ کا شعلہ اور دُھواں چھوڑا جائے گا، سو تم ہٹا نہ سکو گے۔

اس آیت کے فوراً بعد فرمایا گیا:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

پس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

تو دیانند سرسوتی کہنے لگا کہ معاذ اللہ! یہ تو بس تک بندی ہے ورنہ جہنم کو اور جہنم کے عذابوں کو نعمت شمار نہ کیا جاتا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ پنڈت صاحب اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم ہمیں یہ بتا دے کہ اگر تم نے فلاں چیز کھائی تو تم فلاں خوفناک بیماری میں مبتلا ہو جاؤ گے اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ واقعی جن جن لوگوں نے ان چیزوں کو کھایا وہ اس بیماری میں مبتلا ہو گئے تو ہم اس حکیم اور ڈاکٹر کو اپنا ـــــ محسن سمجھیں گے کہ اس نے ہمیں پہلے سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ ہم بچ گئے ۔جب دنیا کی کسی بیماری کے اسباب بتا دینے کی وجہ سے ہم ڈاکٹر کو اپنا محسن سمجھ سکتے ہیں تو ہم اُس اللہ کو اپنا محسن کیوں نہ سمجھیں، جس نے ہمیں واضح طور پر بتا دیا کہ جہنم کیا ہے اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کون کون سے ہیں۔ اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ آگاہی اس کا سب سے بڑا احسان ہے اور وہ ہمیں یہ آگاہی عطا کرنے کے بعد بجا طور پر سوال کر سکتا ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

میرے بندو میرا تم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ تمھیں دنیا میں آگاہ کر رہا ہوں کہ تمھاری بد اعمالیاں تمھیں آگ کے اس گڑھے میں گرا دیں گی جس کے مختلف قسم کے عذاب تم برداشت نہیں کر سکتے۔

بہت بری جگہ وہ جیل ہے مگر دنیا کی خطرناک سے خطرناک جیل اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

وہ عقوبت خانہ ہے مگر دنیا کا کوئی عقوبت خانہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

وہ ایک ٹارچر سیل ہے مگر دنیا کا ہر ٹارچر سیل اس کے مقابلہ میں صفر ہے۔ سورۂ الفرقان میں ہے :-

اِنَّھَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ بیشک وہ بری قرارگاہ اور قیامگاہ ہے

سورۂ ص میں ہے :۔

جَھَنَّمَ یَصْلَوْنَھَا فَبِئْسَ الْمِھَادُ جہنم میں وہ داخل ہوں گے سو وہ برا بچھونا ہے

سورہ توبہ میں ہے :۔

قُلْ نَارُ جَھَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ (اے نبی) کہہ دے کہ دوزخ کی آگ زیادہ گرم ہے۔

(سورہ توبہ)

وہاں کی آگ کبھی نہ بجھے گی، بجھنے لگے گی تو اسے مزید بھڑکا دیا جائے گا

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے :۔

کُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰھُمْ سَعِیْرًا جب وہ بجھنے لگے گی ہم اس کو اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔

(بنی اسرائیل)

اس آگ کے شعلے دور دور سے نظر آئیں گے۔

سورہ مرسلات میں ہے۔

اِنَّھَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ کَالْقَصْرِ ؕ بیشک وہ محلوں کی مانند چنگاریاں

کَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ؕ پھینکتی ہے گویا وہ چنگاریاں زرد اونٹ ہیں

وہ ایسی آگ ہے جو چمڑا اُدھیڑ لے گی۔

سورہ معارج میں ہے :۔

کَلَّا ؕ اِنَّھَا لَظٰی ؕ نَزَّاعَۃً لِّلشَّوٰی یہ ہرگز نہیں ہوگا وہ شعلے والی آگ ہے

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی ؕ منہ کی کھال اُدھیڑنے والی ہے، اسے بلاتی ہے جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا

وہ عجیب و غریب آگ ہوگی جو دلوں پر شعلہ زن ہوگی۔

سورۃ الھمزہ میں ہے :۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ
اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے، بیشک وہ ان پر دروازہ بند کی ہوئی ہے لمبے ستونوں کی شکل میں،

جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے داخل ہونے والے بھی مقرر ہیں۔ سورۃ الحجر میں ہے:

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۝ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝ (سورۃ الحجر)
اس کے سات دروازے ہیں ہر ایک دروازے کے لئے ان میں سے بانٹا ہوا ایک حصّہ ہے۔

جہنم بہت وسیع و عریض ہے، بیشمار انسانوں کو اس میں جھونک دیا جائے گا۔ مگر وہ پھر بھی نہیں بھرے گی۔ سورۂ ق میں ہے:۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝
جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی ہے اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے۔ (تو لے آؤ)

جہنم میں جانے والے لوگ نہ زندہ ہوں گے اور نہ مردہ بلکہ وہ موت وحیات کی کشمکش میں ہوں گے۔ سورہ طٰہٰ میں ہے:۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (سورہ طٰہٰ)
بیشک جو شخص اپنے پروردگار کے ہاں گنہگار ہو کر حاضر ہوگا اس کے لئے دوزخ ہے نہ وہ اس میں مریگا اور نہ زندہ ہی رہے گا۔

طوق وسلاسل

جہنمیوں کے گلے میں طوق پڑے ہوں گے، انہیں زنجیروں میں جکڑ

دیا جائیگا اور بڑی ذلت و خواری کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ سورۃ المؤمن میں ہے :-

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ۝ (سورۃ المؤمن)

جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لیجایا جائیگا پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

سورۃ الحاقہ میں اس ناکام انسان کے بارے میں بتایا گیا ہے جس کا اعمال نامہ اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ (سورۃ الحاقہ)

اور رہا وہ جس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا، تو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا جو مجھے میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا، اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے، کاش موت ہی خاتمہ کر چکی ہوتی، میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گذرا ہوا پکڑو اس کو پھر اس کو دوزخ میں داخل کرو، پھر ایک ایسی زنجیر میں اُسے جکڑ دو جس کی پیمائش ستّر گز ہے۔

دوزخیوں کا سامانِ خورد و نوش

دوزخیوں کو کھانے پینے کے لئے جو کچھ دیا جائیگا اس کا تصوّر بھی ہمارے لئے محال ہے لیکن چونکہ اسکے علاوہ کچھ ہوگا

ہی نہیں اس لئے وہ اسے کھانے اور پینے پر مجبور ہوں گے، سورۂ کہف میں ہے

وَاِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُهۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡهَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ۝ (سورۂ کہف)

اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا۔ وہ مونہوں کو بھون ڈالے گا۔ برا پینا ہے اور وہ آگ فائدہ اٹھانے میں بُری ہے

سورۂ ص میں ہے :۔

هٰذَا ۙ فَلۡیَذُوۡقُوۡهُ حَمِیۡمٌ وَّغَسَّاقٌ (سورہ ص)

یہ ہے عذاب پس اسے چکھو گرم پانی ہے اور پیپ۔

وہ پانی کیسے کھول رہا ہوگا اور اس کی تپش کا کیا عالم ہوگا۔ اس چیز کو سورۂ محمد میں بیان کیا گیا ہے۔

وَسُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَهُمۡ (سورۂ محمدؐ)

اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا سو وہ ان کی آنتیں کاٹ ڈالے گا۔

دوزخیوں کے کھانے کے بارے میں سورۂ دخان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۝ طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ۝ کَالۡمُهۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ۝ کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ۝ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ ۝ ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ ۝

بیشک سینڈھ کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہے، پگھلے ہوئے تانبے کیطرح، پیٹوں میں کھولے گا جیسے گرم پانی کھولتا ہے (حکم ہوگا) اسے پکڑو، پھر اسے دوزخ کے بیچوں بیچ گھسیٹو پھر اسکے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب چھوڑ دو، چکھ، بیشک تو ہی عزت والا بزرگی والا ہے

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ — بیشک یہ وہ ہے جس میں تم شک کرتے تھے

سورۃ الحاقہ میں ہے :-

وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ لَا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝ — اور ان کے لئے کھانا زخموں کا دھوون ہی ہوگا جسے وہی کھائیں گے جو گنہگار ہیں

وہ لوگ جو دنیا میں مرغن غذائیں اور لذیذ کھانے، کھانے کے عادی ہیں، اگر کھانے میں نمک مرچ کی کمی بیشی ہو جائے یا کھانا ٹھنڈا یا باسی ہو تو ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا، وہ سوچیں تو سہی کہ آخرت میں زخموں کا دھوون اور سینڈھ کا درخت حلق سے نیچے کیسے اُتریگا؟

وہ لوگ جو یہاں ہلکا سا گرم پانی بھی نہیں پی سکتے وہ ایک لمحے کے لئے غور تو کریں کہ وہاں کھولتا ہوا پانی اور پیپ کیسے پی سکیں گے

کھولتے ہوئے پانی اور غلیظ کھانے سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ من چاہی زندگی گذارنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ خدا چاہی زندگی گذاری جائے، نفس کی پرستش نہ کی جائے بلکہ رب تعالیٰ کی پرستش کی جائے۔

جو شخص دنیا میں خدا چاہی زندگی گذارے گا اسے آخرت میں من چاہی نعمتیں اور راحتیں عطا کی جائیں گی اور من چاہی زندگی گذارنے کا نتیجہ جہنم ہوگا۔ جس کی آگ، جس کے طوق و سلاسل اور جس کے سامان خورد و نوش کے بارے میں تو آپ سن ہی چکے ہیں۔

جہنمیوں کا لباس

ان کے لباس کے بارے میں بھی سن لیں، سورۃ الحج میں ہے :-

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ — سو جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے بیونتے جائیں گے ان کے سروں پر

فَوقِ رُءُوسِهِمُ الحَمِيمِ ۝ سے گرم پانی چھوڑا جائیگا۔

یہ تو لباس کا حال ہوگا اور جہنمی کے جوتے بھی آگ کے ہوں گے بلکہ سب سے کم درجے عذاب والا شخص وہ ہوگا جسے آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے،

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخیوں میں سب سے کم درجے عذاب والا شخص وہ ہوگا جسے آگ کے دو جوتے اور تسمے پہنائے جائیں گے، جن سے اس کا دماغ اسطرح پکے گا جس طرح ہانڈی جوش مارتی ہے وہ یہ سمجھے گا کہ اس سے سخت عذاب کسی کو نہ دیا ہوگا حالانکہ وہ ان میں سب سے کم درجے والا عذاب ہوگا۔

جہنمیوں کا آپس میں جھگڑنا

جہنمی آپس میں جھگڑیں گے ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔

سورۃ الاعراف میں ہے :-

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا — جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی اس کی ہمرنگ دوسری جماعت اس پر لعنت کرے گی۔ (سورۃ الاعراف)

دین فروش لیڈروں اور دنیا پرست پیروں کی اقتداء کرنے والے اور ان کی دیکھا دیکھی گمراہی میں مبتلا ہونے والے یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ ہم بھی جہنم میں اور ہمارے پیشوا بھی جہنم کا ایندھن بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ انہیں بڑے سبز باغ دکھایا کرتے تھے کہ ہمارے پیچھے چلنے والا کبھی ناکامی کا شکار نہیں ہو سکتا نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ سورۂ مؤمن میں ارشاد باری تعالےٰ ہے :-

وَاِذْ يَتَحَاجُّوْنَ فِي النَّارِ — اور جب وہ آگ میں ایک دوسرے سے

فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ

(سورۂ مومن)

جھگڑیں گے تو ناتواں ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے کہ ہم تمھاری پیروی کرتے تھے تو کیا تم ہمارے لئے آگ کے ایک حصّے سے کفایت کرنے والو ہو، وہ جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے کہ ہم تم سب اسی میں ہیں پس بیشک اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے

جہنمیوں کی درخواستیں

جہنمی کبھی تو جنّتیوں کو پکار پکار کر درخواست کریں گے کہ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ترجمہ: ہم پر پانی سے یا اس نعمت سے جو اللہ نے تمھیں دی ہے کچھ فیض کرو۔ (سورۃ الاعراف)

اور کبھی جہنم کے داروغہ (مالک) سے کہیں گے:-

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝

(سورۃ الاحزاب)

اور دوزخی پکاریں گے کہ اے مالک تیرا پروردگار ہم پر موت بھیجدے تو وہ کہے گا کہ تمھیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

یہ بات ذہن سے نکال دو کہ موت تمھاری مصیبتوں اور پریشانیوں کا خاتمہ کر دے گی وہاں تو موت کو بھی موت آجائے گی اور یوں عذاب سے چھٹکارے کی آخری امید بھی جاتی رہے گی۔ جہنمی اِدھر اُدھر سے مایوس ہو کر براہِ راست اللہ تعالےٰ سے درخواست کریں گے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ قَالَ اخْسَـُٔوْا

اے ہمارے پروردگار ہمیں اس سے نکال، اگر ہم (دوبارہ بُرے کام) کریں تو

فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ (سورۃ الحج)

بیشک ہم ظالم ہیں اللہ فرمائیگا کہ اسی میں خوار پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو،

جب وہ دیکھیں گے کہ جہنم سے نکلنے اور دنیا میں دوبارہ واپس جانے کی تو کوئی امید نہیں تو وہ جہنم کے داروغہ سے کہیں گے کہ عذاب میں کچھ تخفیف کرا دو۔ سورۂ مؤمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوْا اَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ط قَالُوْا بَلٰى ط قَالُوْا فَادْعُوْا ط وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝

(سورۂ مؤمن)

اور جو دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ایک دن ہم سے عذاب ہلکا کر دے وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی دلیلیں لے کر نہیں آئے تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں، کہیں گے تو تم خود ہی دعا کرو، کافروں کی دُعا تو بے کار ہے۔

غلطی ہماری ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے جہنم اور جہنم کی سزاؤں کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں میں نے زیادہ تر قرآن مجید کی آیات پر انحصار کیا ہے، اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جہنم بہت بُری جگہ ہے، وہاں آگ کا فرش اور بچھونا ہوگا۔ آگ کا سائبان ہوگا، آگ کا لباس ہوگا۔ آگ کے ستون ہوں گے، وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوگی، وہاں معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ پینے کے لئے جہنمیوں کی پیپ اور کھانے کے لئے سینڈھ کا درخت ہوگا۔ وہاں موت نہیں آئے گی اور

جو زندگی وہاں حاصل ہوگی وہ موت سے بدتر ہوگی، کھال اُدھڑ جائے گی اور شکل بگڑ جائے گی، انتڑیاں کٹ کر باہر نکل جائیں گی ——————— ——— میں اور آپ گرمیوں کی دُھوپ برداشت نہیں کر سکتے، دہکتی ہوئی آگ کے پاس کھڑے نہیں ہو سکتے، بدمزہ کھانا نہیں کھا سکتے معمولی سا زخم ہم پر نیند اور آرام کو حرام کر دیتا ہے ——————— جب ہم دنیا کی یہ چھوٹی موٹی تکلیفیں اور بیماریاں برداشت نہیں کر سکتے تو آخرت کے وہ عذاب اور وہ سزائیں کیسے برداشت کر سکیں گے جن کے تصوّر ہی سے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، مگر جیسا کہ میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالے اپنے بندوں سے بڑی محبّت کرنے والا ہے، بڑا پیار کرنے والا ہے، وہ رحمٰن ہے وہ رحیم ہے وہ غفور ہے، وہ کریم ہے وہ چاہتا ہے کہ میرے بندے جہنم میں جانے سے بچ جائیں، اسی مقصد کے لئے اس نے انبیاء بھیجے اور بالآخر سیّد الرّسل محمد رسولُ اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کو بھیجا، کتابیں نازل فرمائیں، اور سیّد الکتب قرآن کریم نازل کیا جس میں ہر ممکن طریقے سے بندوں کو جہنم سے بچنے کا طریقہ اور جنت میں جانے کا راستہ بتایا گیا ہے مگر غلطی انسان کی ہے، غلطی ہماری ہے کہ ہم از خود جنت کا راستہ چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کرتے ہیں، غفران کی بجائے خسران کو پسند کرتے ہیں، رحمٰن کے مقابلے میں شیطان کو ترجیح دیتے ہیں، ہدایت کی راہ چھوڑ کر ضلالت کی راہ پر چل پڑتے ہیں، ہم جس قسم کے اعمال کرتے ہیں، وہ جہنم کے انگارے بھی بن سکتے ہیں، اور جنت کے پھل اور پھول بھی، بعض اعمال قیامت کے دن سایہ دار اور پھلدار درختوں کا رُوپ دھار لیں گے۔ اور بعض اعمال سانپ اور بچھّو کی شکل اختیار کر لیں گے۔

اَعمال کو چھوڑ یئے اقوال اور کلمات تک اپنا ایک اثر اور نتیجہ رکھتے ہیں، سبحانَ اللہ اور الحمدُ للہ اور اللہ اکبر جیسے پاکیزہ کلمات اپنے کہنے والے کی آخرت کو گلزار بنا سکتے ہیں اور کفر و شرک پر مشتمل کلمات کہنے والے کی آخرت کو تباہ کر سکتے ہیں۔

ایک سندھی کہاوت

مجھے اس موقع پر ایک سندھی کہاوت یاد آرہی ہے جو اَدتا ٹیو فقیر کی طرف منسوب ہے، کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنی والدہ کے ساتھ جنگل میں تھا۔ والدہ نے کہا۔ کھانا پکانا ہے جاؤ کہیں سے آگ لے کر آؤ۔ اَدتا ٹیو فقیر نے اِدھر اُدھر آگ تلاش کی مگر اسے کہیں آگ نہ ملی، وہ ناکام ہو کر واپس لوٹا اور آکر کہا کہ ماں میں نے بہت تلاش کیا مگر مجھے کہیں بھی آگ نہیں ملی، والدہ نے غصّے میں آکر کہا تو جہنم میں چلا جاتا وہاں تو تمھیں آگ مل ہی جاتی۔ اَدتا ٹیو فقیر نے بڑی معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔ ماں، جہنم میں آگ کہاں ہے وہاں تو ہر شخص اپنی آگ اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اعمال کی شکل میں سانپ، بچھو اور جہنم کے انگارے جمع کر رہے ہیں۔ مگر ہمیں شاید آخرت پر اور جنت و دوزخ کے وجود پر یقین نہیں ہے اور اگر یقین ہے بھی تو بہت کمزور قسم کا ہے، ہم نے علماء سے، بزرگوں، اِدھر اُدھر کے مسلمانوں سے سنا کہ قیامت ہوگی، حساب و کتاب ہوگا۔ پھر جنت یا دوزخ ہوگی، ہم بھی سُن سنا کر یہی کچھ کہنے لگے مگر دل کی گہرائیوں میں یہ عقیدہ اُتر نہیں سکا۔

یقین رکھنے والے

ورنہ جو قیامت پر، حساب کتاب پر، جزاء سزاء پر، جنت و دوزخ پر سچّا یقین

رکھنے والے لوگ تھے، ان کے سامنے اگر جہنم کا تذکرہ کر دیا جاتا تھا تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ صحابہ کرام رضؓ کے سامنے اگر قیامت کا تذکرہ ہوتا تو ان پر رقّت طاری ہو جاتی تھی، ان میں سے بعض بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ ابو داؤد شریف میں ہے کہ ایک بار دو صحابیوں میں وراثت کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ان میں کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھا۔ وہ دونوں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا میں ایک انسان ہوں، ہو سکتا ہے کہ تم میں کوئی چرب زبان اور تیز طرار ہو، اس کی باتوں سے متاثر ہو کر مَیں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ لیکن اگر اس کا یہ حق نہیں تھا بلکہ اس نے محض تیز طراری کی بناء پر اپنے حق میں فیصلہ کروا لیا تو اسے یقین کر لینا چاہیئے کہ مَیں نے اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق لٹکا دیا ہے۔ دونوں صحابی آخرت کے خوف سے رونے لگے اور ان میں سے ہر ایک اپنا حق دوسرے کو دینے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ جب سورۃ الحج کی یہ آیت نازل ہوئی :۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ — لوگو! اپنے اللہ سے ڈرو، کیونکہ قیامت کا زلزلہ ایک بڑی مصیبت ہو گی۔

تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کیطرف خطاب کر کے فرمایا :۔

"جانتے ہو یہ کون سا دن ہے، یہ وہ دن ہے، جب اللہ آدم سے کہے گا کہ آگ کی فوج بھیجو، وہ کہیں گے، اے اللہ! آگ کی فوج کون ہے، اللہ کہے گا۔ ہزار میں نو سو ننانوے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور جنّت میں صرف ایک جائے گا۔"

صحابۂ کرام رضؓ نے یہ سُنا تو بے اختیار سب رونے لگے :

ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک بار جہنم میں جانے والے دولت مند، مجاہد اور قاری والی مشہور روایت بیان کرنے لگے تو بیان کرنے سے پہلے تین بار روتے ہوئے بیہوش ہو گئے اور جب یہی روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے بیان کی گئی تو وہ اتنا روئے کہ روتے روتے ہلاکت کے قریب ہو گئے تھے۔

ایک بار رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی غرور ہوگا تو وہ مرنے کے بعد دوزخ میں داخل ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو رونے لگے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں روتے ہو، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ کی بات سن کر رونا آگیا۔ آپؐ نے فرمایا، تمہیں خوشخبری ہو کہ تم جنتی ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مقام اور ان کے کارناموں سے کون مسلمان ناواقف ہے۔ آپ وہ عظیم شخصیت ہیں کہ جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنا دی تھی لیکن اس کے باوجود قیامت کا خوف اور جہنم کا ڈر اتنا غالب تھا کہ ایک موقع پر فرمانے لگے کہ ہم جو رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد کیا اور بہت سے نیک کام کئے، ان کا ثواب تو ہمیں مل جائے، لیکن آپ کے بعد جو نیک کام کئے تو اس کے بدلے میں صرف دوزخ سے بچ جائیں۔ اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں۔ تو خدا کی قسم! مجھے غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہمیں اللہ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کا یقین آجائے تو ہمارے لئے ان اعمال سے بچنا بہت آسان ہو جائے جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

جہنم میں لے جانے والے اعمال

پچھلی نشست میں آپ حضرات جہنم اور جہنم کی سزاؤں کا بیان سن چکے ہیں، آج کی نشست میں انتہائی اختصار کے ساتھ ان اعمال کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

سب سے پہلا عمل یا عقیدہ کہہ لیں جو جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بنتا ہے، وہ کفر و شرک ہے اگر کوئی شخص صاحب ایمان ہے مگر گنہگار ہے، خواہ وہ صغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو یا کبیرہ گناہوں میں، اس کی مغفرت اور بخشش کی کوئی نہ کوئی صورت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سزا دیئے بغیر اسے ویسے ہی معاف کر دیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ وقت تک اسے جہنم میں رکھ کر گناہوں کی غلاظت اور نجاست سے پاک کر کے اسے جنت میں داخل کر دیا جائے، لیکن کفر و شرک کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ کافر اور مشرک کی کسی حالت میں اور کبھی مغفرت اور نجات نہیں ہو سکتی ان کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحمت کے دروازے بند کر دئیے گئے ہیں۔ سورۃ العنکبوت میں ہے:

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَلِقَآئِہٖٓ اُولٰٓئِکَ یَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَاُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (سورۃ العنکبوت)

اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو اور اس کے سامنے حاضر ہونے کو نہیں مانتے، یہی لوگ ہماری رحمت سے ناامید ہو بیٹھے ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کو دردناک عذاب ہونا ہے۔

کافروں اور مشرکوں کے ساتھ ساتھ اعتقادی منافقوں کا ٹھکانہ بھی جہنم ہوگا۔ بلکہ انہیں سب سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی۔ سورۂ نساء میں ہے:-

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ بیشک منافق دوزخ کے سب سے نیچے

مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ‏ کے درجے میں ہوں گے اور تو کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پائے گا۔ (النساء)

ترک عبادات

ایمان قبول کرنے کے بعد مسلمان پر کئی عبادتیں فرض ہو جاتی ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے جو کہ ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب، مسافر ہو یا مقیم، تندرست ہو یا بیمار، مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، امن ہو یا جنگ، ہر حالت میں ہر مسلمان پر نماز فرض ہے، کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے، رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو اشارے سے پڑھے، وضو اور غسل نہیں کر سکتا تو تیمم سے پڑھے لیکن نماز کا پڑھنا بہر حال ضروری ہے۔ جب تک زندگی کا رشتہ بحال ہے اور حواس قائم ہیں، نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں، نماز کا چھوڑنا جہنم میں لے جانے کا ایک اہم سبب ہے۔ سورۂ مدثر ہے کہ اہل ایمان قیامت کے دن گنہگاروں سے سوال کریں گے۔

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ۝

تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا وہ کہیں گے کہ ہم نمازیوں میں نہ تھے اور محتاج کو کھانا نہیں دیتے تھے اور بیہودہ بکواس کرنے والوں کے ساتھ بکواس کیا کرتے تھے، اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی

قیامت کے دن بندے سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر وہ درست نکلی تو وہ بامراد اور کامیاب ہوگا اور اگر بے کار ثابت ہوئی تو بندہ نامراد اور ناکام ہوگا۔ (ترمذی، نسائی)

مسلم شریف میں حدیث ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"آدمی کو کفر و شرک سے ملانے والی چیز ترکِ نماز ہے"
مُسند احمد میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
جو شخص نماز کا پابند ہو، نماز اس کے لئے قیامت کے روز نور، دلیل و برہان اور وسیلۂ نجات ثابت ہوگی ورنہ اس کا حشر فرعون و ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا"

زکوٰۃ

نماز کے بعد زکوٰۃ کا نمبر ہے جو کہ ہر صاحبِ نصاب مُسلمان پر فرض ہے، قرآن کریم میں اکثر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے کتنے ہی مقامات پر

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

کہہ کر گویا بتا دیا گیا ہے کہ اے ایمان والو تم پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ جو لوگ مال جمع کرنے کی فکر میں تو لگے رہتے ہیں مگر زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لئے قرآن کریم میں اور احادیث نبویہ میں سخت ترین وعیدیں آئی ہیں، سورۂ توبہ کی نمبر ۳۴ اور آیت نمبر ۳۵ میں ہے:۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ہ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَ ظُھُوْرُھُمْ ط ھٰذَا مَاکَنَزْتُمْ	اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اُس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جو اس روز (واقع ہوگا) جبکہ اس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا، پھر اس سے اس کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائیگا (اور کہا جائے

لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ۝ گا) یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہتے تھے، پس اب مزہ چکھو، اپنے جمع کرنے کا۔ (سورہ توبہ)

بخاری شریف کی حدیث ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دیگا اس کا مال قیامت کے دن اس کے لئے گنجا سانپ بن جائیگا۔ جس کی پیشانی پر دو نقطے ہوں گے وہ اس کے گلے میں طوق بنے گا۔ اور اس کے جبڑے پکڑ کر کہے گا کہ میں تمہارا مال ہوں

اور مسند احمد کی روایت ہے کہ اس سانپ سے اس مال کا مالک بھاگنا چاہے گا لیکن سانپ اسے پکڑ لیگا اس کی انگلیاں اس کے منہ میں دیدے گا۔ یا وہ شخص اس سے بچنے کے لئے اپنی انگلیاں سانپ کے منہ میں دیدے گا۔

جس مال پر انسان دنیا میں خزانے کا سانپ بن کر بیٹھا تھا وہ مال قیامت کے دن واقعی اس کے لئے سانپ بن جائے گا۔

نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ روزہ اور حج بھی فرائض میں سے ہیں۔ مگر کتنے ہی لوگ ہیں جو صحت کے باوجود روزے نہیں رکھتے اور کتنے ہی لوگ ہیں جو دنیا بھر کے تفریحی اور تجارتی دورے کرتے ہیں مگر حج کے لئے انہیں حرمین شریفین جانے کی توفیق حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو جان لینا چاہیئے کہ وہ اپنے لئے جہنم میں جانے کا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

حرام مال کمانا

حرام مال کمانا، حرام غذا کھانا، حرام کا پیسہ جمع کرنا، حرام کے پیسے سے مکان گاڑی، لباس اور دوسری ضروریات خریدنا، یہ چیز آج ہمارے

معاشرے میں عام ہوگئی ہے۔ لوگ اپنا اسٹیٹس اور سوسائٹی میں جھوٹی عزت بنانے کے لئے حلال اور حرام میں کوئی امتیاز نہیں کرتے، ہمارے اندر مال کی ہوس اتنی عام ہوگئی ہے کہ ہم نہیں، پیسہ کمانے والی مشینیں بن کر رہ گئے ہیں، ہمیں تو پیسہ چاہیئے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے آئے، اللہ جل مجدہٗ کے حکم توڑ کر آئے تو؟ کسی کا حق دبا کر آئے تو! چوری، ڈاکہ، غصب ونہب اور ملاوٹ کر کے آئے تو! رشوت، فراڈ، اور یتیموں، بیواؤں، بھائی، بہنوں کا حق دبا کر آئے تو! ہیروئن، افیون شراب بلکہ اپنی عزت وآبرو بیچ کر آئے تو!

بس پیسہ آنا چاہیئے تاکہ ہم شادی غمی کے موقع پر اپنی جھوٹی عزت کا بھرم قائم رکھ سکیں۔

تاکہ ہم ہر سال نئے ماڈل کی گاڑی خرید سکیں۔

تاکہ ہم کسی مالدار علاقہ میں شاندار بنگلہ خرید سکیں۔

تاکہ ہمارے بچے مہنگے انگلش اسکولوں میں تعلیم حاصل کرسکیں،

مگر ہم نے کبھی نہ سوچا کہ ہم نے رشوت کے پیسے، منشیات کی دولت سے، فراڈ اور غصب کے روپے معاشرے میں تو اپنی ناک اونچی کرلیں، مگر یہ حرام مال آخرت میں ہماری ناک کٹنے کا ذریعہ بن جائیگا۔ یہ حرام مال ہمیں جہنم میں لے جانیکا سبب بن سکتا ہے۔ یہ حرام مال ہمارے تمام نیک اعمال کو تباہ کرسکتا ہے۔

ابو داؤد میں حدیث شریف ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔" جو شخص گناہ سے مال کماتا ہے، پھر وہ اس سے عزیزوں کی امداد کرتا ہے یا صدقہ خیرات کرتا ہے یا اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے،

یہ سب کچھ قیامت کے دن جمع کیا جائیگا اور اس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔"

بیہقی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ وہ جسم جنت میں نہیں جائیگا جس غُذِيَ بِالْحَرَامِ ط نے حرام غذا سے پرورش پائی۔

یوں تو یہ احادیث ہم سب کے لئے اپنے اندر عبرت کا سامان رکھتی ہیں لیکن وہ حضرات جو عبادت بھی کرتے ہیں۔ حرام مال بھی کھاتے ہیں صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں اور رشوت بھی کھاتے ہیں، انہیں خاص طور پر سوچنا چاہیئے کہ کہیں ہماری حرام کمائی ہمیں جہنم میں لے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے آخرت میں تو جو کچھ ہو گا۔سو ہو گا۔ آج دنیا میں بھی ہماری دعاؤں میں جو اثر نہیں رہا تو اس کی بڑی وجہ بھی حرام ذریعہ معاش ہے۔

کشمیر میں مسلمان مظلوم ہیں، بوسنیا میں ان کی عزتیں لوٹی جا رہی ہیں انڈیا میں ان کا مال جان غیر محفوظ ہے خود پاکستان میں ہم طرح طرح کے مظالم اور ناانصافیوں کا شکار ہیں، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے لئے چیخ چیخ کر، ہاتھ ملیے کر کے، زور زور سے دُعائیں کی جاتی ہیں، ہزاروں کا مجمع ان دعاؤں پر آمین آمین کہتا ہے، مگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، نہ کافر مغلوب ہوتے ہیں، نہ مشرک نیست و نابود ہوتے ہیں، نہ دہشت گرد فنا ہوتے ہیں، نہ ظالموں سے ہم کو نجات ملتی ہے، نہ چوروں اور ڈاکوؤں سے ہم کو چھٹکارا ملتا ہے، نہ مہنگائی ختم ہوتی ہے، نہ بیماریوں سے شفا ملتی ہے نہ آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں ختم ہوتی ہیں۔ تو اس کی بہت بڑی وجہ بھی

یہی ہے کہ ہر طرف حرام کی کثرت ہے، چند خوش قسمت افراد کے سوا پوری کی پوری قوم سر سے پاؤں تک حرام میں ڈوبی ہوئی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ	جس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس
حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ	حرام اور غذا حرام ہو، تو ایسے شخص کی
بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذَالِكَ	دعا کیسے قبول ہوگی۔

انفرادی اور اجتماعی مسائل کے بارے میں ہماری دعائیں کیسے قبول ہوں گی جب کہ حرام کو ہم نے اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے یوں تو حرام کی مختلف صورتیں ہم نے اپنا رکھی ہیں لیکن جو صورت سب سے زیادہ عام ہے وہ سود خوری کی صورت ہے، ہمارا سارا حکومتی نظام سود کے لین دین پر مبنی ہے حالانکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے سود کھانے والے پر، سود دینے والے پر، سود کا معاملہ لکھنے والے پر، سود کا گواہ بننے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ سود کا ایک درہم چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ بُرا ہے اور یہ کہ جو گوشت سود کے پیسے سے بنے گا وہ آگ میں ضرور جلے گا۔

اعضاء کا غلط استعمال

جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بننے والے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب اللہ تعالے کے دیئے ہوئے اعضاء کا غلط استعمال بھی ہے۔

اللہ تعالے نے ہمیں جو اعضاء دیئے ہیں، یہ اس کا بہت بڑا انعام

ہیں، سوچئے تو سہی اگر آنکھوں میں بینائی نہ ہوتی، کانوں میں شنوائی نہ ہوتی زبان میں گویائی نہ ہوتی تو کیا ہوتا ؟

اللہ تعالےٰ کے اس انعام کا تقاضا یہ ہے کہ ان اعضاء کو اسی طریقے سے اور اسی جگہ استعمال کیا جائے، جہاں اللہ تعالےٰ نے استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، زبان ہی کو لے لیجئے اس کا صحیح استعمال ہمیں جنت میں لے جا سکتا ہے اور جہنم میں بھی، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"بعض اوقات انسان اللہ تعالےٰ کی رضامندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے، لیکن اسے اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا، لاپرواہی سے وہ کلمہ زبان سے ادا کر دیتا ہے مگر اس کلمہ کی وجہ سے اللہ تعالےٰ جنت میں اس کے درجات کو بلند فرما دیتا ہے اور بعض اوقات ایک انسان اللہ تعالےٰ کو ناراض کرنے والا کوئی کلمہ زبان سے نکال دیتا ہے، اور اسے اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی، لیکن وہ کلمہ اس کو جہنم میں لے جا کر گرا دیتا ہے۔

کافر تھا، زبان سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

گنہ گار تھا، زبان سے سچے دل سے استغفار کر کے توبہ کر لی۔

زبان سے کسی کو کلمہ پڑھا دیا، دین سکھا دیا۔

کسی پریشان حال اور شکستہ دل کو دیکھا تو تسلی کے دو بول کہہ دیئے۔

جب بھی موقع ملا زبان سے ذکر کرتا رہا۔

تو زبان کا یہ صحیح استعمال انشاء اللہ اسے جنت میں پہنچا دیگا۔

لیکن اگر زبان سے اس نے کلمۂ کفر نکال دیا

زبان سے دین کا، اللہ کے کسی حکم کا، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا مذاق اُڑا دیا، یا کسی مسلمان کا دل دکھا دیا۔
زبان سے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے میاں بیوی میں تفریق ہو گئی، یا دو مسلمانوں میں لڑائی ہو گئی۔ قتل اور لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔
تو زبان کا یہ غلط استعمال اسے جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے یوں ہی آنکھوں اور کانوں کا غلط استعمال بھی اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔

فلمیں اور ڈرامے

آج گھر گھر میں ٹی وی اور وی سی آر سے فحش گانے سُنے جاتے ہیں، گندے ڈرامے اور فلمیں دیکھی جاتی ہیں، ناچ گانا میوزک اور ڈانس ہماری گھریلو زندگی کا حصہ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا یہ کان اور آنکھ کا غلط استعمال نہیں ہے، افسوس تو یہ کہ بہت سے نام نہاد دیندار بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو رات کا گانا گاتے ہوئے سنا، تو آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا۔ لَاصَلَاۃَ لَہٗ، لَاصَلَاۃَ لَہٗ، لَاصَلَاۃَ لَہٗ (نیل الاوطار) اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں۔
حضرت انس رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَۃٍ وَرَنَّۃٌ عِنْدَ مُصِیْبَۃٍ	دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں خوشی کے وقت گانے کی آواز اور مصیبت کے وقت نوحے کی آواز

افسوس کہ آج یہ ملعون آوازیں گھر گھر سے اُٹھ رہی ہیں اور ان آوازوں کے ساتھ ساتھ گھروں سے عزت کے جنازے بھی اُٹھ رہے ہیں۔ ایسے ایسے واقعات پیش آرہے ہیں جن میں باپ بیٹی کے ساتھ اور بھائی بہن کے ساتھ منہ کالا کرتے ہیں اور پھر وہ اعتراف کرتے ہیں کہ گندی اور فحش فلمیں دیکھنے کی وجہ سے ہم نے یہ حرکت کی۔ انشاءاللہ فلموں اور ڈراموں کے بارے میں کسی دوسری نشست میں تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

حقوق العباد کا ضیاع

جہنم میں جانے کا ایک بہت بڑا سبب حقوق العباد کا ضائع کرنا بھی ہے۔

ممکن ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی شانِ رحیمی کی بناء پر کسی کو اپنے حقوق معاف کردیں۔ لیکن بندے کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے، جب تک ان کی تلافی نہ کردی جائے یا ان کی سزا نہ دیدی جائے،

حقوق العباد میں سے سب سے زیادہ اہمیت کسی کی جان کی ہے اور قیامت کے دن بندے کے حقوق میں سے سب سے پہلا سوال قتلِ ناحق کے بارے میں ہوگا۔

میرے ناقص مطالعہ کی حد تک قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کسی گناہگار کے بارے میں اتنا سخت انداز اختیار نہیں فرمایا، جتنا سخت انداز کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے والے کے بارے میں اختیار فرمایا ہے

سورۂ نساء میں ہے:۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا	اور جو کسی مسلمان کو قصداً قتل کریگا تو اس
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا	کا بدلہ دوزخ ہے وہ اس میں پڑا رہے
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ	گا۔ اور اللہ اس پر ناراض ہوا اور اس پر

لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا

ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"اگر آسمان اور زمین والے کسی مؤمن کا خون بہانے میں شریک ہو جائیں
تو اللہ ان سب کو دوزخ میں ڈالے گا"

جان کے بعد مسلمان کے مال اور عزّت وآبرو کی اہمیت ہے۔ صحیح مسلم
میں حدیث ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"جو کوئی قسم کھا کر مسلمان کا (مالی) حق ماریگا، اللہ اس کے لئے
دوزخ واجب اور جنت حرام کر دیگا، ایک شخص نے عرض کیا
کی یا رسول اللہ اگر کوئی معمولی سی چیز ہو تب بھی؟ آپ نے فرمایا
درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو"

اسی طرح بخاری و مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا:۔

مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ ۝

جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلماً (زبردستی) لے گا تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن سات زمینوں کو اس کی گردن میں ڈالیگا

مسلمان کے مال کیطرح اس کی عزّت وآبرو کی حفاظت بھی ضروری
ہے اگر بالفرض کسی کے اندر ہم کوئی عیب دیکھ بھی لیں تو بھی اس کی پردہ پوشی
کرنی چاہیئے اگر دنیا میں ہم کسی مسلمان عیوب پر پردہ ڈالیں گے تو قیامت
کے دن اللہ تعالےٰ ہمارے عیوب پر پردہ ڈالیگا۔ اور اگر ہم نے دنیا میں کسی
مسلمان کے عیوب کھولے اور ان کی تشہیر کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارے
عیوب کی تشہیر کریگا۔

باطنی امراض

کسی کے جہنم میں داخل ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب باطنی امراض اور گناہ بھی ہیں، جن کیطرف بہت کم لوگوں کی توجہ ہے، شاید ان کی ضرر رسانی کماحقہ ہمارے ذہن میں نہیں ہے، یوں تو باطنی امراض کی فہرست بہت طویل ہے لیکن میں اس وقت ان میں سے صرف دو گناہوں کیطرف آپ کی توجہ خاص طور پر مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ایک تکبّر دوسرا حسد

قیامت کے دن متکبروں کو حکم ہوگا۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ — پس جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ

فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ٥ — سو متکبروں کا کیا برا ٹھکانہ ہے

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبّر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

حسد کی قباحت و شناعت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فلق میں حسد کرنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اور حدیث میں آتا ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے"

محترم حاضرین! ہمیں اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی صفائی اور دل کے تزکیہ کی بھی فکر ہونی چاہیئے۔

اخلاقی خرابیاں

جہنم میں لے جانے والے اعمال میں سے ایک عمل اخلاقی خرابیاں بھی ہیں، یعنے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، کسی پر بہتان باندھنا، امانت میں خیانت کرنا، فضول خرچی کرنا، دیوثّ اور بے حیا ہونا، گالی، گلوچ کرنا۔

قرآن کریم میں بار بار آیا ہے :-

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ٥ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت

وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے منافق کی نشانیاں بتایا ہے۔

بے حیائی کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

عورتوں کا بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلنا یہ بھی بے حیائی ہے۔

اجنبی مَردوں سے بلا ضرورت باتیں کرنا یہ بھی بے حیائی ہے۔

مَردوں کا دوسروں کے گھروں میں جھانکنا یہ بھی بے حیائی ہے۔

عورتوں کو تاڑنا اور نظر بازی کرنا یہ بھی بے حیائی ہے۔

مَردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی مشابہت کرنا یہ بھی بے حیائی ہے اور زنا کرنا تو گویا بے حیائی کا آخری اور انتہائی درجہ ہے۔ سورۃ الفرقان میں رب تعالےٰ زنا کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں :-

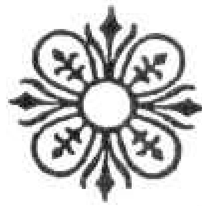
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ٥ (الفرقان)

اور جو کوئی ایسا کریگا (یعنی زنا) اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائیگا۔ وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہیگا

میرے بزرگو اور دوستو! مَیں نے انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے جہنم کا، جہنم کی سزاؤں کا اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کا تذکرہ کیا ہے۔ جہنم تو ظاہر ہے، مَرنے کے بعد ہی ہوگی۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو ہماری بَداعمالیوں کی وجہ سے ہماری یہ دنیا کی زندگی بھی جہنم کا نمونہ بن چکی ہے، ہمیں سکون حاصل نہیں، تحفظ حاصل نہیں، قتل و غارت گری ہے، لڑائی

جھگڑے ہیں، گھروں میں عداوتیں ہیں، اولاد باغی ہو چکی ہے، ڈاکوؤں کا راج ہے، بھتہ لینے والوں کی حکمرانی ہے، کمینہ صفت لیڈروں کا تسلط ہے، انتظامیہ کرپٹ ہے، رشوت کا بازار گرم ہے، ہر طرف لاقانونیت ہے، ظلم کا اندھیرا ہے، گلی کوچوں میں خوف کا بسیرا ہے ——————— اس ماحول میں کتنے ہی لوگ ہیں جو اندر ہی اندر جل رہے ہیں۔ یہ عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔ اسے میں جہنم کی جھلک نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔ آیئے ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں تاکہ ہم اس جہنم سے بھی محفوظ رہیں اور اس جہنم سے بھی نجات پائیں۔

وما علینا الا البلاغ



یہود اور ہم

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

علامہ محمد اقبالؒ

میرے بزرگو اور دوستو! اللہ کا جو قانون ہے وہ سب کے لئے ہے۔ معاذ اللہ! وہ ظالم نہیں کہ ایک کو گناہ کی وجہ سے سزا دے اور دوسرے کو انعام دے، عزت اور ذلت، کامیابی اور ناکامی، عذاب اور ثواب کے جو لگے بندھے ضابطے ہیں۔ وہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی تھے اور مسلمانوں کے لئے بھی ہیں۔ اگر کتمانِ حق کی وجہ سے، عقیدۂ آخرت میں بگاڑ کی وجہ سے، اللہ کے احکام میں تحریف کی وجہ سے، دورنگی اور منافقت کی وجہ سے، بدعملی اور بدعہدی کی وجہ سے فرقہ واریت اور توہم پرستی کی وجہ سے، مالی معاملات میں گڑبڑ اور حرام خوری کی وجہ سے، زندگی سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے، دین کو اپنی خواہشات کے "تابع بنانے کی وجہ سے ________ یہودیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہو سکتا ہے تو ہم پر کیوں نہیں نازل ہوگا، اگر یہودیوں پر ذلت مسلط ہو سکتی ہے تو ہم پر کیوں نہیں مسلط ہو سکتی ________ اور ہو سکنے کا کیا مطلب؟ ہم پر تو ذلت مسلط ہو چکی ہے کشمیر سے لے کر بوسنیا تک، نو آزاد ریاستوں سے لے کر فلسطین تک، ایشیاء سے افریقہ تک ذرا غور سے دیکھئے کون پٹ رہا ہے؟

یہود اور ہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا	اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو
الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ	دوست نہ بنا لینا۔ یہ دونوں آپس میں
بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط	ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو
وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ	کوئی ان کو اپنا رفیق بنائے گا، اس کا شمار
فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا	بھی انہیں میں ہوگا۔ اور ایسے ظالموں کو
یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝	یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو	حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیَاْتِیَنَّ	نے فرمایا کہ میری اُمت پر بھی ویسا
عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی	زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر
بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ	آیا تھا بالکل درست اور ٹھیک جیسی
بِالنَّعْلِ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْهُمْ	کہ دونوں جوتیاں برابر اور ٹھیک ہوتی
مَنْ اَتٰی اُمَّهٗ عَلَانِیَةً لَکَانَ	ہیں، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے

فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِکَ   اگر کسی نے ماں سے علانیہ بدفعلی کی ہوگی تو میری اُمّت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے (ترمذی)

جو ایسا کریں گے۔

گرامی قدر حاضرین! سورۃ المائدۃ کی جو آیت کریمہ مَیں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے۔

کفر یہودیت کی شکل میں ہو یا نصرانیت کی شکل میں، ہندو مذہب کی صُورت میں ہو یا بدھ مذہب کی صُورت میں، مجوسیت کے رُوپ میں ہو یا الحاد ولامذہبیت کے لبادے میں، کفر مشرق کا ہو یا مغرب کا چین کا ہو یا روس کا ——— کفر ایک ہی ملّت ہے. کفر جس شکل میں بھی ہو، وہ اسلام کا دوست نہیں ہو سکتا، کہ یہ ایسی دُو ضدّیں ہیں جو کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

ایک آگ ہے دوسرا پانی

ایک بلندی ہے دوسرا پستی

ایک دن ہے دوسرا رات

ایک زمین ہے دوسرا آسمان

ایک رحمت ہے دوسرا لعنت

ایک جہنّم ہے دوسرا جنّت

ایک رحمٰن سے ملاتا ہے دوسرا شیطان سے۔

یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ آگ

اور پانی دن اور رات تو شاید جمع ہو بھی جائیں لیکن کفر اور ایمان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، ہاں مختلف قسم کے کفر آپس میں جمع ہو جائیں تو کوئی انہونی بات نہیں، اس لئے ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ کافروں سے دوستی نہ رکھو۔

یوں تو سارے ہی کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں لیکن ان میں سے یہود اور نصارٰی اور خاص طور پر یہود کی اِسلام دشمنی میں تو ذرہ برابر بھی شک نہیں، سورۃ المائدہ میں ہے:۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ شدید یہود کو پاؤ گے اور ان کو جو شریک بتاتے ہیں۔

یہود کی اسلام دشمنی کے واقعات سے یوں تو تاریخ بھری پڑی ہے لیکن ان کی اسلام دشمنی کے ثبوت کے لئے ہمیں تاریخ کے اوراق کھنگالنے کی ضرورت نہیں بلکہ اگر آپ اس وقت پوری دنیا میں ان علاقوں اور خطوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالیں، جہاں مسلمان ظلم و ستم کا شکار ہیں تو آپ کو اس ظلم و ستم کے پیچھے کسی نہ کسی انداز میں کسی نہ کسی سطح پر یہودیوں کا ہاتھ دکھائی دیگا۔ لیکن اس وقت میرا موضوع یہ نہیں کہ حالات و واقعات کی روشنی میں آپ کے سامنے یہودیوں کی مسلمان دشمنی کو ثابت کروں۔ بلکہ آج کی نشست میں جو بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہم اپنی نظروں سے رسُولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی پوری کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ جس میں آپ نے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا۔ جب تم یہود کے نقش قدم پر چلو گے اور اُن کے طور

طریقوں کو اختیار کرو گے چنانچہ اب وہ وقت آچکا ہے۔ اور مسلمانوں کے عوام اور خواص کی اکثریت نے یہودیوں کے اعمال کو ان کے خیالات کو اور ان کے انداز کو اپنا لیا ہے۔

مسلمان یہود کے نقش قدم پر

یقیناً آپ کو میرے یہ الفاظ کچھ سخت محسوس ہوں گے اور ہو سکتا ہے۔ آپ میں سے بعض اسے دیوانے کی بڑ یا ایک مولوی کی مبالغہ آرائی قرار دیں لیکن جب آپ کتاب و سُنت کی روشنی میں یہود کے افکار و اعمال کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے گریبانوں میں نظر ڈالیں گے اور دورِ حاضر کے نام نہاد مسلمانوں کے شب و روز کا مطالعہ کریں گے۔ تو آپ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ واقعی یہودیوں سے نفرت کرنے کے باوجود اور ان پر لعنت بھیجنے کے باوجود شاید ہم لاشعوری طور پر یہود کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

یہودی مولویوں کی خرابیاں

وہ خرابیاں جو ربِّ کریم نے یہودیوں کے مولویوں اور پیروں میں بیان فرمائی ہیں وہ دورِ حاضر کے بعض نام نہاد مولویوں اور پیروں میں پائی جاتی ہیں۔

مَیں علماءِ حق کی بات نہیں کرتا ہیں صرف علماءِ سُو کی بات کر رہا ہوں مَیں سارے مولویوں کو مطعون نہیں کرتا بلکہ صرف ان مولویوں کی نشاندہی کر رہا ہوں جن کے سب سے بڑے خدا کا نام روپیہ پیسہ ہے اور جو پیٹ کی خاطر اِسلام کے ابدی اَحکام میں تحریف کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔

وہ جن کا قال کچھ ہے اور حال کچھ ہے

وہ جن کی جلوت اور خلوت میں بُعد المشرقین ہے۔

وہ جو کہ کہتے ہیں مگر کرتے نہیں سمجھاتے ہیں مگر سمجھتے نہیں، روکتے ہیں مگر رکتے نہیں۔ انہی کے بارے میں سُورۃ البقرہ میں ہے :۔

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ	تم دوسروں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو،
وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ	مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ
تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا	تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو کیا
تَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ)	تم عقل سے کام نہ لوگے۔

ایسے ہی بے عمل یہودی مولوی تھے۔ جنھیں رب کریم نے اس گدھے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس کے اُوپر بھاری بھرکم کتابیں لاد دی جائیں۔ لیکن اسے ان کتابوں سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

بات صرف یہودی مولویوں کی نہیں مسلمانوں میں بھی کتنے ہی مولوی ہیں، جن کا یہی حال ہے۔

دوسروں کو فلمیں دیکھنے سے منع کرتے ہیں خود دیکھتے ہیں۔

دوسروں کو پردے کی تلقین کرتے ہیں لیکن اپنے گھر میں پردہ نہیں

دوسروں کو بچوں کو دینی تعلیم دلانے کی تلقین کرتے ہیں لیکن اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہیں دلاتے۔

دوسروں کو سود خوری پر وعیدیں سناتے ہیں مگر خود سود کھاتے ہیں۔

نجات کے ٹھیکیدار

یہودی مولویوں کی دوسری خرابی قرآنِ کریم میں اللہ تعالٰی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے تھے۔ انہوں نے عوام

کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ قیامت کے دن ہماری سفارش بڑے بڑے مجرموں کو جنت میں پہنچا دے گی، اس لئے اگر جنت میں جانا چاہتے ہو تو ہمیں خوش رکھو، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط خیال کی بار بار تردید فرمائی، اور سمجھا دیا کہ قیامت کے دن کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ وہ صرف جنت کے ٹھیکیدار نہیں بلکہ اپنے آپ کو پورے دین کے ٹھیکیدار سمجھتے تھے۔ جس چیز کو چاہتے تھے حرام کر دیتے تھے اور جس چیز کو چاہتے حلال کر دیتے تھے۔ گویا انھوں نے اپنے آپ کو خدائی منصب پر فائز کر رکھا تھا،

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ — ٹھہرا لیا انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی

بعض یہودیوں نے اعتراض کیا کہ ہم تو اپنے مذہبی رہنماؤں اور صوفیا کو رب نہیں بناتے پھر قرآن کیسے کہتا ہے کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر انہیں رب بناتے ہیں اس اعتراض کے جواب میں ان سے سوال کیا گیا کہ کیا ایسا نہیں کہ جس چیز کو تمہارے مذہبی رہنما حلال کہتے ہیں اسے تم بھی حلال کہتے ہو اور جسے وہ حرام کہتے ہیں اسے تم حرام کہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں تو ایسا ہے۔ تو کہا گیا کہ یہی تو ان کو رب بنانا ہے۔

تحریف و تغیر

یہودی مولویوں کی تیسری خرابی قرآنِ کریم میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ تحریف کے ماہر تھے۔ انھوں نے صرف تاریخ ہی کو اپنی تحریف کا نشانہ نہیں بنایا، بلکہ توحید رسالت، آخرت، جنت اور دوزخ کے متعلق شکوک اور شبہات پیدا کئے حتیٰ کہ اس فن کے ماہر یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اناجیلِ اربعہ کا حلیہ بگاڑ دیا۔ گڑھ دئے ہیں جو یارٹ ادا کیا ہے وہ اب کسی صاحبِ علم سے پوشیدہ

نہیں رہا۔ سورۃ البقرہ میں ہے:۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرۃ)	کیا اب تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک فریق ایسا بھی ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کا کلام سُن کر پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالا اور وہ بھی اسی کو سمجھنے کے بعد اور یہ حرکت وہ دانستہ کر رہے تھے۔

ان کی قساوتِ قلبی اور بدبختی کی انتہا یہ تھی کہ تھوڑے سے مال کی خاطر اپنے ہاتھوں کہانیاں لکھ لکھ کر اُنہیں اللہ تعالےٰ کیطرف منسوب کر دیتے تھے۔ کُتب مقدسہ کو اُٹھا کر دیکھیئے۔ ان کتابوں میں اللہ کے کلام کے ساتھ یہود کی تاریخ ان کے افسانے، اُن کے مذہبی مسائل اور فقہی مباحث اس طرح خلط ملط کر دیئے گئے ہیں کہ عام آدمی کے لئے اللہ کے کلام اور ان کے ذاتی خیالات میں امتیاز بیحد مشکل ہو جاتا ہے، اسی بناء پر اللہ تعالےٰ نے ان پر لعنت اور پھٹکار فرمائی ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۷۹ میں ہے:۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًاؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ○	ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب تصنیف کرتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کیطرف سے ہے تاکہ اس سے قدرے قلیل معاوضہ حاصل کریں، افسوسناک ہلاکت کی موجب ہیں، ان کے ہاتھ کی لکھی باتیں اور جو کمائی اس ذریعہ سے

(سورة البقرہ) انہوں نے کی ہے وہ تباہ ہونے والی ہے

فرقہ واریت

یہودی مولویوں میں چوتھی بیماری جو پائی جاتی تھی وہ فرقہ واریت تھی۔

کئی فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ترمذی کی حدیث میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں بہتر فرقوں کی خبر دی ہے ان کا دعویٰ تھا کہ صرف ہم ہی جنت میں جائیں گے کوئی دوسرا جنت میں نہیں جا سکتا۔

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ط (سورة البقرة)

اور یہود و نصاریٰ یوں کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی جانے پائے گا، سوائے ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا ان کے لوگوں کے جو نصاریٰ ہوں۔

نہی عن المنکر کا ترک

یہودی مولویوں کی پانچویں بیماری جو قرآن کریم کے مطالعہ سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔ سب کچھ اپنی نظروں کے سامنے ہوتا دیکھتے تھے۔ مگر خاموش رہتے تھے، ان کی زبانیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے گنگ ہو چکی تھیں۔ اور گنگ ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ خود بھی انہی برائیوں میں مبتلا تھے۔ سورۃ المائدہ میں ہے

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○

کیوں نہیں منع کرتے ان کے علماء اور درویش گناہ کی بات کہنے سے اور مالِ حرام کھانے سے منع کرتے بھی کیسے جبکہ وہ خود بھی اس گناہ میں بھی مبتلا ہیں۔

میں نے یہودی علماء کی پانچ بڑی بڑی خرابیاں اپنے ناقص مطالعہ قرآن سے اخذ کی ہیں۔ مَیں خود بھی علماء کی جوتیوں میں بیٹھنے والا ایک ناقص سا فرد ہوں اور عوام کی نظر میں میرا شمار بھی مولویوں میں ہوتا ہے، لیکن اسکے باوجود مَیں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ پانچوں خرابیاں بعض مسلمان مولویوں کے اندر بھی پائی جاتی ہیں ؎

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
مَیں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

میری اس بات سے کوئی راضی ہو یا ناراض۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ ایسے نام نہاد مولویوں کی کمی نہیں جو دوسروں کو کہتے ہیں، اور خود عمل نہیں کرتے۔

ایسے بھی ہیں جو جنت کے ٹھیکیدار بنے پھرتے ہیں۔ ان کی تعلی آمیز باتوں سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ بس وہی جنت جا سکیں گے، جسے وہ اجازت دیں گے اور وہ جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا جس سے یہ ناراض ہونگے
آپ کو ایسے علّامہ فہّامہ بھی مل جائیں گے جو حکمرانوں کی خوشنودی کے لئے

زمانے کے رسم و رواج نبھانے کے لئے
ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات کے لئے۔
اپنے فرقے اور جتھے کا ساتھ دینے کے لئے۔
اللہ تعالےٰ کے احکام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث

یں معنوی تحریف کے لئے تیار رہتے ہیں۔
ایسے خطیبوں اور واعظوں اور مذہبی لیڈروں کی بھی کمی نہیں جن کا اوڑھنا
بچھونا فرقہ واریت ہے۔
فرقہ واریت ان کی زندگی ہے اور اتحادِ اُمّت ان کی موت ہے۔
فرقہ واریت ان کا روزگار ہے اور اتحادِ اُمّت ان کی بیروزگاری ہے
فرقہ واریت ان کی جھوٹی عزت کا غازہ ہے اور اتحادِ اُمّت ان کی
رُوسیاہی ہے۔
اگر فرقہ واریت ختم ہو جائے تو یہ بھوکے مَر جائیں۔
ان کی دوکانیں اُجڑ جائیں
انہیں علاّمہ کہنے والا کوئی باقی نہ رہے
پانچویں اور آخری خرابی بھی آپ کو کئی مدعیانِ علم میں دکھائی دیگی۔
ہم بُرائی کا اِرتکاب دیکھتے ہیں۔
اللہ کے احکام ٹوٹتے دیکھتے ہیں۔
ظلم کی بھڑکتی ہوئی آگ دیکھتے ہیں
اور کہاں نہیں دیکھتے؟
اپنے گھر میں دیکھتے ہیں
بازار میں دیکھتے ہیں۔
حکومت کے ایوانوں میں دیکھتے ہیں
اپنے خاندان میں دیکھتے ہیں۔
اور اپنی جماعت میں دیکھتے ہیں
مگر پھر بھی خاموش رہتے ہیں۔

یہ تو چند خرابیاں وہ تھیں جو ان کے علماء میں پائی جاتی تھیں۔ اب میں چند ایسی خرابیوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو یہودی عوام میں پائی جاتی تھیں

عقیدہ آخرت کا بگاڑ

آخرت کے بارے میں یہودی عوام کے عقیدے میں بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ جھوٹی آرزوؤں کے سہارے جی رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ہم اللہ کے لاڈلے اور پیارے ہیں، اسلئے اول تو وہ ہمیں جہنم میں ڈالے گا نہیں۔

اور اگر بالفرض ہم جہنم میں گئے بھی تو محض چند دن کے لئے جائیں گے پھر ہم ہوں گے اور جنت ہو گی۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(سورۃ البقرہ)

اور یہود کہتے ہیں کہ ہم کو گنتی کے چند دن سے زیادہ آگ چھو نہیں سکتی، تم کہو اے نبی ﷺ کہ اللہ سے تم نے کوئی اقرار لے رکھا ہے؟ اللہ تو فی الواقع اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا یا تم خود ہی اللہ پر وہ باتیں جوڑ کر کہہ دیتے ہو، جن کا تمہیں مطلق علم نہیں۔

سچ کہیئے گا کیا آج بہت سارے مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ نہیں ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم اللہ کے محبوب کی اُمّت میں ہیں۔ اسلئے اوّلاً تو ہم جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر بالفرض جانا بھی پڑا تو بس چند دن جہنم میں گذاریں گے اور پھر ہنستے کھیلتے جنت میں چلے آئیں گے۔

یہ وہ سوچ ہے جس نے بہت سارے لوگوں کو گناہوں پر جری کر دیا ہے وہ بخشش کی اُمید پر گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں اور انہیں توبہ کی توفیق بھی نصیب

نہیں ہوتی۔

ٹونے ٹوٹکے

قرآن بتاتا ہے کہ یہود میں توہمات پرستی عام ہو چکی تھی۔ سحر اور ٹونے ٹوٹکوں کا زور تھا سب سے زیادہ ایسے تعویذات اور ٹوٹکوں کی مانگ تھی جو جوڑ توڑ کا کام کریں کسی کو مِلا دیں، کسی کو جدا کر دیں بلکہ وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اقتدار بھی انہی ٹونے ٹوٹکوں کا مرہون منت تھا۔

آج مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ توہم پرستی عام ہے۔ ایسے "باوٗں" کی کثرت ہے، جن کا دعویٰ ہے کہ ہم پَل بھر میں محبوب کو قدموں میں ڈال سکتے ہیں، سنگدل افسر کو موم کر سکتے ہیں، بیروزگاروں کو روزگار دلا سکتے ہیں اور دل کی ہر مراد پوری کر سکتے ہیں۔

اپنے شہروں کی دیواروں پر ایک نظر ڈال لیجیئے۔ آپ کو اپنی قوم کے مزاج اور رجحان کا اندازہ ہو جائیگا۔ ظاہر ہے کہ اشتہار بازی اسی چیز کی کی جاتی ہے جس کی مانگ زیادہ ہوتی ہے۔

عوام کو چھوڑیئے، خواص کا خیال ہے کہ ہمارے کئی لیڈر اِن کرام ایسے عاملوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ جو اُنہیں عملیات کے ذریعے لیلائے اقتدار سے ہم آغوش کر دیں۔

پچھلے دنوں ہماری وزیر اعظم صاحبہ کے بارے میں شائع ہوا تھا کہ کسی باباجی نے انہیں طوالتِ اقتدار کے لئے دریائے راوی میں ننگے پاؤں چلنے کا نسخہ بتایا۔ چنانچہ وہ کئی گھنٹے دریائے راوی میں ننگے پاؤں گھومتی رہیں۔ ان کے قریبی مخالف لیڈر صاحب اکثر ایسے عاملوں سے اُستمداد لیتے رہتے ہیں۔

مالی معاملات میں گڑبڑ

قرآن نے یہودیوں کی جو تیسری بیماری بتائی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مالی معاملات میں گڑبڑ کرتے تھے۔ قومی نخوت کی وجہ سے غیر یہودی کا مال شیرِ مادر کیطرح اپنے لئے حلال سمجھتے تھے، سود خوری ان کی سرشت میں داخل تھی، کل بھی یہود سود خور تھے اور آج بھی سود خوری پر مبنی سارا نظام یہود کے قبضے میں ہے۔ دوسروں کا حق دبا جانا ان کے ہاں عیب نہیں، کمال کی بات تھی

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۷۵ میں ہے :۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ (سورۂ آل عمران)

اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تم مال کا ڈھیر بھی دے ڈالو گے تو وہ تمھیں یہ امانت واپس کر دیگا اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر ایک دینار بھی تم نے دیا ہوگا، تو واپس نہ کریگا۔ یہاں تک کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ، یہ بد معاملگی پیدا ہونے کا سبب ان کا یہ قول ہے کہ غیر یہودی لوگوں کا حق مار لینے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں۔

سورۃ المائدہ میں ہے :۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ

یہ جھوٹی بات کے کہنے والے اور مال حرام کے کھانے ہیں۔

سورۃ النساء میں اللہ تعالےٰ نے یہود کے تین ایسے گناہ بیان فرمائے

ہیں جن کی وجہ سے ان پر وہ چیزیں حرام کر دی گئیں جو ان پر پہلے حلال تھیں ان تین میں سے دو گناہ یہ ہیں:

وَاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا	وہ سُود لیا کرتے تھے حالانکہ انہیں سُود کی ممانعت کی جا چکی تھی، اور لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے تھے اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قومی مزاج کا بگاڑ

اگر ہم ان آیتوں کو پڑھ پڑھ کر صرف یہودیوں پر لعن طعن کرتے رہے تو ہمیں اپنی اصلاح کی کبھی توفیق نصیب نہیں ہوگی۔ اگر ہم بے لاگ طریقے سے اپنا پوسٹ مارٹم کریں تو ہم یہ ضرور تسلیم کریں گے کہ مالی معاملات میں گڑبڑ ہمارا قومی مزاج بن چکا ہے۔ بلکہ یہ مزاج کچھ ایسا بگڑا ہے کہ اب ہمیں حلال کھانے میں مزہ ہی نہیں آتا۔ اوپر سے نیچے تک رشوت ستانی لوٹ مار، فراڈ اور دھوکہ دہی کی داستانیں غریب کی جھونپڑی سے لے کر امیر کے محل تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پوری قوم کرپٹ ہو چکی ہے۔ کوئی سرکاری سودا بغیر کمیشن کے طے نہیں پاتا۔

سڑکوں کی تعمیر میں کمیشن

نہروں کی کھدائی میں کمیشن

اسلحے کی خریداری میں کمیشن

اور یہ کمیشن کوئی معمولی نہیں ہوتا، کروڑوں ڈالر کمیشن میں کما لئے جاتے ہیں۔

جس کا داؤ چلتا ہے وہ ہاتھ کی صفائی دکھانے سے باز نہیں آتا اور اس ملک کا ہر فرد ان رشوت خور اور کمیشن خور مگر مچھوں کی وجہ سے پریشان ہے کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہر محکمے میں رشوت کا چلن عام ہے۔

امپورٹ ایکسپورٹ میں رشوت

شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنوانے میں رشوت

ڈرائیونگ لائسنس حاصل کرنے میں رشوت

کالجز اور یونیورسٹیز کے داخلوں اور امتحانات میں رشوت

تھانوں میں رشوت

حد یہ ہے کہ کچہریوں اور عدالتوں میں رشوت

بات صرف رشوت تک محدود نہیں رہی بلکہ حرام خوری کے جتنے طریقے بھی آپ کے ذہن میں آسکتے ہیں وہ سارے کے سارے ہمارے ہاں رائج ہیں۔

سودی کاروبار میں ہمیں کوئی عار نہیں

چوری اور ڈکیتی میں کوئی شرم نہیں

ملاوٹ اور دھوکہ دہی میں کوئی حجاب نہیں

وطن فروشی، ایمان فروشی اور ضمیر فروشی کوئی عیب نہیں۔

مال کی شدید ترین محبت جو صرف یہودی قوم کا خاصہ تھی وہ اب ہمارا مزاج بن گئی ہے اور مال کی محبّت میں ہم حلال و حرام کی ساری حدود پھلانگ گئے ہیں۔ ہمیں نہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا خیال ہے، نہ وطن کی عزّت اور جگ ہنسائی کا احساس ہے۔

زندگی سے شدید محبّت

یہودیوں میں جو چوتھی بیماری پائی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ وہ زندگی سے شدید ترین محبت کرتے تھے اور حیرت کی بات یہ کہ دنیا کی زندگی سے شدید محبت کے ساتھ ساتھ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ آخرت کی تمام خوشیاں اور کامیابیاں ہمارے لئے ہیں۔

مغفرت ہمارے لئے ہے
اللہ کی محبوبیت ہمارے لئے ہے
جنت ہمارے لئے ہے۔

حالانکہ وہ صاحب ایمان جو عمل صالح سے لدے ہوئے ہوں اور جنھیں آخرت کی کامیابی کا یقین ہو وہ اپنے لئے دنیا کو ایک قید خانہ سمجھتے ہیں اور زیادہ دن دنیا میں رہنے کی آرزو کبھی نہیں کر سکتے۔ آپ نے اس صحابی کا واقعہ ضرور سُنا ہوگا جو میدانِ جنگ میں کھجوریں کھا رہے تھے مگر جب انھوں نے حضور علیہ السلام سے یہ سنا کہ شہادت کا بدلہ جنت ہے تو وہ فرمانے لگے کہ اگر میں کھجوریں کھاتا رہا تو جنت میں پہنچنے میں بہت دیر ہو جائے گی۔ چنانچہ کھجوریں پھینک دیں اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے

تو جسے جنت میں جانے کا یقین ہو وہ کبھی بھی دنیا پر اور دنیا کی دلفریبیوں پر فریفتہ نہیں ہو سکتا۔ جب کہ یہود جنت کے حقدار ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کل بھی دنیا پر مَرتے تھے اور آج بھی دنیا پر مرتے ہیں، نیویارک سے لندن تک اور ہالی وڈ سے پیرس تک ان کی حُبِّ دنیا کے واقعات ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔

جب نزولِ قرآن کے زمانہ میں انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ہمیں اللہ کے ہاں مخصوص مقام حاصل ہے اور ہمارے سوا کوئی دوسرا جنت میں نہیں جائے گا تو اللہ نے اپنے نبی سے کہا ان سے پوچھئے :۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ج وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ج يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

(سورۃ البقرۃ)

ان سے کہو کہ اگر واقعی اللہ کے پاس آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر تمہارے لئے مخصوص ہے تو موت کی تمنّا کرو اگر تم سچے ہو لیکن وہ اس کی تمنّا کبھی ہرگز نہ کریں گے کیونکہ اپنے ہاتھوں سے بُرے کرتوت جو سمیٹ چکے ہیں اور اللہ کو ان ظالموں کا حال خوب معلوم ہے، تم اِن یہود کو جینے کا حریص سب سے زیادہ پاؤ گے، حتّٰی کہ جینے کی تمنّا اور حرص میں یہ مشرکین سے بھی آگے ہیں۔ ان کا ایک ایک یہودی یہ چاہتا ہے کہ کاش وہ ہزار ہزار برس جیتا رہے مگر عمرِ دراز مل بھی جائے تب بھی اسے عذاب سے دور تو نہیں ڈال سکتی، اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں۔

قرآن نے یہودیوں کی زندگی سے محبّت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ہم میں سے بہت سوں پر بڑی اچھی طرح صادق آتا ہے۔

ہمارا دنیوی لذتوں میں انہماک۔

عیش و عشرت اور حصولِ دولت میں استغراق

سینکڑوں ہزاروں سال میں بھی مکمل نہ ہونے والے طویل منصوبے

اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں بے خوفی

آخرت اور آخرت کی تیاری سے غفلت

ان میں سے ایک ایک چیز اس بات کی خبر دیتی ہے کہ شاید ہم نے ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے اور ہم نے کبھی بھی موت کا منہ نہیں دیکھنا۔ ظاہر ہے دنیا میں ایک معین اور محدود زندگی سے زیادہ ایک سانس بھی کسی کے بس کی بات نہیں اگر بالفرض ایسا ہوتا تو یہاں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو ایک سانس ہزاروں میں خریدنے کے لئے تیار ہوتے

ناشکراپن

یہودیوں یا بنی اسرائیل میں پائی جانے والی چوتھی کمزوری جو قرآن نے بیان کی ہے، وہ ان کا ناشکراپن ہے۔

اللہ تعالٰی نے ان پر احسانات اور انعامات کی بارش برسائی مگر انہیں شکر کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

ان میں بیسیوں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے

انہیں فرعون کے بدترین مظالم سے نجات دلائی گئی

ان کے لئے دریا خشک کر دیا گیا

ان کے لئے خشک چٹان سے پانی کے چشمے جاری کر دئیے گئے۔

وہ ہجرت کر کے جزیرہ نماءِ سینا میں پہنچے تو دھوپ سے بچاؤ کے لئے بادل ان پر سایہ فگن ہو گئے۔

ان کے کھانے کے لئے منّ وسلوٰی کا انتظام کر دیا گیا۔

احسانات کی اس بارش کے جواب میں ان ظالموں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے انبیاءِ کرام کے مقدّس خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔

فرعون سے بچ نکلنے کے بعد راستے میں کچھ لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا تو کہنے لگے۔

اِجْعَل لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں۔

انہیں حکم دیا گیا کہ جب تم بستی میں داخل ہو تو جھکے جھکے داخل ہونا اور حِطَّةٌ حِطَّةٌ (توبہ توبہ) کہتے ہوئے داخل ہونا مگر ہوا یہ کہ وہ سُرینوں پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور ان کی زبانوں پر حِطَّةٌ (توبہ) کی بجائے حِنْطَةٌ (گندم) کے الفاظ تھے۔

جب انھوں نے اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کے جواب میں ناشکرے پن کا رویّہ اختیار کیا تو انہیں ان نعمتوں سے محروم کر دیا گیا۔ اور یہی اللہ کا دستور ہے اور یہ دستور جیسے بنی اسرائیل میں کارفرما تھا، ہمارے اندر بھی کارفرما ہے، ہمیں اللہ تعالےٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا۔

خاتم النبیّین صلے اللہ علیہ وسلم کا اُمّتی بنایا

خیرُ الاُمم ہونے کا شَرف بخشا۔

قرآن کی صُورت میں رُشد و ہدایت کا منشور اور عزّت و سرفرازی کا دستُور ہمیں عطا فرمایا۔

ہم جب تک ان نعمتوں کی قدر کرتے رہے، چار دانگ عالم میں ہمارا پھریرا لہراتا رہا۔

کافر ہم سے تھرّاتے تھے اور مشرک ہمارے نام سے کانپتے تھے۔

جب ہم نے شکر کے بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا معمول بنالیا، تو
ہم ذلت کے اندھے کنوئیں میں جاگرے۔
آج ہم سے کوئی نہیں ڈرتا ہم ہر کسی سے ڈرتے ہیں۔
ہم نے اللہ کا در چھوڑا تو ہمیں در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔
اور یہی اللہ کی سنت ہے جو شکر کرتا ہے۔ اسے وہ مزید نوازتا
ہے اور جو کفرانِ نعمت کرتا ہے، اسے عبرت کا نشان بنا دیتا ہے۔

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ — اگر تم نے شکر کیا تو تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے کفر کیا تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

سنتے تھے عمل نہیں کرتے تھے

بنی اسرائیل میں پانچویں کمزوری یہ پائی جاتی تھی
کہ وہ سنتے تھے مگر عمل نہیں کرتے تھے۔
ایمان کا لفظی دعویٰ تھا مگر عمل کی دلیل نہیں تھی۔
گفتار تھی کردار نہیں تھا۔
سماعت تھی حرکت نہیں تھی۔
اور کون نہیں جانتا کہ صرف دعووں سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔
صرف گفتار سے محل تو کیا جھونپڑا بھی تعمیر نہیں ہوتا۔
صرف سماعت سے انقلاب نہیں آتا۔
ان بدبختوں کا حال یہ تھا کہ ان کے سروں پر کوہ طور کو کھڑا کر کے
حکم دیا گیا کہ جو کچھ ہم تمہیں دے رہے ہیں۔ اسے طاقت سے پکڑ لو اور
اس پر عمل کرو مگر وہ کہنے لگے۔

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے سن لیا مگر ہم سے نہیں ہو سکے گا

اگر ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا جائزہ لیں تو ہمارا بھی سب سے بڑا مسئلہ یہی دکھائی دیگا کہ دعوے بہت ہیں

تقریریں بہت ہیں

باتیں بہت ہیں

وعظ اور لیکچر بہت ہیں مگر عمل نہیں ہے

نہ سننے والا عمل کرتا ہے نہ سنانے والا عمل کرتا ہے

نہ عوام عمل کرتے ہیں نہ لیڈر عمل کرتا ہے بلکہ ہو یہ رہا ہے کہ ظلم کرنے والے ظلم کے خلاف لیکچر دیتے ہیں۔

حرام کھانے والے حرام کے خلاف تقریریں کرتے ہیں

گندگی پھیلانے والے گندگی کے خلاف سیمینار منعقد کرتے ہیں۔

جعلی دوائیں بیچنے والے جعلی دواؤں کے خلاف جہاد کا اعلان کرتے ہیں

غریبوں کے حقوق دبانے والے غریبوں کی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں۔

الغرض باتیں ہی باتیں ہیں۔ تقریریں ہی تقریریں ہیں، وعظ ہی وعظ ہیں مگر عمل نہیں ہے۔ یہ پانچ بڑی بڑی خرابیاں تھیں جو یہود میں پائی جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ بھی قرآن کریم نے ان کی کئی کمزوریوں اور کئی خرابیوں کیطرف اشارے کئے ہیں مثلاً قرآن بتاتا ہے کہ

ان کے اندر دورنگی اور منافقت پائی جاتی تھی۔

وہ انسان تو انسان اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کا بھی پاس نہیں رکھتے تھے۔

ان کے دل پتھروں سے زیادہ سخت ہو گئے تھے۔

وہ دین کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنے کی کوشش کرتے تھے۔

وہ دین کا مذاق اُڑاتے تھے

وہ بزدل اور کم ہمّت تھے۔

دائمی ذِلّت

ان بیماریوں اور برائیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہودیوں پر بدترین ذلت مسلط کر دی گئی۔ ربّ کریم نے اعلان فرما دیا کہ اے یہود تمھارے پاس دولت کے انبار کیوں نہ ہوں۔

تمھارے پاس حکومت اور اقتدار کیوں نہ ہو۔

قیامت کے دن تک تم پر کوئی نہ کوئی شخص، کوئی نہ کوئی جماعت اور کوئی نہ کوئی ایسی حکومت ضرور مسلط رہے گی جو تمھارے سر پر جوتے مارتی رہے گی۔ سُورۃ الاعراف میں ہے:-

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(الاعراف)

وہ وقت یاد کرو جب تمھارے رب نے اعلان کر دیا کہ برابر مسلّط کرتا رہے ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگ جو انہیں بدترین تکالیف دیتے رہیں گے، بیشک تمھارا رب جلد عذاب کرنیوالا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السّلام کے دنیا میں تشریف لانے سے آٹھ سو سال پہلے سے یہود کو نوٹس دیا جاتا رہا کہ سنبھل جاؤ، سمجھ جاؤ، باز آجاؤ، ورنہ تمھارے گلے میں ذلّت کا ایسا طوق ڈال دیا جائے گا کہ قیامت تک اس سے

چھٹکارا حاصل نہیں کرسکو گے، لیکن وہ نہ سمجھے نہ باز آئے چنانچہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے گلے میں ذلّت کا طوق ڈال دیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ یہودی مالدار بھی ہیں، تاجر بھی ہیں۔

بینکاری پر ان کا پورا تسلّط ہے

ان کے پاس بڑی بڑی کوٹھیاں اور بنگلے ہیں۔

اچھی اچھی کاریں ہیں۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود انہیں عزّت کی زندگی کہیں نہیں ملی، وہ ہمیشہ ذلیل رہے، کوئی نہ کوئی طاقت ان پر ضرور مسلّط رہی، انہیں امن و سکون اور پورا پورا تحفظ کبھی نصیب نہیں ہوا

ہم ہی مستثنیٰ کیوں؟

میرے بزرگو اور دوستو! اللہ کا جو قانون ہے وہ سب کے لئے ہے، معاذاللہ وہ ظالم نہیں کہ ایک کو گناہ کی وجہ سے سزا دے اور دوسرے کو انعام دے۔

عزّت اور ذلّت، کامیابی اور ناکامی، عذاب اور ثواب کے جو لگے بندھے ضابطے ہیں وہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی تھے اور مسلمانوں کے لئے بھی ہیں۔

اگر کتمانِ حق کی وجہ سے

عقیدۂ آخرت میں بگاڑ کی وجہ سے

اللہ کے احکام میں تحریف کی وجہ سے۔

دورنگی اور منافقت کی وجہ سے

بدعملی اور بدعہدی کی وجہ سے

فرقہ داریت اور توہّم پرستی کی وجہ سے

مالی معاملات میں گڑبڑ اور حرام خوری کی وجہ سے۔

زندگی سے محبّت اور موت سے نفرت کی وجہ سے۔

دین کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے کی وجہ سے

یہودیوں پہ اللہ کا عذاب نازل ہو سکتا ہے تو ہم پر کیوں نہیں نازل ہوگا اگر یہودیوں پر ذلت مسلّط ہو سکتی ہے تو ہم پر کیوں نہیں مسلّط ہو سکتی،

اور ہو سکنے کا کیا مطلب؟

ہم پر تو ذلت مسلّط ہو چکی ہے۔

کشمیر سے لے کر بوسنیا تک، نو آزاد ریاستوں سے لے کر فلسطین تک

ایشیا سے افریقہ تک، ذرا غور سے دیکھیئے کون پٹ رہا ہے۔

کس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔

کس کی عزّت و ناموس پامال کی جا رہی ہے۔

کس کا خون بے دریغ بہایا جا رہا ہے۔

اے اللہ کے بندو! اَب تو سمجھنے کی کوشش کرو۔

تمہاری کامیابی یہود و نصاریٰ کے طریقوں پر چلنے میں نہیں ہے

تمھاری کامیابی تو سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلنے

میں ہے۔

یہودیانہ صفات و اخلاق کو چھوڑ دو اور مصطفوی اخلاق وصفات

کو اپنی زندگی کا حِصّہ بناؤ۔

مقتدی نہیں امام | زمانے کے پیچھے نہ چلو، زمانے کو اپنے پیچھے چلاؤ،

مقتدی نہیں امام بنو
غلام نہیں آقا بنو

اور تمہیں آقائی تب نصیب ہوگی جب محمد رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالو گے۔

زمانے کی باتوں اور دنیا کے طعنوں کی ہرگز پرواہ نہ کرو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی اس قسم کے طعنوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ جُہلاء کی باتوں اور طعنوں کی وجہ سے سَرکارِ دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

صحابۂ کرام کا جذبۂ اتباعِ سنّت

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا، تو سنت کے مطابق ان کا زیرجامہ آدھی پنڈلی تک تھا اور قریش اسے معیوب سمجھتے تھے، اسلئے آپ کے چچا زاد بھائی ابان بن سعید نے آپ سے کہا کہ اپنا زیرجامہ ذرا نیچے کر لیجیئے تاکہ سَرداران قریش آپؓ کو حقیر نہ سمجھیں، لیکن حضرت عثمان رضؓ ایسا کرنے پر راضی نہ ہوئے اور جواب میں فرمایا کہ "ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلّم کا زیرجامہ ایسا ہی ہے۔ جب آقا ؐ کا زیرجامہ ایسا ہے تو کسی کے معیوب سمجھنے کی وجہ سے میں آپؐ کا طریقہ کیوں چھوڑوں۔

اسی طرح حضرت جثامہ بن مساحق کنانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا ایلچی بنا کر ہرقل شاہِ روم کے پاس بھیجا جب وہ اسکے دربار میں پہنچے تو بے خیالی میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے، اچانک اُن کی نظر پڑی تو انھوں نے دیکھا کہ وہ سونے کی کُرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ نظر پڑتے

ہی وہ فوراً اس کرسی سے نیچے اُتر آئے۔ ہرقل یہ دیکھ کر ہنسا اور کہنے لگا ہم نے تو اس کرسی پر بٹھا کر تمہارا اعزاز کیا تھا تم کیوں اُتر گئے ہو، آپ نے جواب دیا ہیں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس جیسی کرسی کے استعمال سے منع فرماتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کی سپر پاور ایران کے بادشاہ کسریٰ کے دربار میں مذاکرات کے لئے پہنچے تو وہاں انکے سامنے اعزاز کے طور پر کھانا لاکر رکھا گیا۔ کھانے میں تہذیب کے بڑے بڑے دعویدار اور کسریٰ کے حوالی موالی بھی شریک تھے ـــــــ کھانے کے دوران حضرت حذیفہ رضؓ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اس نوالے کو اُٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ایک صاحب نے اشارہ سے آپ کو ایسا کرنے سے منع کیا تاکہ تہذیب کے ان جھوٹے دعویداروں کی نظر میں ان کا مقام نہ گر جائے اور وہ آپ کو حریص اور لالچی نہ سمجھ بیٹھیں۔ آپ نے وہ نوالہ اٹھانے کے ساتھ ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا:-

أَأَتْرُكُ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللهِ	کیا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت
صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ لِهٰؤُلَاءِ الْحُمْقَى	کو ان احمقوں کی وجہ سے چھوڑ دوں،

کہاں وہ اور کہاں ہم

کہاں تو وہ صحابۂ کرام تھے جو سگانِ دنیا کے طعنوں کے خوف سے

تہذیب و تمدّن کے جھوٹے دعویداروں سے ڈر کر

قیصر و کسریٰ کے شاہانہ کرّ و فر سے مرعوب ہو کر

مکّی و مدنی قریشی و ہاشمی آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک بھی سنت چھوڑنے

کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے اور کہاں ہم ایسے نالائق اور بے وفا انسان ہیں جو ماڈرن بننے کے شوق میں

جو یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے

ایک تو کیا ساری سنّتیں بلکہ سارا دین چھوڑنے کے لئے تیار ہیں

ہماری شکلیں مجوسیوں اور نصاریٰ جیسی

ہماری سیرت یہود و ہنود جیسی

ہماری راتیں رقص و سرود میں رنگی ہوئی

ہمارے دن دنیا طلبی اور دولت پرستی میں ڈوبے ہوئے

ہماری معیشت حلال و حرام کی قیود سے آزاد

ہماری سیاست مفاد پرستی اور ضمیر فروشی کا سنیل

اور کمال یہ کہ پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہم مسلمان اور عاشق رسول ہیں،

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دعویٰ یہ کہ صرف ہم مسلمان اور صرف ہم ہی عاشق رسول ہیں

اللہ کے بندو! ہوش میں آؤ، غیروں کی نقّالی نہ کرو، آقائے دو جہاں صلّے اللہ علیہ وسلم کی نقّالی کرو،

یہود و نصاریٰ کو آئیڈیل نہ بناؤ

سرورِ عالم صلّے اللہ علیہ وسلم کو آئیڈیل بناؤ۔

ان کی اتباع نہ کرو جن کی اتباع میں ذلت ہے، خواری ہے، عذاب ہے، اللہ کی ناراضگی ہے، آخرت کی رسوائی ہے، جہنم ہے۔

اس کی اتباع کرو جس کی اتباع میں عزت ہے، عظمت ہے، ثواب ہے اللہ کی رضا ہے، آخرت کی کامیابی ہے، جنت ہے۔

آج دنیا کی ایک نہائی آبادی ہماری ہے جتنے وسائل آج ہمارے پاس
ہیں، اسی سے پہلے کبھی نہ تھے لیکن پھر بھی ہم ہر جگہ پٹ رہے ہیں

یہودیوں سے پٹ رہے ہیں۔
سرلوں سے پٹ رہے ہیں
روسیوں سے پٹ رہے ہیں
اور جہاں ہمیں کوئی نہیں پیٹ رہا، وہاں ہم خود ہی ایک دوسرے کو

پیٹ رہے ہیں۔
یہ سارے حالات نتیجہ ہیں دین سے بے وفائی کا
یہود و نصاریٰ کی نقالی اور اتباع کا
حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اعمال چھوڑنے کا۔
آیئے ہم عہد کریں کہ انشاء اللہ آج کے بعد ہم یہود و نصاریٰ کے بجائے
سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے۔ دین کے لئے جئیں گے
اور دین کے لئے مریں گے۔ اللہ تعالے مجھے بھی اس کی توفیق دے۔ اور
آپ کو بھی۔ وما علینا الا البلاغ

مسلمان عورت

اپنی عظمتوں کو ذرا اپنی نگاہوں سے بھی دیکھ
ترے جلووں سے ہے معمور ضمیرِ انسان
برف تو برف ہے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں
تو جو پیدا کرے آتشِ قلبِ سوزاں

الٰہی ! ماؤں ، بہنوں بیٹیوں کو دینداری دے
الٰہی ! نئی پود کو فصلِ بہاری دے
بچالے مومنہ کو اے خدا مغرب پرستی سے
بچا اس شمع کو بادِ فنا کی چیرہ دستی سے

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

"یہ عورتیں تاتاریوں کے جس خاندان اور جس قبیلے میں بھی باندیاں بن کر داخل ہوئیں، اس خاندان اور قبیلے میں اسلام کے نور کو پھیلاتی چلی گئیں۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد چشم فلک نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ وہی ترک جن کے ہاتھوں میں اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لئے کل تلواریں تھیں۔ وہی ہاتھ اللہ تعالے سے دعائیں مانگنے میں مصروف تھے، وہی پیشانیاں جن پر کسی مسلمان کو دیکھ کر بل پڑ جاتے تھے، وہ آج سجدے میں گھس رہی تھیں، وہی آنکھیں جن میں کل تک کفر و عدوان کے شرارے تھے۔ آج ان آنکھوں سے قیامت کے خوف سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

وہ کام جو مسلمان مردوں کی تلواریں نہ کر سکیں وہ کام مسلمان خواتین کی تعلیم و تربیت نے سرانجام دیدیا۔

وہ قوم جسے مسلمان نوجوانوں کی جوانیاں شکست نہ دے سکیں اس قوم کو بے سہارا مسلمان باندیوں نے اسلام کے قدموں پہ لاکر ڈھیر کر دیا"

مسلمان عورت [۱]

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِیْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِیْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصَّآئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب، ۳۵)

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنیوالی عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا، اور یاد کرنے والی عورتیں۔ رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا۔

میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیو! سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۵، میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ جس میں دس ایسی صفات بیان کی گئی ہیں، جو مرد میں اگر پیدا ہو جائیں تو وہ مغفرت اور بخشش کا حقدار بن جاتا ہے۔ اور اگر عورت میں پیدا ہو جائیں تو وہ بخشش اور اجرِ عظیم کی حق دار بن جاتی ہے۔ اس میں

[۱] خواتین کے ایک اجتماع میں کی گئی ایک تقریر

مَرد اور عورت کی کوئی تخصیص اور کوئی فرق نہیں بلکہ سب کے لئے ایک جیسا حکم ہے جو بھی اپنے آپ کو ان صفات سے متصف کرلے، وہ کامیابی کا مستحق ہو جاتا ہے

پہلی صفت اسلام ہے۔ اِسلام کا تعلق ظاہر سے ہے۔ یعنی وہ اعمال جو نظر آتے ہیں، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ یہ سب اعمال نظروں سے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان کی بناء پر ہم کسی کے بارے میں مسلمان ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

دوسری صفت ایمان ہے۔ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" ایمان والے مَرد اور ایمان والی عورتیں۔

ایمان کا تعلق تصدیقِ قلبی کے ساتھ ہے جو نظر نہیں آتی۔

اللہ پر ایمان، فرشتوں کے ہونے پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان، آخرت کے دن پر ایمان، جنت و دوزخ اور حساب و کتاب پہ ایمان، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان، ان چیزوں پر ایمان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا لیکن دل ان کی تصدیق کرتا ہے۔

تیسری صفت اطاعت "وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ" اطاعت کرنے والے مَرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ زندگی کے ہر میدان میں اللہ تعالےٰ کے حکموں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی اطاعت اُخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔

چوتھی صفت سچائی "وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ"، سچ بولنے والے مَرد اور سچ بولنے والی عورتیں، نیت اور عقیدے میں بھی سچائی، اعمال اور اخلاق میں بھی سچائی، معاملات اور لین دین میں بھی سچائی، اپنوں کے ساتھ بھی سچائی اور غیروں کے ساتھ بھی سچائی، ہر کام اور ہر میدان میں سچائی کو اپنانا یہ مسلمان

کا شیوہ ہے

پانچویں صفت جو بیان فرمائی وہ صبر ہے "وَالصَّابِرِیْنَ وَالصَّابِرَاتِ"
صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ تنگی اور تکلیف میں صبر، مصائب
اور پریشانیوں میں صبر، عزیزوں کی جدائی پر صبر، مال کے نقصان اور
زیادتی پر صبر، میدانِ جنگ اور دشمن کے مقابلے میں صبر۔ غرضیکہ ہر مقام
میں صبر کامیابی کی کلید ہے۔

بے صبرا شخص نہ اللہ تعالےٰ کو راضی کر سکتا ہے اور نہ ہی دنیا میں کوئی
بڑا مقام حاصل کر پاتا ہے۔ امتحانوں اور آزمائشوں میں پورا اُترنے والے
ہی ساحلِ مراد تک پہنچ پاتے ہیں

صبر کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے، ان کے لئے اللہ کی محبت ہے
ان کے لئے اللہ کی معیت ہے۔

چھٹی صفت جس کی وجہ سے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ ہے
عاجزی اَلْخَاشِعِیْنَ وَالْخَاشِعَاتِ" عاجزی کرنے والے مرد اور
عاجزی کرنے والی عورتیں۔ عاجزی اللہ تعالیٰ کو بڑی پسند ہے، وہ عاجزی
کرنے والوں کو نوازتا اور رفعتیں عطا فرماتا ہے اور تکبر کرنے والوں کی گردن
توڑتا ہے اور انہیں انجامِ بد سے دوچار کرتا ہے۔

عورتیں عام طور پر ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلاتی رہتی ہیں ایسا
کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

ساتویں صفت "وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ" اللہ کی
رضا کی خاطر صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔

حضور علیہ الصلوٰہ والسلام کا فرمان ہے۔

اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَتُطْفِیُٔ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِیْتَۃَ السُّوْءِ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے

آٹھویں صفت "وَالصَّائِمِیْنَ وَالصَّائِمَاتِ" روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں

رمضان کے روزے تو فرض ہیں اس کے علاوہ نفلی روزے ہیں جن کا اللہ کے ہاں بے پناہ اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔

ایام بیض کے روزے جو چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کو رکھے جاتے ہیں۔ ان کا رکھنے والا صائم الدہر یعنی سال بھر روزے رکھنے والا شمار ہوتا ہے۔ روزے کے بارے میں حدیث قدسی ہے "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا بھی میں خود دوں گا۔"

نویں صفت شرمگاہ کی حفاظت "وَالْحَافِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ" اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔

ایک حدیث میں رسُولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ تم مجھے دو چیزوں کی ضمانت دیدو۔ میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ایک تو زبان کی حفاظت کی ضمانت اور دوسرے شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت۔

دسویں صفت "وَالذّٰکِرِیْنَ اللہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرَاتِ" کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔

جتنی بھی عبادات ہیں سب کی مقدار اللہ نے مقرر کی ہے۔ مگر ذکر کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ اس کے علاوہ یہ نکتہ بھی قابل غور ہے

کہ اللہ تعالےٰ نے نماز پڑھنے کا تو حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ نماز بہت زیادہ پڑھو۔

روزے رکھنے کا تو حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ روزے بہت زیادہ رکھو۔

زکوٰۃ دینے کا تو حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ بہت زیادہ زکوٰۃ دیا کرو۔

حج کرنے کا تو حکم دیا ہے مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ بہت زیادہ حج کرو

مگر ذکر ایسی عبادت ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ:

اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا — اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

دوسری عبادات میں سے زکوٰۃ بغیر مال ادا نہیں ہوسکتی

نماز کے لئے طہارت شرط ہے

روزہ بیمار اور بوڑھا نہیں رکھ سکتا۔

حج صرف مکۃ المکرمہ جاکر ادا ہوسکتا ہے۔

مگر ذکر ایک ایسی عبادت ہے جو ہر کوئی کرسکتا ہے، ہر جگہ کرسکتا ہے، ہر حالت میں کرسکتا ہے اور ہر وقت کرسکتا ہے، اس لئے فرمایا کہ ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں

یہ دس صفات یعنی اسلام، ایمان، اطاعت، سچائی، صبر، عاجزی، صدقہ وخیرات، روزوں کی پابندی، ناموس کی حفاظت اور کثرت سے اللہ کا ذکر جس کے اندر پائی جائیں، اسے قیامت کے دن اجرِ عظیم ملے گا اور وہ بخشش کا حقدار ہوگا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، ہر کسی کے لئے یہ وعدہ ہے۔

اسلام نے ترقی کے مواقع جیسے مرد کے لئے رکھے ہیں، اسی طرح عورت کے لئے بھی رکھے ہیں۔

اگر مرد ولی بن سکتا ہے تو عورت بھی بن سکتی ہے

اگر مرد اللہ کا مقرّب اور محبوب بن سکتا ہے تو عورت بھی بن سکتی ہے اللہ کے ہاں رجولیت اور نسوانیت کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ وہاں تو تقویٰ کو دیکھا جاتا ہے۔ اصل معیار تقویٰ ہے وہ جس کے اندر بھی پایا جائے گا وہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جائے گا۔ وہ ولایت اور محبوبیت کے مقام پر پہنچ جائے گا۔ صلاحیت اور استعداد مرد میں بھی ہے، عورت میں بھی ہے۔ فیاض حقیقی نے دونوں کو نوازا ہے۔ جہاں تک عورت میں صلاحیت ہونے کا تعلق ہے اس کا حال تو یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت اس بات کی بھی قائل ہے کہ عورت نبی بھی بن سکتی ہے البتہ رسول نہیں بن سکتی۔ نبی اُسے کہتے ہیں، جس پر وحی نازل ہو اور رُسول اسے کہتے ہیں جو صاحب شریعت ہو، اور اسے انسانوں کی تربیت کے لئے بھیجا گیا ہو تو گویا عمومی تعلیم و تربیت کا مقام تو عورت کو حاصل نہیں ہو سکتا لیکن مقام نبوت اسے حاصل ہو سکتا ہے۔ (اگرچہ یہ قول راجح نہیں)

حتیٰ کہ ظاہریہ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نبی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرشتہ ان پر وحی لے کر نازل ہوا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے انسانی روپ میں بی بی مریم کے سامنے آکر کہا تھا۔

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا

(سورہ مریم پارہ ۱۶)

اسی طرح یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کو بھی نبی مانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں ہے :—

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ اَرۡضِعِيۡهِ‌ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ فَاَلۡقِيۡهِ فِى الۡيَمِّ (سورۃ القصص پارہ ۲۰)	اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلالیں جب تجھے اس کے بارے میں اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا

تو نبوت جیسا مقام اگر عورت کو حاصل ہو سکتا ہے، جس سے بڑا کوئی مقام انسان کے لئے ممکن ہی نہیں تو دوسرے مقامات اسے کیسے حاصل نہیں ہو سکتے۔

تاریخ کی گواہی

حق و صداقت اور ایمان و ایثار کی تاریخ کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے، تو ہمیں عورت، مَرد کے شانہ بشانہ دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ میں تو سچ کہتا ہوں کہ مَیں جب ایمان و یقین کی تاریخ میں مردوں کی قربانیوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھ جیسے ناقص انسان کو اکثر مَردوں کے کارناموں کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کے تعاون، تربیت، ایثار اور قربانی کا عمل دخل دکھائی دیتا ہے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السّلام

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ایثار اور قربانی اور مقام تسلیم و رضا جو کچھ بھی ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور پوری تاریخ انسانی اس پر فخر کر سکتی ہے۔ لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے آپ حضرت ہاجرہ علیہا السّلام کو کیسے بھول جائیں

گی۔ جن کی قربانیوں کے نقش قدم زمزم سے صفا مروہ تک اور صحن حرم سے مکہ کے کوہ ودمن تک آج بھی موجود ہیں۔ کتنا اعتماد تھا اس عظیم خاتون کو اپنے اللہ کے شان رزاقی پر۔ اس کا اندازہ ہمارے جیسے مادی اسباب پر مر مٹنے والے انسان کر ہی نہیں سکتے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ اس ویران اور بے آباد جگہ چھوڑا جس کا شاید اس وقت تک انسانوں کی زبان پر کوئی نام بھی نہیں تھا۔ تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلیں کہ اے ابراہیم! آپ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد، نہ کوئی مونس اور کوئی غمخوار۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے چلتے رہے آخر حضرت ہاجرہ رض نے یہ دریافت کیا کہ کیا تیرے خدا نے تجھے یہ حکم دیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔

حضرت ہاجرہ رض نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا۔

بتلائیے کتنا یقین اور اعتماد ہے اللہ تعالےٰ کی ذات پر؟

کوئی ظاہری سہارا نہیں، کوئی بستی نہیں، کوئی آبادی نہیں، کوئی دکان نہیں، کچھ زیادہ سامان نہیں۔ پانی کا ایک مشکیزہ ہے اور کھجوروں کی ایک تھیلی ہے۔ دور دور تک کسی انسان بلکہ حیوان اور چرند پرند کا نام ونشان نہیں مگر پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ فرماتی ہیں کہ اگر یہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے تو وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

نظر اسباب پر نہیں ہے بلکہ مسبّب الاسباب پر ہے جس نے حکم دیا ہے۔ جینے کا سامان بھی وہی فراہم کرے گا۔

جس نے بلایا ہے میزبانی بھی وہ خود ہی کرے گا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا نمبر تو بعد میں آتا ہے۔ پہلے اس عظیم خاتون کو تو دیکھیں جو بے آب و گیاہ وادی میں مستقبل میں ذبیح اللہ بننے والے بچے کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی ہے اور جب پانی کا مشکیزہ ختم ہو جاتا ہے تو بے قرار ہو کر صفا مروہ پر دوڑتی پھر رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالٰے نے ہر صورت سرزمین حرم کو بسانا اور آباد کرنا تھا اور وہ کسی بھی طریقے سے اسے آباد کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اسباب و وسائل کا محتاج نہیں، لیکن ظاہری طور پر دیکھیں تو اس نے بے آباد وادی کو آباد کرنے کے لئے کسے منتخب کیا؟

ایک خاتون کو اور اس کے شیر خوار بچے کو!

اُمِّ موسیٰ علیہ السّلام

آگے چلئے!

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کلیم اللہ بنے ان کے ہاتھوں بنی اسرائیل کو آزادی ملی۔ فرعون اور اس کا لاؤ لشکر بدترین اور عبرت ناک شکست سے دوچار ہوا۔ لیکن ان کی عظمتِ کردار اور فتحمندیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ اس عظیم ماں کو اگر بھلانا چاہیں تو بھی نہیں بھلا سکتے جس نے اللہ تعالٰے کے حکم کی تعمیل میں اپنے لختِ جگر کو دریا کی بے رحم لہروں کے حوالے کر دیا تھا۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کیطرف وحی کی کہ اسے دودھ پلائیں اور جب تجھے اس کے

فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ بارے میں اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا
وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَیْكِ اور خوف نہ کر اور غم نہ کر بیشک ہم اسے تیری طرف
وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ واپس لوٹائیں گے اور اسے رسولوں سے بنائیں گے

حضرت مریم علیہا السلام

حضرت عیسٰی علیہ السلام رُوح اللہ تھے۔ ان سے ایسے ایسے معجزے ظاہر ہوئے جن کا جواب اور جن کی مثال پیش کرنے سے اس دور کے طبیب اور حکیم عاجز آ گئے تھے۔ وہ اللہ کی قدرت اور شان خلّاقی کا زندہ نشان اور چلتا پھرتا ثبوت تھے لیکن ان کی عظمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم حضرت مریم علیہا السلام کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ جن کے بطن سے اللہ تعالےٰ کی قدرت کا یہ زندہ معجزہ پیدا ہوا۔

آپ کو یقیناً یاد ہو گا کہ جس وقت اماں مریم اللہ کے حکم سے حاملہ ہو گئی تھیں تو ان کی قوم نے طعنے دے دے کر ان کا پسینہ چھلنی کر دیا تھا۔ قرآن بتاتا ہے کہ جب وہ بچے کو اٹھاتے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں تو بڑے بڑے جغادری کہنے لگے

یَا مَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا اے مریم تو نے تو بڑے غضب کی
فَرِیًّا یَا اُخْتَ هٰرُوْنَ حرکت کی ہے اے ہارون کی بہن نہ تمہارے
مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ والد ہی بُرے آدمی تھے اور نہ ہی
وَمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا تمہاری ماں بدکار تھیں۔

(سورہ مریم)

حضرت مریم علیہا السلام نے خود کوئی جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اپنے نومولود شیرخوار بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ خود اسی سے

پوچھ لو، یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور قوم کو پہلے تو صرف حضرت مریم کے دامن کی صفائی پر شک تھا۔ اب انہیں ان کی دماغی صحت پر بھی شبہ ہونے لگا۔ کہنے لگے سوچو تو سہی کیا کہہ رہی ہو، ہم اس بچے سے اپنے ذہنوں میں پنپنے والے سوالوں کا جواب کیسے دریافت کریں۔ یہ عمر تو بولنے کی نہیں۔

حضرت مریم علیہ السلام نے کہا ہوگا اسے پوچھ کر تو دیکھو، میں خود نہیں کہہ رہی۔ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ خود کوئی جواب نہ دینا، قوم کی الزام تراشیوں سے جواب میں مکمل سکوت اختیار کرنا اور بہتان تراشی کرنے والوں سے کہہ دینا کہ اپنے سوالات و اشکالات کے جوابات مجھ سے پوچھنے کے بجائے خود اس نومولود ہی سے دریافت کر لو۔

وہ اللہ جو بڑوں کے منہ میں حرکت کرنے والے گوشت کے ٹکڑے میں قوت گویائی رکھ سکتا ہے وہ چاہے تو معصوم بچے کو بھی بولنے کی طاقت دے سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بولے اور اس طرح بولے کہ ان کے بولنے پر خطیبوں کی خطابت اور ادیبوں اور شاعروں کی فصاحت و بلاغت قربان کی جا سکتی ہے۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ
وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا
اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ
وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا

تو ہمیں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے کمالات و فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے اس ماں کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے جس کے شکم سے حضرت عیسٰی رُوح اللہ تولد ہوئے اور جس ماں کو اپنے بچے کی خاطر قوم کے دل آزار اور ہمت شکن طعنے سننے پڑے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

میری ماؤں اور بہنو! آیئے ہم کونین کے آقا جانِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا جائزہ لیں۔ یہاں بھی آپ کو عورت نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہاتھ بٹاتی نظر آئے گی۔

ساتویں صدی عیسوی میں اکتالیس کی عمر میں جب ہمارے آقا محمد بن عبد اللہ سے محمد رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنے اور غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ اس عجیب و غریب واقعہ سے خوفزدہ ہو گئے۔ آپ گھر تشریف لائے تو شدّتِ خوف سے آپ کے جسم پر کپکپی طاری تھی۔ آپ نے گھر پہنچتے ہی حضرت خدیجہ رضؓ سے کہا کہ مجھے کچھ اُڑھا دو، مجھے کچھ اُڑھا دو، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضؓ نے گھبراہٹ اور کپکپی کا سبب پوچھا تو آپؐ نے غارِ حرا میں پیش آنے والا واقعہ تفصیل کے ساتھ سنا دیا۔ حضرت خدیجہ رضؓ ایک سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ وہ نبوت اور انبیاء کے بارے میں جانتی تھیں۔ وہ فرشتوں کے وجود سے باخبر تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ محمد بن عبد اللہ کے ساتھ دن رات کی رفاقت کی وجہ سے وہ آپ کے ظاہر اور پوشیدہ سے واقف تھیں۔ وہ آپ کے شمائل و فضائل

سے بھی آگاہ تھیں۔ وہ آپ کی سیرت و کردار سے بھی باخبر تھیں۔ وہ پورا واقعہ سن کر فوراً سمجھ گئیں کہ یہ کسی جن یا شیطان یا آسیب کا اثر نہیں بلکہ یہ وہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں پر نازل ہوتی رہی ہے انہوں نے پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہا۔

"ہرگز نہیں، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی اور رشتہ داروں کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمان کی ضیافت و خاطر و مدارات کرتے ہیں۔ راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔

عورت کا شرف

سیرت نگاروں میں یہ بحث رہی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر سب سے پہلے ایمان کون لایا اور عام طور پر فیصلہ یوں کیا جاتا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضؓ، بچوں میں سے حضرت علی رضؓ، غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ اور عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔

لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے سیرت کا جو ناقص سا مطالعہ کیا ہے۔ اس کی وجہ سے میرا ضمیر تو یہی گواہی دیتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان کا شرف حضرت خدیجہ رضؓ کو حاصل ہوا ہے۔ غارِ حرا کے واقعے کی سب سے پہلے اطلاع بھی انہی کو حاصل ہوئی اور سب سے پہلے انہی کے دل میں ایمان اور یقین کی روشنی پھوٹی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی باتوں

سے بڑا حوصلہ ملتا تھا۔

انہوں نے بھی ہر ہر موقع پر آپ کی پشت پناہی اور حمایت کی۔ لوگوں سے آپ کو جو تکلیفیں پہنچتی تھیں۔ وہ ہمیشہ ان کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

قریش مکہ گالیاں بھی دیتے تھے، بُرے بُرے القاب سے بھی نوازتے تھے، طعنے بھی دیتے تھے، بازاری باتیں بھی کرتے تھے۔ ہاتھ چلانے سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ آپ یہ سب کچھ سن کر اور سہہ کر گھر تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ رض ہمت بندھاتی تھیں، تسلیاں دیتی تھیں۔ قیامت تک آنے والی خواتین اس بات پر فخر کر سکتی ہیں کہ:

جب عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا۔ ایک عورت آپ کی پشت بانی کر رہی تھی۔

جب سب جھٹلا رہے تھے تو ایک عورت تصدیق کر رہی تھی۔

جب سب انکار کر رہے تھے تو ایک عورت اقرار کر رہی تھی۔

جب سب دل توڑ رہے تھے تو ایک عورت دل جوڑ رہی تھی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت خدیجہ رض کی خدمات کا بڑا احساس تھا۔ اسی لئے جب تک وہ زندہ رہیں۔ آپ نے کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ نبوت کے دسویں سال جب حضرت خدیجہ رض اور ابو طالب کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا تو یہ سال غم کے سال (عام الحزن) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ کیونکہ آپ کو ان کی جدائی کا بیحد غم ہوا تھا۔

حضرت خدیجہ رض کے انتقال کے بعد بھی آپ انہیں یاد کیا کرتے

تھے ۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بڑا تعجب ہوتا تھا کہ حسین و جمیل اور کم عمر بیویوں کے باوجود آپ اس خاتون کو یاد کرتے ہیں، جو انتقال بھی کر چکی ہیں اور عمر میں بھی آپ سے تقریباً پندرہ سال بڑی تھیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ عائشہ رضؓ کو اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ میں خدیجہ رضؓ کو کیوں یاد کر رہا ہوں تو فرمایا اے عائشہؓ!

كَانَتْ مَا كَانَتْ خدیجہ تھی جو تھی ۔

یہ بہت مختصر اور مجمل سا جملہ ہے مگر یوں کہیئے کہ اس اجمال میں سینکڑوں تفصیلات سمٹ آئی ہیں۔ اگر آپ یوں فرماتے کہ

خدیجہ بڑی غمخوار اور صاحب ایثار تھی ۔

خدیجہ بڑی رقیق القلب اور لطیف الروح تھی ۔

خدیجہ بڑی خدمت گار اور باکردار تھی

خدیجہ صورت و سیرت میں ممتاز تھی

خدیجہ کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں ۔

تو ان میں سے کسی جملے میں بھی وہ کشش وہ جامعیت اور وہ زور نہیں ہو سکتا تھا جو اس مختصر سے جملے میں ہے ۔

كَانَتْ مَا كَانَتْ تھی جو تھی

گویا آپ یوں فرمانا چاہتے تھے کہ اے عائشہ! خدیجہ کیا تھی، کیسی تھی، اس کا میرے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ میں یہ بیان نہیں کر سکتا۔ یعنی الفاظ خدیجہ رضؓ کے احسانات کو بیان نہیں کر سکتے ۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ | اگر نبوت کے ابتدائی کٹھن اور مشکل

حالات میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اور سہارا دینے والی ایک صاحب عزیمت خاتون تھی تو نبوت کے پیغام اور شریعت کے احکام کو عام لوگوں تک پہنچانے کی سعادت بھی ایک عورت ہی کے حصّے میں آئی ہے

گھر سے باہر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ بیشک صحابہ رضؓ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ لیکن آپ کی زندگی کا جو حصہ گھر کے اندر گذرتا تھا۔ اس کے اقوال و افعال امت تک پہنچانے کا سہرا اماں عائشہ صدیقہ رضؓ کے سر پر سجتا ہے۔

وہ فقہاءِ صحابہ میں سے سب سے ممتاز تھیں۔ بڑے بڑے فقیہ صحابہ رضؓ بھی مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کہتے ہیں کہ اگر ہم اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی حدیث کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو ہم حضرت عائشہ رضؓ سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس کا علم ضرور ہوتا۔ (طبقات ابن سعد)

وہ صحابہ کی ماں تو تھیں ہی، انہیں بیسیوں صحابہ کی معلمہ اور اُستاذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

حسّان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید، حلال و حرام اور فرائض و احکام، اشعار، تاریخ عرب اور انساب میں ان سے زیادہ کسی کو واقف نہیں پایا۔ (طبقات ابن سعد)

امام زہری رحؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ تمام لوگوں سے زیادہ عالم تھیں اور بڑے بڑے صحابہ رضؓ ان سے علم حاصل کرتے تھے۔

اگر میں یوں کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ ساری امت کے معلم اور اُستاذ صحابہ

ہیں اور صحابہ رضؓ کی استاذ سیدہ عائشہ رضؓ ہیں
صحابہ میں اختلاف ہوجاتا تو رجوع ان کیطرف کرتے۔
کسی مسئلے میں اشتباہ ہوجاتا تو وہی اشتباہ کو دور کرتیں۔
کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو رہنمائی اماں عائشہ رضؓ فرماتی تھیں۔

اماں عائشہ کی علمی برتری کی ایک وجہ تو ان کی بے مثال ذہانت اور بے نظیر حافظہ تھا۔ اسی کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عام صحابہ رضؓ ادب و احترام کی وجہ سے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ لیکن اماں عائشہ رضؓ کو جس مسئلہ میں اشتباہ ہوتا تھا۔ اس کے بارے میں بلا جھجک آپ سے دریافت کر لیتی تھیں۔ یوں آپ سے پوچھ پوچھ کر سیدہ نے اتنا علم حاصل کر لیا تھا کہ امام زہری شہادت دیتے ہیں:

لو جمع علم الناس کلھم	اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین
ثم علم ازواج النبی صلّی	کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت
اللہ علیہ وسلم فکانت عائشۃ	عائشہ رضؓ کا علم ان سب سے زیادہ
وسعھم علماً۔	ہوگا۔

تو نبوت تو عبداللہ کے دُرِّ یتیم اور آمنہ کے لعل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ملی لیکن مشکلات میں نبی کا حوصلہ بڑھانے اور پھر نبی کی تعلیمات و ارشادات کو پھیلانے اور امت تک پہنچانے کا شرف دو خواتین کو حاصل ہے اور یہ ایسا شرف ہے جو قیامت تک ان سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

پہلی شہادت

اس کے علاوہ اسلام کے لئے سب سے پہلے خون کا نذرانہ پیش کرنے کا شرف

بھی ایک عورت ہی کے حصّے میں آیا۔ آپ نے حضرت عمّار بن یاسرؓ کی والدہ حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا ساتواں نمبر تھا یہ وہ وقت تھا جب مسلمان ہونے کا مطلب مکہ کے سرداروں کو جور و جفا کے حربے آزمانے کی دعوت دیتا تھا۔

حضرت سمیّہ رضؓ تو تھیں بھی کنیز!

جب آزاد اور خاندانی لوگوں کو کوئی نہیں بخشتا تھا تو ایک کنیز قریش کے پنجۂ استبداد سے کیسے بچ سکتی تھی؟

مغیرہ کا خاندان جس کی آپ کنیز تھیں۔ انہوں نے آپ کو دوبارہ کفر و شرک پر مجبور کرنے کے لئے ہر حربہ آزمایا، ہر کوشش کر دیکھی، ہر قسم کا لالچ دیا لیکن حضرت سمیّہ رضؓ نہایت مضبوطی سے اپنے عقیدہ پر قائم رہیں۔ جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے۔ لیکن ان کے عزم و استقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتشکدہ سرد پڑ جاتا تھا۔

ایمان میں اللہ نے ایسی طاقت رکھی ہے کہ کمزوروں کو شاہوں سے آنکھیں لڑانے کا حوصلہ بخش دیتا ہے۔

سمیّہ صنفِ نازک میں سے تھیں مگر ایمان قبول کرنے کے بعد اپنے دنیاوی آقاؤں کے سامنے ڈٹ گئیں۔ جس نے مشرکین کو باؤلا کر دیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک معمولی کنیز ہماری کسی بات کے ماننے سے انکار کر سکتی ہے۔

ایک روز دن بھر کی اذیت کے بعد شام کو گھر آئیں تو ابوجہل نے گالیاں دینا شروع کر دیں اور پھر اس کا غصّہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری

کہ حضرت سمیّہ شہید ہوگئیں مگر قیامت تک کے لئے عورتوں کا سر فخر سے بلند کر گئیں کیونکہ مکہ میں یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی خاطر بہایا گیا تھا۔

یہ صرف حضرت سمیّہ رض کی استقامت نہ تھی۔ ان کے علاوہ بھی کئی لونڈیاں تھیں۔ حضرت زنیرہ رض، حضرت نہدیہ رض وغیرہ جنھیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بے تحاشا ستایا گیا مگر وہ دامن مصطفوی کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئیں۔

اس میں شک نہیں کہ عورت صنف نازک ہے لیکن جب عورت کسی بات پر ڈٹ جاتی ہے تو اس کی استقامت کے سامنے پہاڑ بھی کمزور دکھائی دیتے ہیں۔

فاطمہ بنت خطاب رض

حضرت فاطمہ بنت خطاب کی استقامت ہی تو تھی جس نے عمر بن خطاب جیسے مضبوط عزائم والے شخص کو شکست ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔

حضرت عمر فاروق رض کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ایک دن رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے ارادے سے گھر سے نکلے، راستے میں ایک مخزومی صحابی سے ملاقات ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے عمر رض نے بڑے طیش میں ان سے پوچھا کہ سنا ہے تم نے بھی اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمدؐ کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔

انہوں نے جرأت سے جواب دیا۔ ہاں میں نے اختیار کر ہی لیا ہے، پہلے تم اپنے گھر کی تو خبر کر لو، جو جرم میں نے کیا ہے اس جرم کا ارتکاب تمہاری بہن اور بہنوئی بھی کر چکے ہیں۔

عمر رضؓ سنا ٹے میں آ گئے اچھا یہاں تک نوبت آ پہنچی۔

سیدھے بہن کے گھر پہنچے ، گھر کا دروازہ اندر سے بند تھا اور بہن فاطمہ بنت خطاب قرآن کی تلاوت کر رہی تھیں۔

وہ جلالی بھائی کی آہٹ سن کر خاموش ہو گئیں اور انہوں نے قرآن کے اجزاء چھپا دیئے۔ لیکن تلاوت کی آواز تو عمر سن ہی چکے تھے۔ اور جانتے تھے کہ یہ وہی کلام ہے جو محمدؐ پڑھا کرتا ہے۔ پھر بھی پوچھا کہ یہ کیس چیز کے پڑھنے کی آواز تھی۔ انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بولے میں سُن چکا ہوں کہ تم دونوں مُرتد ہو گئے ہو۔

یہ کہہ کر بہنوئی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ تمہاری یہ جرأت میرے گھر میں گمراہی لے آئے ہو۔

حضرت فاطمہ رضؓ بچانے کو آئیں تو عمر رضؓ نے ان کی بھی خبر لی، بال پکڑ کر گھسیٹا اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔ مگر توحید کا نشہ نہ اُترا۔

توحید کا نشہ

یہ نشہ ہی کچھ ایسا ہے جب چڑھ جاتا ہے تو اترتا نہیں۔

یوں تو لوگوں کو دولت کا نشہ چڑھ جاتا ہے۔

اقتدار کا نشہ چڑھ جاتا ہے

جوانی کا نشہ چڑھ جاتا ہے۔

مادی عشق و محبت کا نشہ چڑھ جاتا ہے۔

منشیات کا نشہ چڑھ جاتا ہے۔

مگر یہ سب نشے عارضی اور جھوٹے ہیں۔

لیکن توحید کا نشہ دائمی اور سچا ہوتا ہے۔

یہ جب چڑھ جاتا ہے تو اترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

وقت کے فرعونوں کی دھمکیاں

نمرودوں کی آگ کے دریا

ابوجہلوں کا جور وجفا

اور شدادوں کی تحریص وترغیب

ان میں سے کوئی چیز بھی اس نشے کو نہیں اتار سکتی

یہ نشہ جب چڑھ جاتا ہے تو آگ کے شعلے پھولوں کی مالائیں محسوس ہوتی ہیں۔

جور وجفا میں لذت آتی ہے

اور دولت کے انبار اس کے مقابلے میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر دکھائی دیتے ہیں۔

دیکھنے والے جب موحد کو دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ اسے ہو کیا گیا ہے۔

یہ تو ایک تھپڑ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب کوڑوں کی ضربوں کی بھی پرواہ نہیں کر رہا۔

اس نے تو کبھی ہمارے سامنے آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کی تھی اور اب آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا ہے۔

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ

جو کرنا ہے کر لو یہ اٹھے ہوئے قدم اب واپس نہیں پلٹ سکتے

حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ وہ سوچ بھی نہیں

سکتے کہ یہ لڑکی جو میری بہن بھی ہے۔ اتنی استقامت دکھا سکتی ہے
لہولہان بہن نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
عمر جو کر سکتے ہو کر لو لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔
ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پہ ایک خاص اثر کیا، پسیج کر
رہ گئے، بہن کیطرف دیکھا تو ان کے بدن سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر
دل موم ہو گیا۔ قدرے لجاجت سے کہا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے، مجھ
کو بھی دکھاؤ۔
فاطمہؓ نے جب شکست خوردہ لہجہ اور بدلا ہوا انداز دیکھا تو
قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے۔
حضرت عمرؓ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رُعب چھا تا
جا تا تھا۔
چند آیات کی تلاوت نے عمر کو لمحوں میں بدل دیا، دل و دماغ
سے کفر و شرک کی ظلمت نکلتی گئی اور توحید کا نور پھیلتا گیا۔
تلاوت کرتے کرتے ایک آیت پر پہنچ کر پکار اُٹھے۔
اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
رَّسُوۡلُ اللّٰهِ۔
یہ واقعہ بتاتا ہے کہ انبیاءِ کرام کے بعد انسانی تاریخ کا سب
سے بڑا کشور کشا۔
سب سے بڑا عدل پرور بادشاہ
دس لاکھ مربع میل کا فاتح
اور مسلمانوں پر دس سال سے زیادہ حکومت کرنے والا انسان

اِسلام کے قدموں پر آکر جو ڈھیر ہوا تو اسکے پیچھے اللہ تعالےٰ کی مشیت کے علاوہ عالم اسباب میں ایک عورت کا ہاتھ تھا۔

اُمِّ حکیم رضؓ

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا نام کبھی آپ نے سنا ہوگا۔؟

یہ ابوجہل کے بیٹے تھے اور ابوجہل کے نام سے تو مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔

وہی ابوجہل جس نے حضرت سمیہ رضؓ کو شہید کیا تھا۔

وہی ابوجہل جو کائنات کے آقا کو کاہن اور دیوانہ کہا کرتا تھا

وہی ابوجہل جس کے کہنے پر عقبہ بن ابی معیط نے سجدہ کی حالت میں فاطمہ کے ابا کی مقدس کمر پر اونٹ کی گندگی اور وزنی اوجھڑی لاکر رکھ دی تھی۔

وہی ابوجہل جو اسلام قبول کرنے والے غلاموں اور لونڈیوں پر ظلم وستم ڈھانے میں پیش پیش رہتا تھا۔

وہی ابوجہل جو جنگ بدر میں شمع رسالت کو گل کر دینے کا عزم لے کر آیا تھا

اسی ابوجہل کے بیٹے تھے حضرت عکرمہ رضؓ!

مگر حضرت عکرمہ رضؓ تو وہ بعد میں بنے، پہلے تو صرف عکرمہ بن ابی جہل تھے اور ان کو عکرمہ سے حضرت عکرمہ رضؓ بنانے میں ایک خاتون کا ہاتھ ہے۔

یہ خاتون ام حکیم تھیں حضرت عکرمہ کی بیوی

جب مکہ فتح ہوا تو عکرمہ جان کے خوف سے مکہ چھوڑ کر یمن چلا گیا۔

تھا اس کی بیوی حضرت ام حکیم رضؓ کو پتہ چلا تو وہ بھی یمن جا پہنچیں اور جا کر اسے سمجھایا کہ عکرمہ کس غلط فہمی میں ہو، تمہیں محمدؐ کے دامن کے سوا کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ جب عکرمہ رضؓ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ نے نہ صرف ان کو امان دی بلکہ ان کے استقبال کے لئے اتنی تیزی سے اُٹھے، کہ چادر بھی جسمِ اطہر سے ہٹ گئی تھی۔ پھر یہی عکرمہ تھے جنھوں نے ارتداد کی جنگوں اور شام کے معرکوں میں بڑی خدمات انجام دیں مگر ان کے ایمان اور ان کی خدمات کے پس پردہ بھی آپ کو ایک خاتون کا ہاتھ دکھائی دے گا۔

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا

مشہور صحابی رضؓ حضرت ابو طلحہ رضؓ کے ایمان کے پیچھے بھی آپ کو ایک خاتون کا ہاتھ دکھائی دیگا اور اس کی استقامت دکھائی دے گی۔ اور اس خاتون کا نام حضرت ام سلیم رضؓ ہے۔ حضرت ام سُلیم رضؓ پہلے مالک بن نصر کے نکاح میں تھیں اور انہوں نے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جبکہ ان کے شوہر مالک بن نصر اپنے باپ دادا کے نکاح پر قائم رہنا چاہتے تھے۔ اور ام سلیم انہیں اسلام کی دعوت دیتی تھیں۔ نہ انہوں نے ان کی دعوت قبول کی اور نہ یہ اسلام چھوڑنے کے لئے تیار ہوئیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

ان کے انتقال کے بعد ابو طلحہ رضؓ نے حضرت ام سلیم رضؓ کو نکاح کے لئے پیغام بھیجا۔ لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ تم مشرک ہو اور میں کسی بھی مشرک کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی۔ پھر ایک جوش اور جذبے کے

ساتھ فرمانے لگیں۔

یا ابا طلحۃ! الست تعلم ان الٰھك الذی تعبدُ نبتت من الارض قال بلیٰ قالت افلا تستحی تعبد شجرۃ (اصابہ ج ۸ صہ ۲۲۳)	ابو طلحہ رضؓ کیا تم نہیں جانتے کہ تمھارا معبود زمین سے اُگا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں جانتا ہوں ام سلیم رضؓ بولیں تو پھر تمہیں درخت کی پوجا کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

یہ سادہ سی دلیل حضرت ابوطلحہ رضؓ کے دل پر اثر کر گئی اور وہ فوراً مسلمان ہوگئے، ان کے مسلمان ہوجانے پر حضرت ام سلیم رضؓ نکاح پر راضی ہوگئیں اور ساتھ ہی مہر بھی معاف کر دیا اور کہا "میرا مہر اسلام ہے"
حضرت انس رضؓ کہا کرتے تھے یہ عجیب وغریب مہر تھا۔

یہ وہ عظیم خاتون ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَیں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، مَیں نے کہا کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ انس رضؓ کی والدہ غمیصہ بنت ملحان (ام سلیم رضؓ) ہیں۔[1]

بہادر ایسی تھیں کہ جب غزوہ اُحد میں مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے تو یہ نہایت مستعدی سے اپنی ذمہ داری پوری کر رہی تھیں۔
صحیح بخاری میں حضرت انس رضؓ سے منقول ہے کہ "میں نے حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ام سلیم رضؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہوجاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔[2]

صبر والی ایسی تھیں کہ ان کے لاڈلے اور پیارے بیٹے ابوعمیر کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ابوطلحہ کہیں سے سفر سے واپس آئے تو ان کو فوراً نہیں بتلایا

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ صہ ۳۴۲ [2] صحیح بخاری ج ۲ صہ ۵۸۱

تاکہ اچانک خبر سے ان کو زیادہ صدمہ نہ ہو بلکہ اُنہیں کھانا کھلا کر سُلا دیا کچھ رات گذر گئی ان کو اس واقعہ کی اطلاع دی مگر وہ بھی عجیب انداز سے :

بولیں اے ابو طلحہ ! اگر تم کو کوئی شخص عاریتًا ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کر دو گے، ابو طلحہ نے جواب دیا، بالکل نہیں۔

کہنے لگیں۔ اپنے بیٹے کے بارے میں صبر کر لو، چونکہ اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے۔ ابو طلحہ رضؓ سُن کر غصّہ ہوئے کہ پہلے کیوں نہیں بتایا، صبح اٹھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی۔

فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مردوں کے کمالات اور کارناموں سے انکار نہیں مگر عورتیں بھی کسی سے پیچھے نہیں، ان کے کارناموں سے بھی تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اگر گہری نظر سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مردوں کے کارناموں کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

کسی ماں کی تربیت

کسی بہن کی استقامت

کسی بیٹی کی قربانی

کسی بیوی کے ایثار

کا عمل دخل ضرور ہو گا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے برادرِ اکبر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی قربانی، شہادت اور حسنِ عمل سے آپ میں سے کوئی بہن بیٹی ناواقف نہیں ہوگی، خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ ہو، لیکن ہمیں حسنین رضی اللہ عنہما کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس عظیم ماں کو نہیں بھولنا چاہیے جس نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کی اس طرح تربیت کی کہ ان کے دل میں اللہ تعالےٰ کے خوف کے سوا کسی حکومت کسی طاقت کسی بادشاہ اور کسی سرمایہ دار کا خوف نہ رہا۔

اس عظیم ماں نے ان کے دلوں میں حق کی محبت، حق کی اطاعت، حق پر استقامت اور حق کے لئے مرنے جینے کا جذبہ اس قدر کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ کہ وہ حق کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے۔

اَولاد میں قربانی کا جذبہ کیوں نہ ہوتا جبکہ ماں کی ساری زندگی قربانی اور ایثار کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

سیدہ فاطمہ رضہ کے بے مثال والدگرامی نے اپنی بیٹی کی تربیت ہی ایسی کی تھی کہ ایثار اور قربانی ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔

جب اسلام میں فتوحات کا دَور شروع ہوا تو دولت کی ریل پیل ہو گئی تھی اور حضرت فاطمہ رضہ کے ابا لوگوں میں مال و زر کے خزانے تقسیم فرمارہے تھے۔ بعض گھرانوں میں کئی کئی غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔ لیکن آپ جانتی ہیں کہ مال و دولت کی کثرت کے اس دور میں بھی سیدہ فاطمہ رضہ کی زندگی کیسے گذر رہی تھی۔

آج ان کی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم جیسے سنگدلوں کی آنکھوں میں

بھی آنسو آجاتے ہیں۔ حالت یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے

گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے میلے کچیلے ہوجاتے تھے

چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہوجاتے تھے۔

لیکن اس سب کے باوجود جب انہوں نے ایک بار گھر کے کاموں کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو یتیموں اور بیکسوں کے ماوٰی وملجا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اپنے ابا کی جان! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں، اسی لئے تو علامہ شبلی نعمانی نے کہا ہے ؎

یوں کی ہے اہلِ بیت مطہرؓ نے زندگی

یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا

جب ماں کی تربیت ایسی ہوگی تو وہ اپنی اولاد کی تربیت بھی اسی انداز سے کرے گی اور اگر بچیوں کی تربیت صحیح طریقے سے نہ ہوسکی تو وہ جب مائیں بنیں گی تو وہ بھی اپنی اولاد کو صحیح نہج پر نہیں چلا سکیں گی۔

اپنی ذمہ داری سمجھئے

میری ماؤں اور بہنوں! یاد رکھیئے آپ کا کام صرف سینا پرونا اور کھانا پکانا نہیں ہے۔ بلکہ گھر کے ماحول پر نظر رکھنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ کی سب سے بڑی اور سب سے مقدم ذمہ داری تو اولاد کی صحیح تربیت ہے۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ آج کل کے ڈاکٹر اور نفسیات کے ماہر تسلیم کرتے ہیں کہ بچہ اس وقت سے سیکھنا شروع کر دیتا ہے جب وہ بول بھی نہیں سکتا جب اس کی بے شعوری بلکہ بے ہوشی کا زمانہ

ہوتا ہے۔ وہ چند ماہ کا ہوتا ہے مگر اپنے ماحول کا اثر قبول کرنا شروع کر دیتا ہے۔

اگر ماں تقویٰ و طہارت اور صدق و دیانت جیسی صفات سے مالا مال ہوگی تو یہ صفات اس کی اولاد میں بھی ظاہر ہوں گی اور اگر ماں موسیقی کی دلدادہ اور فیشن پرست ہوگی تو اولاد میں بھی اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔

افسوس تو یہ ہے کہ آج ہماری ماؤں بہنوں نے اپنی ذمہ داریاں بہت بڑھالی ہیں۔

بازاروں میں بے مقصد گھومنا ان کی ذمہ داری
پارٹیوں میں بن سنور کر جانا ان کی ذمہ داری
کلبوں میں جاکر دادِ فحاشی دینا ان کی ذمہ داری
نت نئے فیشنوں کے چکر میں پڑنا ان کی ذمہ داری
رقص و سرود کی محفلیں سجانا ان کی ذمہ داری
ڈراموں اور فلموں کا دیکھنا ان کی ذمہ داری
پڑوسنوں کی چغلیاں اور غیبتیں کرنا ان کی ذمہ داری
بیوٹی پارلر میں جاکر گھنٹوں میک اپ کروانا ان کی ذمہ داری

اب اتنی ذمہ داریوں کے درمیان اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے وقت بچے تو کیسے بچے؟

آئیڈیل کون

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے لئے آئیڈیل یورپ کی گندی تہذیب کی آوارہ خواتین کو بنالیا ہے۔

وہ شوہر اور بچوں کے ساتھ انہیں جیسا سلوک کرنا چاہتی ہیں۔

وہ گھر اور باہر کی زندگی انہیں کے طرز پر گذارنا چاہتی ہیں۔

وہ انہیں جیسا لباس زیب تن کرنا چاہتی ہیں۔

وہ انھیں کی ثقافت اور معاشرت اختیار کرنا چاہتی ہیں۔

اور ان کا خیال ہے ——— اور کیسا غلط خیال ہے کہ اگر ہم ان

جیسی بن گئیں تو ہم کامیاب ہو جائیں گی۔

ہائے ہائے، کیسی ناقص سوچ ہے، کیسا غلط خیال ہے، کیسی

سڑی ہوئی فکر ہے

ارے میری ماؤں اور بہنوں! تمہاری کامیابی

کلبوں میں ڈانس کرنے والی؟

بازاروں میں بے پردہ گھومنے والی

اور عریاں ہو کر اپنی نسوانیت کی توہین کرنے والی عورتوں جیسا بننے

میں نہیں ہے۔

تمہارا آئیڈیل فلمی اداکارائیں اور گلوکارائیں نہیں ہیں

بلکہ تمہارا آئیڈیل تو حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی والدہ ماجدہ حضرت

ہاجرہ علیہا السّلام ہیں

تمہارا آئیڈیل تو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔

تمہارا آئیڈیل حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

تمہارا آئیڈیل تو زینب رضؓ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

تمھارا آئیڈیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا ہیں۔

تمھارا آئیڈیل تو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں۔

تمہارا آئیڈیل تو ہم سب کی روحانی ماں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہیں۔

ان کو آئیڈیل بناؤ اور ان کی سیرت اپناؤ پھر دیکھو کیسے گھر بدلتے ہیں، کیسے معاشرہ بدلتا ہے اور پھر کیسے پورا ملک بدلتا ہے۔

ہلاکت کا سامان

جن لغویات کو آپ نے اپنی ذمہ داریاں بنا رکھا ہے۔ یہ آپ کی ذمہ داریاں نہیں ہیں یہ لغویات تو ہلاکت کا سامان ہیں اور یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ ہلاکت کا تھوڑا سا سامان آپ جمع کرتی ہیں یا زیادہ جمع کرتی ہیں، مگر یہ بات ذہن میں ضرور رکھیں کہ ہلاکت کا یہ سامان آپ کو بھی تباہ کر سکتا ہے اور آپ کے پورے گھرانے کو بھی تباہ کر سکتا ہے اور اگر آپ چاہیں تو اپنے آپ کو اور پورے گھرانے کو بھی تباہی سے بچا سکتی ہیں۔ اور پورے معاشرے کو بھی تباہی سے بچا سکتی ہیں۔

آخر آپ اپنے شوہر سے اپنے بھائیوں اور بیٹوں سے اپنی ذاتی فرمائشیں بھی تو پوری کراتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ان سے کوئی دینی فرمائش پوری نہیں کرا سکتیں؟

ہو سکتا ہے شوہر دین سے کورا ہو، بھائی اکھڑ مزاج ہو، بیٹا نافرمان ہو مگر آپ اپنی سی کوشش تو کر کے دیکھیں۔ جو کچھ آپ کے بس میں ہے

وہ آپ ضرور کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں وہ اگر چاہے گا تو پتھر جیسے دل کو موم کر دے گا۔

ایک قابل فخر مثال

اسلامی تاریخ سے اس کی ایک قابل فخر اور روشن مثال پیش کرتا ہوں جس سے آپ جان سکتی ہیں کہ عورت اگر کوشش کرے تو گھر، شہر اور ملک کی فضا کیسے بدل سکتی ہے۔

آپ نے تاتاریوں کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ وہی تاتاری جنھوں نے ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا، ترکستان عراق اور ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ تین کروڑ انسانوں کو انھوں نے قتل کیا تھا۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ وہ کوئی بم اور ٹینک اور توپ کا زمانہ نہیں تھا۔ بلکہ تیر اور تفنگ اور تلوار کا زمانہ تھا۔ اس لئے تین کروڑ انسانوں کا قتل ایک معنی رکھتا ہے۔

انھوں نے کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کئے اور ان پر چڑھ کر اپنی کامیابی کے نعرے لگائے۔

مسلمانوں کے ذہنوں پر ان کا اس قدر رُعب اور خوف چھایا ہوا تھا کہ بعض اوقات ایک اکیلا تاتاری مسلمانوں کی ایک جماعت کو پکڑ کر میدان میں کھڑا کر دیتا۔ اور کہہ دیتا کہ میں گھر سے تلوار لینے جا رہا ہوں، میرے آنے تک تم میں سے کوئی بھی یہاں سے قدم نہ ہلائے تو ایسا ہی ہوتا تھا۔ وہ تلوار لے کر آتا تھا اور سب کے کندھوں کو گردن کے بوجھ سے ہلکا کر دیتا اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ بھاگ کھڑا ہو یا چھپ جائے۔

لوگوں کی زبانوں پر یہ مقولہ مشہور ہو گیا تھا کہ

إِذَا قِيلَ لَكَ اِنَّ التَّتَرَ انْهَزَمُوا فَلَا تُصَدِّق

جب تمہیں یہ بتایا جائے کہ تاتاریوں کو کسی جنگ میں شکست ہو گئی ہے تو اس بات کی تصدیق نہ کرنا۔

اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، حقیقت یہی ہے کہ جب دلوں سے اللہ کا خوف نکل جائے تو انسانوں کا خوف دلوں پر چھا جاتا ہے۔

جب اللہ کی ذات کا یقین دل میں باقی نہ رہے تو مادی طاقتوں کا یقین دلوں میں بیٹھ جاتا ہے۔ تاتاریوں نے مسلمان مردوں کو توقتل کر دیا اور ان کی بہو، بیٹیوں کو لاکھوں کی تعداد میں باندیاں بنا کر اپنے گھروں میں ڈال دیا۔

مگر میں آپ کو ایک عجیب بات بتاؤں کہ ایک معجزہ ظاہر ہوا اور وہی تاتاری جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے وہ اسلام کے خادم اور مجاہد بن گئے اور خادم بھی ایسے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حرمین شریفین کی خدمت کے لئے قبول فرما لیا اور عرب و عجم اور ایشیاء اور افریقہ پر وہ پانچ سو سال تک حکمرانی کرتے رہے۔

مگر یہ معجزہ کیسے ظاہر ہوا۔

مؤرخین نے اس بارے میں مختلف واقعات ذکر کئے ہیں مختلف اسباب بتائے ہیں۔ مختلف بزرگوں اور شخصیات کے نام نقل کئے ہیں۔ مگر میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ یہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے ہاتھوں ظاہر فرمایا۔

وہی بے سہارا عورتیں جنھیں تاتاریوں نے لونڈیاں بنا لیا تھا۔ ان

ان عظیم خواتین کے جسموں کو تو تاتاریوں نے قید کر لیا تھا مگر وہ ان کے ذہنوں پر کوئی بندش نہ بٹھا سکے۔

یہ عورتیں تاتاریوں کے جس خاندان اور قبیلے میں بھی باندیاں بن کر داخل ہوئیں۔ اس خاندان اور قبیلے میں اسلام کے نور کو پھیلاتی چلی گئیں۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد چشم فلک، نے یہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین نظارہ دیکھا کہ وہی ترک جن کے ہاتھوں میں اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لئے کل تلواریں تھیں۔ وہی ہاتھ اللہ سے دعائیں مانگنے میں مصروف تھے۔

وہی پیشانیاں جن پر کسی مسلمان کو دیکھ کر بل پڑجاتے تھے وہ آج سجدے میں رگڑ رہی تھیں۔

وہی آنکھیں جن میں کل تک کفر و عدوان کے شرارے تھے، آج ان آنکھوں سے قیامت کے خوف سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

وہ کام جو مسلمان مردوں کی تلواریں نہ کر سکیں وہ کام مسلمان خواتین کی تعلیم و تربیت نے سر انجام دیدیا۔

وہ قوم جسے مسلمان نوجوانوں کی جوانیاں شکست نہ دے سکیں اس قوم کو بے سہارا مسلمان باندیوں نے اسلام کے قدموں پہ لاکر ڈھیر کر دیا۔

پہلے اپنے آپ کو بدلیئے

ان بے سہارا لونڈیوں نے وحشی تاتاریوں کے افکار و عقائد کو جو بدل کر رکھ دیا تو اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خود ان لونڈیوں کے سینے میں ایمان کی حرارت سرد نہیں پڑی تھی اور دین اسلام سے ان کا تعلق

کمزور نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ تعلق کمزور پڑ جاتا، یا وہ حالات سے سمجھوتہ کر کے خود بھی تاتاریوں کے اعمال وافکار کو اپنا لیتیں تو وہ کبھی بھی یہ کارنامہ سرانجام نہ دے سکتی تھیں جس پہ آج تک ہم فخر کر رہے ہیں۔

یقیناً آپ میں سے بہت ساری مائیں بہنیں ایسی ہیں جو دل سے چاہتی ہوں گی کہ ان کی اولاد نیک ہو لیکن تعجب تو یہ ہے کہ وہ اولاد کو تو نیک دیکھنا چاہتی ہیں مگر خود نیک بننے کے لئے تیار نہیں۔

جب تک آپ اپنے آپ کو نہیں بدلیں گی۔ گھر کے ماحول کا اور اولاد کا بدلنا ناممکن ہے۔

اگر آپ اپنی زندگی کو غلامیٔ رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں ڈھال لیں

سچائی کو اپنی عادت بنا لیں۔

حرام کا لقمہ پیٹ میں نہ جانے دیں۔

پھر دیکھیں اولاد پر اس کے کیسے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

ایک دیندار بادشاہ کا واقعہ

مجھے اس موقعہ پر افغانستان کے سابق بادشاہ امیر دوست محمد کا واقعہ یاد آرہا ہے جو بڑے خدا ترس اور دیندار انسان تھے۔

ان کے زمانے میں کسی دوسرے بادشاہ نے افغانستان پر چڑھائی کر دی، انہوں نے اسکے مقابلے میں شہزادے کو فوج دے کر بھیج دیا۔

چند دنوں کے بعد ان کے کارندوں نے اُنہیں اطلاع دی کہ آپ کا بیٹا امیر عبدالرحمٰن دشمن کے مقابلے میں شکست کھا کر بھاگ گیا ہے۔

اُنہیں بڑا صدمہ ہوا، جا کر اپنی اہلیہ کو یہ اندوہناک خبر سنائی تو اس

نے اس خبر کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ شوہر کہہ رہے ہیں کہ یہ خبر سچی ہے کیونکہ مجھے میرے خاص محکمہ والوں نے خبر دی ہے اور بیوی کہہ رہی ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ میرا بیٹا شکست کھا کر میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کر لے۔

وہ یا تو شہید ہو گا یا فتح پائے گا۔ مگر بھاگنے والی بات میں کسی صورت ماننے کے لئے تیار نہیں

دوسرے دن بادشاہ کو باوثوق ذرائع سے اطلاع مل گئی کہ واقعی وہ شکست کھا کر بھاگنے والی خبر جھوٹی تھی۔ مگر اسے تعجب اس بات پر تھا کہ آخر میری بیگم نے بغیر کسی تحقیق کے اتنے اعتماد کے ساتھ یہ بات کیسے کہہ دی تھی کہ میرا بیٹا شکست کھا کر بھاگ نہیں سکتا۔

جب اس نے بیگم سے پوچھا تو پہلے تو وہ بتلانے میں پس و پیش کرتی رہی پھر کہنے لگیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب یہ میرے پیٹ میں تھا۔ مَیں نے اللہ تعالےٰ سے عہد کیا تھا کہ ان نو مہینوں میں ایک مشتبہ لقمہ بھی اپنے پیٹ میں نہیں ڈالوں گی۔ صرف رزقِ حلال ہی میرے پیٹ میں جائے گا۔ اس لئے کہ ناپاک کمائی سے خون بھی ناپاک پیدا ہوتا ہے اور ناپاک خون سے اخلاق بھی گندے اور ناپاک پیدا ہوتے ہیں

دوسری بات جس کا مَیں نے التزام کیا وہ یہ تھی کہ مَیں جب اسے دودھ پلانے لگتی تھی تو دو رکعت نفل پڑھ کر اور اللہ تعالےٰ سے دعا مانگ کر اسے دودھ پلاتی تھی۔

ان دو باتوں کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا بزدل اور کمینہ نہیں ہو سکتا۔ وہ فاتح بن سکتا ہے وہ سینہ پر زخم کر کے شہادت کا عالی مرتبہ

حاصل کر سکتا ہے مگر پشت پر زخم کھا کر بھاگ نہیں سکتا۔

قابلِ رشک مائیں

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا بھی ایک ایسی ہی ماں تھیں۔ جنہیں اس بات پر یقین تھا کہ چونکہ میں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ خیانت نہیں کی اس لئے میرے بیٹوں کو بزدل اور کم ہمت نہیں ہونا چاہیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب عراق میں جنگ قادسیہ ہوئی تو وہ اپنے چاروں جوان بیٹوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئیں۔ اور بیٹوں کو میدان جنگ میں ترغیب دیتے ہوئے فرمانے لگیں۔

اے میرے بیٹو! تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمہارے باپ سے بد دیانتی کی ہے نہ تمہارے ماموؤں کو رسوا کیا ہے، نہ تمہارے حسب و نسب کو داغ لگایا ہے۔ جہاد کا ثواب تم جانتے ہو، آخرت بہتر ہے اس فانی دنیا سے۔ کل صبح جب میدان جنگ میں جاؤ تو دعا مانگتے ہوئے جانا۔ چنانچہ صبح سخت ترین جنگ ہوئی اور اُن کے چاروں بیٹے شہید ہو گئے۔ شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو لاشوں کے پاس تشریف لے گئیں اور فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میری محنت ٹھکانے لگی، اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بیٹوں کی شہادت کی عزت بخشی ؎

اس قدر کر دوں گا ماں کی محبّت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

یہ تھیں وہ قابل رشک مائیں جو نوجوان بیٹوں کو ترغیب دے کر جہاد کا اجر و ثواب اور شہادت کی فضیلت بتا کر میدان جنگ میں بھیجا کرتی تھیں۔ جب مائیں ایسی تھیں تو کفر مسلمانوں سے لرزتا تھا لیکن جب

ماؤں کے سینے سے جذبۂ جہاد نکل گیا۔ اسلام کی سربلندی کی سوچ ان میں باقی نہ رہی، اولاد کی اسلامی نہج پر تربیت کی تڑپ ان میں باقی نہ رہی تو اب ان کی جوان اولادوں کو کیا الزام دیں؟

وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں، ہمیں اسی کی تربیت دی گئی ہے، ہمیں یہی کچھ سکھایا گیا ہے ہم نے اپنے گھر میں یہی کچھ ہوتے دیکھا ہے جھوٹ، منافقت، گالی، گلوچ، غیبت، چغلی، بہتان تراشی، بخل، کنجوسی، بے حیائی، بے پردگی، فحاشی، عُریانیت، سودخوری، رقص وسُرود، گانا بجانا، مار دھاڑ، عصبیت، مفاد پرستی، خود پسندی، تکبّر، غرور، فخر اور ریاکاری ——— ان میں سے کون سی اخلاقی برائی ہے جو ہمارے گھروں میں نہیں ہے۔ تو اگر یہی برائیاں ہماری اولادوں میں پیدا ہو جاتی ہیں تو تعجب کی کون سی بات ہے۔ زمین سے وہی چیز پیدا ہوتی ہے جو بوئی جاتی ہے۔

بچہ تو ایک خالی مگر پاک صاف زمین ہے یہ آپ کی مرضی ہے کہ اس میں پھول بوتے ہیں یا کانٹے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ وہ تو آپ کا نقال ہے۔ اچھا۔ بُرا جو کچھ بھی آپ کو کرتا دیکھے گا۔ وہی کچھ وہ کرنے لگے گا۔

حضرت نظام الدین اولیاء کی والدہ

محبوب الٰہی سلطان الاولیاء نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی گرامی قدر والدہ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا تو صاحبزادے سے کہتیں کہ ہم آج اللہ کے مہمان ہیں۔ حضرت بچپن کی سادگی اور بھولے پن کی وجہ سے عرض کرتے، کہ کیا اللہ کھانا بھیجتا ہے تو

ماں فرماتی کہ اللہ کے ہاں سے روحانی غذائیں آتی ہیں اور وہ غذائیں باطن میں نور اور دل میں سُرور پیدا کرتی ہیں

سلطان جی فرمایا کرتے تھے کہ اس تصور سے کہ ہم اللہ کے مہمان ہیں، مجھے اس فاقہ میں ایسا مزہ آتا تھا جو کھانوں میں نہیں ہوتا۔

اگر اس دور کی ماڈرن ماں ہوتی تو اولاد کے سامنے یا تو شوہر کی بدنامی کرتی کہ تمھارا باپ ہی نکھٹو اور نکمّا ہے۔ اسے کمانے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا نہ رشوت لیتا ہے نہ بھتّہ لیتا ہے، نہ ہی کوئی اور ناجائز چکّر چلاتا ہے۔ جب کہ ساری دنیا اس طرح کما رہی ہے۔ اور عیش کر رہی ہے

یا پھر اللہ کے شکوے کرتی کہ وہ ساری دنیا جہان کو دیتا ہے، ہمیں نہیں دیتا۔ آخر ہمارے اندر کون سی کمی ہے اور ظاہر ہے جو کچھ ماں بچوں کے سامنے کہے گی، وہی کچھ ان کے دلوں کی صاف تختی پر نقش ہوگا۔

امام شافعی رح کی والدہ

اگر بچپن میں اولاد کی صحیح تربیت کی ہو تو بالغ ہونے کے بعد بھی بچے والدین کے سامنے اپنے آپ کو بچہ ہی سمجھتے ہیں اور ان کے حکموں کی تعمیل میں دنیا و آخرت کی سعادت تصوّر کرتے ہیں۔

امام شافعی رح کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ جب وہ طویل عرصہ کے بعد اپنے وطن مکہ معظمہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ بہت سا مال اور دولت اور جانور تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر ان کی والدہ گرامی نے اُن کا استقبال کیا۔

آپ ذرا سوچیے کہ اگر ہمارے دور کی کوئی ماں ہوتی تو کیا کرتی، یقیناً ڈھول ڈھمکّے سے بیٹے کا استقبال کرتی تاکہ حریفوں کے دل جلیں اور

پڑوسیوں پر برتری کا اظہار ہو، لوگوں کو پتہ چلے کہ ہمارا بیٹا کیا کچھ کما کر لایا ہے
مگر حضرت امام شافعی رحہ کی والدہ نے مال و دولت کو دیکھ کر فرمایا کہ کل تم مکہ سے فقیر کی صورت میں گئے تھے اور آج امیر بن کر لوٹے ہو تاکہ اپنے چچازاد بھائیوں پر گھمنڈ کرو۔

امام صاحبؒ نے نہایت فرمانبرداری سے پوچھا کہ اماں جان اس مال و دولت کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ منادی کرادو، کہ بھوکے آئیں اور کھائیں، پیدل چلنے والے آئیں اور سواری لے جائیں، ننگے آئیں اور لباس لے جائیں، اسی طرح تمہاری آبرو بڑھے گی اور آخرت کا اجر محفوظ رہے گا۔

امام صاحب نے ماں کے حکم کی تعمیل کی اور سب مال مستحقین میں تقسیم فرما دیا۔

امام مالک رحہ نے جب یہ واقعہ سنا تو گیارہ سال تک ہر سال اتنا ہی مال و سامان امام شافعی رحہ کو بھیجتے رہے۔ جتنا پہلی مرتبہ امام شافعی رحہ کو دیا تھا اور انہوں نے غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیا تھا۔ تو یہ تھیں وہ مائیں جن کے قدموں کو چھو کر ولی اور محدّث پیدا ہوتے تھے

جن کی تربیت سے مجاہد اور شہید پیدا ہوتے تھے۔

جن کی گود میں پل کر دین کے داعی اور سچے خادم پیدا ہوتے تھے۔

اصل کمال تو آپ کا ہے۔

میں نے عرض کیا ناں! کہ مجھے مردوں کے کمالات اور ان کے کارناموں سے انکار نہیں مگر میں ان عظیم ماؤں کو کیسے بھول جاوں، جن کی کوکھ سے باکمال مردوں نے جنم لیا۔

گھر کا حاکم بیشک مرد ہوتا ہے لیکن اس کی حکومت بیوی کے بغیر نہیں چل سکتی، اگر بیوی اس کے ساتھ تعاون نہ کرے تو اس کے لئے زندگی کے عملی میدان میں کامیابی اور ترقی حاصل کرنا بڑا ہی مشکل ہے

عورت ہی شوہر کی عزت کو بڑھاتی ہے اور وہی اسے ذلت و خواری کے گڑھے میں گراتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کا نام تو آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ اموی خاندان سے تعلق تھا۔ بڑی ہی عادل اور خدا ترس حکمران تھے۔ بعض لوگوں نے انہیں خلیفہ راشد خامس شمار کیا ہے۔ ان کی بیوی عظیم المرتبت حکمران خلیفہ عبدالملک کی صاحبزادی فاطمہ تھی۔ جس کے باپ اور تین بھائیوں کی تین برّ اعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بڑے حصے پر حکومت رہی ہے، گویا فاطمہ چار بڑے بادشاہوں کی بیٹی اور بہن تھی، اس لئے اسے عیش اور راحت کا جو سامان میسّر تھا۔ اس کا شاید ہم تصوّر بھی نہ کرسکیں۔ گھر میں کئی کئی خادم، غلام اور لونڈیاں، ہر طرح کے زیورات، ہر طرح کی سواریاں ہر طرح کے ملبوسات، مفروشات اور عطریات انہیں مہیا تھے۔

ان حالات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رح خلیفہ بنے تو اپنی اہلیہ سے فرمایا، اے فاطمہ! اگر شاہانہ زندگی اور اس کا سامان مطلوب ہے تو مجھ سے جدائی اختیار کرلو۔ ورنہ یہ سارا مال و متاع بیت المال میں جمع کرانا ہوگا۔ کیونکہ یہ پچھلے حکمرانوں نے غلط طریقے سے اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس پر ہمارا نہیں بلکہ غریب مسلمانوں کا حق ہے۔

فاطمہ نے عرض ... مجھے دوسری صورت پسند ہے۔ آپ یہ سارا سامان اور مال و دولت ... یہ جواہرات اور زیورات بیت المال میں

جمع کرا دیں ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اب اس نازوں پلی شہزادی کا یہ حال تھا کہ پیوند لگے کپڑے پہنتی اور اس گھر میں رہتی جس میں نہ غلام اور نہ باندیاں، نہ کرّو فر نہ شان و شوکت، نہ غلے کے ڈھیر ۔ بلکہ بعض اوقات فاقے تک بھی نوبت پہنچ جاتی ۔ حد یہ کہ عید کے دن بچے روتے رہے ان کے لئے نئے کپڑے مہیا نہ ہو سکے ۔

شہزادی فاطمہ رح کو فاقے تو برداشت کرنے پڑے اور گھر میں تنگی و ترشی بھی دیکھنی پڑی ۔ لیکن وہ اپنی آخرت بھی بنا گئی اور تاریخ میں ایک مثال بھی قائم کر گئی کہ عورت شوہر کی خاطر، حق اور سچائی کی خاطر اتنی بڑی قربانی دے سکتی ہے ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کی وفات کے بعد جب اُن کے بھائی نے خلیفہ بننے کے بعد ہمشیرہ کے زیورات بیت المال سے واپس کرنا چاہے تو سیدہ فاطمہ رح کی روحانی بیٹی شہزادی فاطمہ رح نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی زندگی میں تو وفادار رہی، اور اب ان کے مرنے کے بعد نافرمان بن جاؤں ۔ چنانچہ اپنے بھائیوں کی بادشاہت کے دور میں بھی فقیرانہ زندگی پر قناعت پذیر رہیں اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئیں ۔

ضرورت تو یہ ہے

میری ماؤں اور بہنوں! میں کس کس کا نام لوں ۔ اسلامی تاریخ عورت کی قربانیوں، عورت کی خدمت کی داستانوں اور تعلیم و تربیت کے واقعات سے بھری پڑی ہے ۔ مگر آج ہم یہاں محض یہ داستانیں اور واقعات سننے سنانے کے لئے جمع نہیں ہوئے ۔ آج کے اس اجتماع کا مقصد آپ کو

موجودہ دور میں آپ کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا ہے۔

آج جب کہ ہمارے چاروں طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔خون آشامی کی داستانیں عام ہیں، نئی نسل کے ہاتھوں میں آتشین اسلحہ ہے، گھر گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آرہی ہیں۔ہر گھر سینما بنا ہوا ہے

خدارا آپ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیئے، گھر کے ماحول کو بدلیئے اپنی اولاد پر محنت کیجیئے، انہیں دیندار بنایئے، ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کیجیئے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے کہ آپ کے معصوم بچوں کی زبانوں پر فحش گانوں کے بول اور فلموں کے ڈائیلاگ ہوتے ہیں۔

آخر ان کی زبانیں قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر سے نا آشنا کیوں ہیں۔

میری ماں اور میری بہن میری تلخ گوئی کو معاف کر دینا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں بہت زیادہ قصور آپ کا ہے

بچہ آپ کی گود میں ہوتا ہے اور آپ فلم دیکھنے میں مصروف ہوتی ہیں۔

آپ بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہیں اور گانے کی آوازیں اس کی معصوم سماعت سے ٹکرا رہی ہوتی ہیں۔

اگر آپ اپنے کردار کو، اپنی گفتار کو، اپنی معاشرت کو، اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھال لیں تو انشاء اللہ گھر بدلے گا، محلہ بدلے گا شہر بدلے گا اور پھر انشاء اللہ پورا ملک بدلے گا۔ اللہ تعالےٰ سے دعا

ہے کہ وہ ہمیں اپنی سیرت وصورت کو، کردار وگفتار کو اور گھر اور بازار کو اسلام کے مطابق ڈھالنے، بنانے، سنوارنے کی توفیق نصیب فرمائے

وما علینا الا البلاغ



فلمیں اور ڈرامے

غضب ہے یہ "فلموں" کی وبا بھی
ہر ایک مبتلا ہے برا بھی بھلا بھی
کوئی اس کے آخر اثر سے بچا بھی
کہ چھوٹا نہ مجذوب سا باخُدا بھی
ترا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

(حضرت مجذوب رح)

رقص گاہوں میں اس انداز سے پائل چھنکی
اس کی آواز میں آوازِ آذاں ڈوب گئی
اس قدر شور مچاتی رہیں عشرت گاہیں
جس میں مظلوم کی فریاد و فغاں ڈوب گئی

[1] اصل میں "تہذیبِ نو" ہے۔

دوسری چیز جو ہمارے معاشرے میں فلموں اور ڈراموں اور ناچ گانے کی کثرت کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے، وہ نئی نسل ہے اصل میں انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نقّال ہے، وہ جو کچھ کسی کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اس کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہے ——— خاص طور پر چھوٹے بچوں اور نوجوانوں میں نقالی کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے وہ فلموں اور ڈراموں میں مار دھاڑ، چوری چکاری اور عشق و فسق کے جو مناظر دیکھتے ہیں، اپنی عملی زندگی میں ان کی ریہرسل کرتے ہیں۔

آپ گلی کوچوں میں دیکھیں گے کہ چھوٹے چھوٹے بچے ٹرٹر کی آوازیں نکالتے ہیں، فلمی ایکٹروں کیطرح جھوم جھوم کر چلتے ہیں، اور رٹے رٹائے ڈائیلاگ بولتے ہیں۔

یہ سب کچھ انھوں نے کہاں سے سیکھا؟

کسی کنجر خانے میں؟

کسی ڈاکو اور بدمعاش سے؟

نہیں! ہرگز نہیں!

معاف کیجئے گا یہ سب کچھ انھوں نے اپنے ابّا اور امّی کے پہلو میں تفریح کے نام پر غلاظت بھرے پروگرام دیکھ کر سیکھا ہے۔

فلمیں اور ڈرامے [1]

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَھُمْ عَذَابُ جَھَنَّمَ وَلَھُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ

بیشک، وہ جنھوں نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو فتنوں میں مبتلا کیا، پھر توبہ نہ کی، ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلن کا عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۵ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۵ (سورۂ نور)

بلاشبہ جو لوگ مسلمانوں میں فحاشی کا چرچا چاہتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اِذَا عَمِلَتِ الْخَطِیْئَۃُ فَمَنْ شَھِدَھَا کَرِھَھَا کَانَ کَمَنْ غَابَ عَنْھَا وَمَنْ غَابَ عَنْھَا فَرَضِیَھَا کَانَ کَمَنْ شَھِدَھَا (ابوداؤد)

جب زمین میں گناہ کیا جاتا ہے تو جو شخص موقع پر موجود ہو مگر دل میں اس سے نفرت کرے تو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے جو اس سے غائب ہے اور جو شخص وہاں سے غائب ہونے کے باوجود اس پر دل سے

---

[1] ایک ایسے اجتماع میں کی گئی تقریر جس میں پس پردہ بھی موجود تھیں

راضی ہو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے
جو موقع پر موجود ہے۔

محترم حاضرین و حاضرات! یہ دور حقیقت میں فتنوں کا دور ہے، اس دور میں ایمان اور ہدایت پر قائم رہنا واقعی بڑے کمال اور بڑی سعادت کی بات ہے، قدم قدم پر گناہ کی دعوت ہے، گلی کوچوں، گھروں اور بازاروں میں فساد اور ضلالت کے داعی بیٹھے ہیں، کانوں میں گندگی انڈیلنے اور آنکھوں کے بہکانے کے ایسے پرکشش طریقے ایجاد کر لئے گئے ہیں کہ کوئی صاحبِ کمال ہی بچ سکتا ہے اور کوئی سعادت مند ہی نیکی کی راہ پر گامزن رہ سکتا ہے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ضلالت و گمراہی کے غلبے کے دور میں دین پر قائم رہنے والوں کے لئے جو بڑے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں تو ان کی سچائی اور واقعیت آج خود بخود سمجھ آ رہی ہے

جب ہر طرف عریانیت اور فحاشی ہو، سڑکوں پر حیا باختہ اور بے حجاب حُسن کی بجلیاں ہوں، رسالوں اور اخبارات میں نیم عُریاں بلکہ بالکل عریاں تصویریں ہوں، ٹی وی کی اسکرین پر ہیجان انگیز مناظر ہوں، تو اگر کوئی خوش قسمت انسان غلاظت کے اس سیلاب سے اپنا دامن بچا لیتا ہے تو یہ اللہ تعالےٰ کے خصوصی فضل و احسان کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال

افسوس صد افسوس کہ فحاشی اور عریانیت کے سیلاب کی تندی و تیزی میں سب سے اہم اور مؤثر رول ہمارے ذرائع ابلاغ کر رہے ہیں ــــــ ابلاغ کا معنی ہے ایک بات دوسرے تک پہنچانا، یہ جو آپ حضرات تقریر اور بیان کے آخر میں سنتے ہیں کہ خطیب صاحب

کہتے ہیں۔ "وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ" تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہماری ذمہ داری تو بس یہ تھی کہ ہم دین کی بات تم تک پہنچا دیں۔ خواہ تم اس پر عمل کرو یا نہ کرو، تو ذرائع ابلاغ کا معنی یہ ہوا "لوگوں تک بات پہنچانے کے ذرائع"

ان ذرائع سے لوگوں تک اچھی بات بھی پہنچائی جاسکتی ہے اور بری بات بھی،

ان ذرائع سے عوام کو اطاعت کا درس بھی دیا جاسکتا ہے اور بغاوت کا بھی،

ان ذرائع سے فحاشی و عریانیت کی تعلیم بھی دی جاسکتی ہے اور شرم و حیا کی بھی۔

ان ذرائع سے ہم نوجوانوں کو محمد بن قاسم کی راہ پر بھی چلا سکتے ہیں اور چنگیز خان کی راہ پر بھی۔

ان ذرائع سے ہم معاشرے میں محبّت کے پھول بھی بکھیر سکتے ہیں، اور نفرت کے کانٹے بھی۔

مگر افسوس یہ کہ آج کل ان ذرائع کا زیادہ تر غلط استعمال ہو رہا ہے اخبارات اور رسائل و جرائد نے عورت کے جسم کو، اس کے حسن کو، اس کے چہرے کو اور اس کی برہنگی کو اپنی تجارت کے بڑھانے کا ذریعہ بنا لیا ہے، کتنے ہی رسالے ہیں جو صرف چٹ پٹی خبروں، ننگی تصویروں، اور فحش کہانیوں اور خبروں کے ذریعے چل رہے ہیں، دنیا کے کسی ملک میں بھی بے حیائی کا کوئی واقعہ رُونما ہو، یا کسی فلمی اداکار یا اداکارہ کا کوئی اسکینڈل ہو، یا کسی کھلاڑی کا معاشقہ ہو، ہمارے اخبارات اور رسائل اسے مرچ مصالحہ لگا کر چھاپنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ اسکینڈل قوم کے علم میں نہ آیا تو قوم کتنی جاہل رہ جائے گی۔

ہالی وُڈ میں کون کتنویں شادی کر رہا ہے

بمبئی میں کون کس پہ مَر رہا ہے۔

ہانگ کانگ میں کون کس کے لئے ٹھنڈی آہیں بھر رہا ہے۔

فلاں کی فلاں کے ساتھ شادی کے کیا نتائج برآمد ہوں گے

کتنے بچے پیدا ہوں گے۔

یہ شادی کامیاب ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اس شادی کے ملکی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

شادی سے پہلے وہ دونوں کتنی صبحیں اور کتنی شامیں اکٹھی گذار چکے ہیں۔

شادی سے قبل یہ جوڑا کتنے کامیاب اور ناکام معاشقے لڑا چکا ہے۔

شبِ عروسی دلہن کو چھینک آئی تھی یا نہیں آئی تھی۔

ان دونوں نے غسل کیسے کیا اور کہاں کیا۔

صابن اور تولیہ کون سا استعمال کیا

اس شادی کا رقیبوں اور عشاق کی پوری جماعت کی صحت پر کیا اثر پڑا ہے

اور ان کے آئندہ کے عزائم اور منصوبے کیا ہیں

یہ سب کچھ تصویروں کے ساتھ چھاپنا صحافی حضرات اپنی صحافیانہ ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

اشتہار بازی

عریانیت کو فروغ دینے میں اشتہار بازی کا بھی کچھ کم حصہ نہیں ہے، دنیا کی کسی چیز کا اشتہار عورت کی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

ملبوسات میں عورت

مصنوعات میں عورت

عطریات میں عورت

زیورات میں عورت

کاسمیٹک میں عورت

حتیٰ کہ وہ چیزیں جو خاص مَردوں کے استعمال کی ہیں ان میں بھی عورت

ٹریکٹر کا اشتہار ہوگا مگر ساتھ عورت کی تصویر بھی ہوگی

موٹر سائیکل کا اشتہار ہوگا تو بھی عورت کی تصویر۔

دولت کے ان پجاریوں نے قدرت کی ایک پاکیزہ تخلیق کو کھلونا بنا دیا ہے اور اس کے ایک ایک عضو کی نمائش کر کے دولت کمائی جا رہی ہے۔

ماڈلنگ ایک نفع بخش کاروبار بن گیا ہے جس میں بڑے گھرانوں کی نوجوان بیٹیاں اپنے جسم کی نمائش کا منہ مانگا معاوضہ وصولتی اور اس پر سرِعام اِتراتی پھرتی ہیں۔

سب سے مؤثر کردار

مگر فحاشی اور عُریانیت کو فروغ دینے میں ان سب سے بڑھ کر فلموں اور ڈراموں نے کردار ادا کیا ہے جو کہ سینما گھروں میں بڑی اسکرین پر اور ذاتی گھروں میں چھوٹی اسکرین پہ دیکھے جاتے ہیں۔

اب وہ دَور نہیں رہا جب فلمیں دیکھنے والے سینما گھروں میں جانے پر مجبور تھے۔ اب تو ہر گھر سینما گھر ہے

معاملہ صرف بازاروں تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ شرفاء کے گھرانے بھی فلموں اور ڈراموں کی لعنت سے محفوظ نہیں رہے۔ ہر گھر میں ٹی وی اور وی سی آر موجود ہے۔ جس پر لوگ جب چاہتے ہیں اور جونسی چاہتے ہیں۔ فلم دیکھ لیتے ہیں بلکہ ڈش انٹینا نے تو دنیا بھر کی غلاظت کو ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا کر دیا ہے، بس ایک بٹن دبانے کی دیر ہے۔ یورپ کی غلیظ سے غلیظ فلمیں اور عریاں سے عریاں پروگرام سامنے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

ان فلموں اور ڈراموں میں کتنے مفاسد اور کتنی خرابیاں پائی جاتی ہیں اور ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کے کتنے حکم ٹوٹتے ہیں۔ یہ سب کچھ یا تو ہمارے علم میں نہیں یا ہم سب کچھ جاننے کے باوجود خودکشی کا ارتکاب کر رہے ہیں، بلکہ خودکشی کو زندگی سمجھ بیٹھے ہیں اور ظاہر ہے جو شخص کو موت حیات، زہر کو تریاق اور بیماری کو شفا سمجھ لے، اس کے لئے تو بس دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنا نفع ونقصان سمجھنے کی توفیق نصیب فرمادے۔

پھر بھی محض خیر خواہی کے جذبے آپ حضرات کے سامنے فلموں اور ڈراموں میں جو چند بڑی بڑی خرابیاں پائی جاتی ہیں، انہیں عرض کئے دیتا ہوں، شاید رب کریم ہم میں سے کسی کو ہدایت عطا فرمادے۔

وقت کا ضیاع

اگر آپ میری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ تو میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ فلموں اور ڈراموں میں ضیاع ہی ضیاع ہے۔ حاصل کچھ نہیں ہوتا سب سے زیادہ جو چیز ضائع ہوتی ہے وہ وقت ہے۔ حالانکہ دنیا کی ہزاروں نعمتیں ایسی ہیں جو روپے پیسے سے خریدی جاسکتی ہیں لیکن وقت روپے پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا۔ مگر ہمارے ہاں جتنی ناقدری وقت کی ہے، اتنی کسی اور چیز کی نہیں، دعوتوں میں، جلسے جلوسوں میں، محفلوں میں، گھروں میں، بازاروں میں بے تحاشا وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ جن کاموں میں ہم وقت ضائع کرتے تھے۔ اب ان میں ایک اور چیز کا اضافہ ہوگیا ہے اور وہ ہے ٹی وی!

کتنے ہی لوگ ہیں جو گھنٹوں ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر فلمیں اور ڈرامے دیکھتے رہتے ہیں، ایک محلہ میں ہمارا آنا جانا ہے وہاں دیکھا کہ اگر ایک دو

چھٹیاں آجاتی ہیں تو بعض لوگ مسلسل بارہ بارہ گھنٹے بلکہ کئی تو چوبیس چوبیس گھنٹے پاکستانی اور انڈین فلمیں دیکھتے رہتے ہیں۔ نہ دینی فرائض کا خیال نہ دنیاوی ذمہ داریوں کا احساس حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے تو مصروفیتِ کار اور وقت نہ ہونے کا عذر پیش کردیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

نِعْمَتَانِ مغبونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔

دو نعمتوں کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہیں۔ ایک صحت اور دوسری فراغت۔

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں "کتابُ الرقاق" کی ابتداء اسی حدیث سے کی ہے۔

جب تک انسان کو تندرستی اور فرصت حاصل رہتی ہے، وہ دھوکے میں پڑا رہتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں ہمیشہ تندرست رہوں گا اور مجھے ہمیشہ فرصت حاصل رہے گی، جو صحت اور فراغت اسے حاصل ہوتی ہے، اسے فضول کاموں میں ضائع کرتا رہتا ہے۔ اور شیطان اسے تسلی دیتا رہتا ہے، کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے، بعد میں عبادت کرلینا، ابھی تو تم جوان ہو، ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے۔ تم بھی دنیا کے کچھ مزے چکھ لو، بعد میں توبہ کرلینا اور اپنی اصلاح کرلینا لیکن پھر ایک وقت ایسا آتا ہے۔ جب وہ کسی موذی مرض میں مُبتلا ہوکر عبادت کرنے کے قابل نہیں رہتا یا فرصت کے لمحات اس سے چھین لئے جاتے ہیں اور اسے توبہ اور اصلاح کی توفیق نہیں مل پاتی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو نفس اور شیطان کے دُھوکے میں نہ آؤ۔ وقت اور صحت کو فضول کاموں میں برباد نہ کرو، ورنہ

یہ وقت بڑی قیمتی چیز ہے۔ اس کی قدر کرو، اسے صحیح مصرف میں استعمال کرو، ورنہ کل پچھتاؤ گے مگر یہ پچھتاوا کسی کام نہ آئیگا۔

قرآن کریم میں ہے کہ قیامت کے دن عمر اور زندگی کو فضول کاموں میں ضائع کرنے والے جب جہنم میں پڑے ہوں گے تو چیخ چیخ کر کہیں گے۔

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ (سورہ فاطر)

اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال اب ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے کہ جو کیا کرتے تھے۔

تو اللہ جل شانہ، فرمائیں گے:۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَا یَتَذَکَّرُ فِیْہِ مَنْ تَذَکَّرَ

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا۔

آج تم مہلتِ عمل طلب کر رہے ہو
آج تم زندگی کے چند لمحات کی بھیک مانگ رہے ہو
آج تم دنیا میں دوبارہ جانے کی آرزو کر رہے ہو تاکہ تم نیک عمل کر سکو۔
تمہیں تو ایمان اور عمل صالح کے لئے اتنی زندگی دی گئی تھی جس میں اگر تم چاہتے تو اللہ کو راضی کر سکتے تھے مگر تم نفس و شیطان کے بہکاوے میں آکر وقت جیسا قیمتی سرمایہ دونوں ہاتھوں سے لٹاتے اور ضائع کرتے رہے،

پانچ قیمتی چیزیں

(۱) جوانی تم نے ضائع کر دی۔ (۲) صحت تم نے ضائع کر دی، (۳) دولت تم نے ضائع کر دی (۴) فراغت تم نے ضائع کر دی (۵) زندگی تم نے ضائع کر دی۔
حالانکہ یہ پانچ چیزیں وہ قیمتی کرنسیاں ہیں جنہیں صحیح جگہ پر خرچ کر کے

اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے اور اپنے آپ کو جنت کا حقدار بنایا جاسکتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں عمر بن میمون اودی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ	پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے
شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَ	غنیمت سمجھو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے
صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَ	صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو
غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ	محتاجی سے پہلے، فرصت کو مشغولی سے
قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ	پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔
مَوْتِكَ	

یہ پانچ چیزیں بڑی قیمتی ہیں ان کی قدر کرنے والا اور اُنہیں صحیح مصرف میں استعمال کرنے والا کامیاب ہے اور ان کی ناقدری کرنے والا اور ان سے گناہوں کا پشتارہ خریدنے والا ناکام ہے۔

ان منٹوں اور لمحوں کی صحیح قدر اس وقت ہوگی، جب زندگی کا رشتہ ٹوٹ جائیگا

ایک مرتبہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گذرے چند صحابہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو دو رکعت کبھی جلدی جلدی میں تم پڑھ لیتے ہو اور ان کو تم معمولی سمجھتے ہو لیکن یہ شخص جو قبر میں لیٹا ہوا ہے اس کے نزدیک یہ دو رکعت نفل دنیا وما فیھا سے بہتر ہے۔ یہ قبر والا شخص اس بات پر حسرت کر رہا ہے کہ کاش مجھے زندگی میں تھوڑا سا وقت اور مل جاتا تو میں اس میں دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے نامۂ اعمال میں اضافہ کر لیتا۔

صحابۂ کرام رضؓ واقعی وقت کی قدروقیمت جانتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجہ کے تابعی تھے اور جنھوں نے صحابہ کرام کو قریب سے دیکھا تھا وہ اُن کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اَدْرَکْتُ اَقْوَامًا کَانَ اَحَدُھُمْ اَشَحَّ عَلٰی عُمُرِہٖ مِنْہُ عَلٰی دِرْھَمِہٖ

میں نے ان لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے جو اپنی عمر اور وقت کے بارے میں دراہم و دنانیر سے زیادہ بخیل تھے۔

ہم سونے چاندی اور روپے پیسے کے بارے میں بخیل اور کنجوس ہیں جیب سے ایک روپیہ نکالتے ہوئے ہماری جان پر بن جاتی ہے۔ لیکن وقت کے معاملے میں ہم لوگ بڑے سخی ہیں۔ جہاں ایک منٹ میں کام ہو سکتا ہے ہم وہاں ایک ایک گھنٹہ ضائع کر دیتے ہیں لیکن صحابۂ کرام کا معاملہ اسکے بالکل برعکس تھا۔ وہ روپے پیسے کے معاملے میں بڑے دریادل تھے، لیکن وقت کے معاملے میں بخل سے کام لیتے تھے۔

ان کی زندگیاں اللہ کے دین کے لئے وقف تھیں

ان کے اوقات جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت و تبلیغ میں بسر ہوتے تھے۔

ان کے دن گھوڑے کی پیٹھ پر اور راتیں مصلّے پر گذرتی تھیں

ان کے گھنٹے اور منٹ دین کے تعلیم و تعلم میں لگتے تھے۔

ان کے منٹ اور لمحات اللہ کی یاد میں استعمال ہوتے تھے

وہ ایک ایک سیکنڈ سوچ سمجھ کر گذارتے تھے مگر آج ہمارا کیا حال ہے راتیں فلمیں دیکھتے ہوئے اور دن سوتے ہوئے اور جمائیاں لیتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔

افسوس تو یہ ہے کہ کئی لوگوں نے جمعہ کی رات کو انہی لغویات و لہویات کے لئے وقف کر رکھا ہے،

کبھی فرصت ملے تو سوچیئے کہ ہم زندگی جیسی قیمتی متاع کو کن فضولیات کی نذر کر رہے ہیں اگر قیامت کے دن زندگی عطا کرنے والے نے پوچھ لیا۔ اور ظاہر ہے اسے پوچھنے کا حق ہے کہ تم نے ہماری عطا کردہ زندگی کو کن کاموں میں گذارا۔ میری رضا والے کاموں میں یا ناراضگی والے کاموں میں، تو ہم کیا جواب دیں گے اور پھر یہ بھی سوچیئے کہ ان فلموں سے ہمیں دین یا دنیا کا کون سا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

حضرت امام غزالی رحؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے کام بھی ہیں۔ وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں دین یا دنیا کا کوئی نہ کوئی فائدہ ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن میں یا تو دین کا نقصان ہے یا دنیا کا۔ تیسرے وہ ہیں جن میں نہ نفع ہے نہ نقصان ہے نہ دنیا کا نہ دین کا۔ اس کے بعد امام غزالی رحؒ فرماتے ہیں، کہ جہاں تک ان کاموں کا تعلق ہے جو نقصان دہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سے تو بچنا ضروری ہے اور اگر غور سے دیکھو تو کاموں کی یہ جو تیسری قسم ہے جس میں نہ نقصان ہے اور نہ نفع ہے، وہ بھی حقیقت میں نقصان دہ ہیں اس لئے کہ جب تم ایسے کام میں اپنا وقت لگا رہے ہو، جس میں کوئی نفع نہیں ہے حالانکہ اس وقت کو تم ایسے کام میں لگا سکتے تھے۔ جس میں نفع ہو تو گویا کہ تم نے اس وقت کو برباد کر دیا۔ اور اس وقت کے نفع کو ضائع کر دیا۔"

(اصلاحی خطبات) کام کی ان قسموں کو سامنے رکھئے اور پھر بتایئے کہ فلمیں اور ڈرامے ان میں سے کون سی قسم میں شامل ہیں۔ ممکن ہے کوئی فلموں کا رسیا ان کو معاذ اللہ پہلی قسم میں شامل کر دے۔ مگر ایسا یقیناً وہی کرے گا جس کا دل خوف

خدا سے اور کھوپڑی عقل وخرد سے خالی ہو گی وگرنہ سچی بات تو یہ ہے کہ فلموں اور ڈراموں کا دیکھنا ایسا عمل ہے جس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی۔

وقت کا بھی ضیاع ہے اور پیسے کا بھی

صحت کی بھی بربادی ہے اور آخرت کی بھی

گھر کی بھی تباہی ہے اور اولاد کی بھی

ملک کا بھی نقصان ہے اور قوم کا بھی۔

نئی نسل کا ضیاع

دوسری چیز جو ہمارے معاشرے میں فلموں ڈراموں اور ناچ گانے کی کثرت کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے، وہ نئی نسل ہے۔ اصل میں انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نقّال ہے وہ جو کچھ کسی کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے اس کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتا ہے، اس نے مچھلیوں کو تیرتے دیکھ کر تیرنا سیکھا۔ پرندوں کو اُڑتے دیکھا تو اُڑنے کی کوشش کی، ــــــــ خاص طور پر چھوٹے بچوں اور نوجوانوں میں نقالی کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ زبان میں، بول چال میں، لباس میں معاشرت میں جو کچھ وہ اپنے گرد و پیش میں ہوتا دیکھتے ہیں، وہی کچھ اسی انداز میں کرنے کی خود کوشش کرتے ہیں۔

فلموں اور ڈراموں میں وہ مار دھاڑ دیکھتے ہیں تو وہ مار دھاڑ کرنے لگتے ہیں

اسلحہ کا بے تحاشا استعمال دیکھتے ہیں تو وہ بھی اسلحہ چلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

چوری چکاری کے مناظر دیکھتے ہیں تو اپنی عملی زندگی میں اُن پر عمل کرتے ہیں

معاشقے کی داستانیں دیکھتے ہیں تو وہ بھی پینگیں بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ گلی کوچوں میں دیکھیں گے کہ چھوٹے چھوٹے بچے۔ ٹر ٹر کی آوازیں نکالتے ہیں، فلمی ایکٹروں کیطرح جھوم جھوم کر چلتے ہیں اور رٹے رٹائے ڈائیلاگ بولتے ہیں

یہ سب کچھ انھوں نے کہاں سے سیکھا

کسی کنجر خانے میں؟

کسی ڈاکو اور بدمعاش سے؟

نہیں! ہرگز نہیں، معاف کیجئے گا۔ یہ سب کچھ انھوں نے اپنے ابّا اور امّی کے پہلو میں تفریح کے نام پر غلاظت بھرے پروگرام دیکھ کر سیکھا ہے۔

ہے کوئی جو عبرت حاصل کرے

کچھ عرصہ قبل اپنا برطانوی معاشرہ یہ سن کر لرز اٹھا کہ

دس دس سال کے دو بچوں نے ایک دو سال کے بچے کو پہلے اغوا کیا، پھر اس معصوم کو پتھروں سے کچل کر مار ڈالا اور اس کے بعد اس قتل کو حادثے کا روپ دینے کے لئے اس کی لاش ٹرین کے آگے پھینک دی، جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ انھوں نے کسی فلم میں یہ منظر دیکھا تھا اور اس واردات سے ان کا مقصد اسی فلم کی نقالی کرنا تھا۔ اس واقعہ پر برطانیہ میں بڑی چیخ و پکار ہوئی اور وزیر داخلہ سے مطالبہ کیا گیا کہ بچوں کو ایسی ویڈیو فلم دینے پر پابندی لگائی جائے۔ سروے رپورٹروں میں کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں ایک بچہ سولہ سال کی عمر میں مختلف پروگراموں میں قتل کی تقریباً پچاس ہزار وارداتیں دیکھ چکا ہوتا ہے جس بچے نے صرف سولہ سال کی عمر میں قتل کی پچاس ہزار وارداتیں دیکھ لی ہوں اس کے ذہن میں قتل، مار دھاڑ اور خونریزی کا تصور راسخ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا

جرمنی ۱۹۹۴ء میں جو سروے رپورٹ جاری کی گئی تھی اس میں بتایا گیا تھا [illegible] سال میں ایک ... بچہ روزانہ اوسطاً اڑھائی گھنٹے ٹی وی کے سامنے گذارتا ہے۔

اس دوران وہ قتل کی کم از کم پچاس وارداتوں کے مناظر دیکھتا ہے۔ ان مناظر کے دیکھنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بچوں میں تشدّد پسندی کا رجحان پندرہ فیصد بڑھا ہے اور جرمنی کے ایک نہائی طلبہ اب مسلح ہو کر تعلیم گاہوں میں آتے ہیں۔

برلن پولیس کا کہنا ہے کہ شہر میں جو تشدد کے جرائم ہوتے ہیں ان میں سے پینتالیس فیصد وہ بچے کرتے ہیں جن کی عمر چودہ سے اٹھارہ سال تک ہے، جبکہ پانچ فیصد جرائم چودہ سال سے بھی کم عمر کے بچے کرتے ہیں۔

اس اخلاقی بگاڑ کو دیکھتے ہوئے وہاں کے دس لاکھ افراد نے ایک محضر نامے پر دستخط کئے ہیں جس میں حکومت سے التجا کی گئی ہے کہ یہ مناظر ٹی وی پر نہ دکھائے جائیں۔

جنوبی افریقہ کی مجلس علماء نے "اسلام اینڈ ٹیلیویژن" کے نام سے ایک [illegible] شائع کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ٹی وی میں ایک پروگرام میں "عورت کی آبروریزی" کا منظر دکھایا گیا تھا۔ بعد میں وہ منظر یوں حقیقت بن کر سامنے آ گیا کہ ایک بدمعاش ہو بہو اسی طرح چھری چاقو لے کر ایک عورت کے گھر میں گھس گیا، اس کی آبروریزی کی اور رقم چھین کر بھاگ گیا۔ جب پولیس تفتیش کے لئے اس عورت کے گھر آئی تو پولیس افسر بے ساختہ بول اٹھا:۔

"ملزم نے یقیناً وہ ٹی وی ڈرامہ دیکھ کر ہی یہ واردات کی ہے جس میں یہ منظر پیش کیا گیا تھا۔"

دوسرا پہلو

نئی نسل کے ضائع ہونے کا یہ صرف ایک پہلو میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کیا ہے۔ دوسرا پہلو بھی بڑا عبرت آموز ہے بشرطیکہ ہم عبرت حاصل کرنا چاہیں۔

وہ مائیں جو فلموں، ڈراموں اور ناچ گانے کی عادی ہو جاتی ہیں، ان کے

بچے ان کی توجہ سے اور ان کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ابھی میں نے آپ کے سامنے جس سروے رپورٹ کا ذکر کیا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک جرمنی بچے کو اس کے ماں باپ چوبیس گھنٹے میں صرف آدھ گھنٹہ دیتے ہیں، جس میں کھانے کا وقت بھی شامل ہے۔ جب کہ ایک بالغ روزانہ اوسطاً آدھ گھنٹہ اپنے دوستوں سے فون پر گپ شپ کرتی ہے اور تقریباً پانچ گھنٹے ٹیلیویژن، سینما، تھیٹر یا دوسرے تفریحی مشغلوں میں گذارتی ہے۔

اندازہ کیجئے کہ وہ ماں جو بیہودہ کاموں کو پانچ گھنٹے دے سکتی ہے۔ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بمشکل آدھ گھنٹہ دیتی ہے بلکہ ان خواتین کی اکثریت عیش و عشرت کی ایسی دلدادہ ہو گئی ہے کہ وہ بچوں کے جھنجھٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہتی صرف جرمنی میں چھیاسی لاکھ جوڑے ایسے ہیں، جن کا کوئی بچہ نہیں۔ اس کی وجہ ان کی کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ بچوں کے جھگڑے میں پڑنا ہی نہیں چاہتے، انہیں بچے ایک بوجھ اور ایک وبال محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ کئی سنگدل ماں باپ اپنے بچوں پر ناقابل بیان تشدّد کرتے ہیں۔ بعض دفعات ماؤں کے علاوہ ان کے عاشق دوست یا دوسرے خاوند تشدّد کرتے ہیں، تشدّد کے ان واقعات میں چار سو سے چھ سو تک بچے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں،

ڈیوڈ بیٹسن نام کے ایک بچے کا واقعہ فرانسیسی پریس میں خوب مشہور رہا ڈیوڈ پر اس کی ماں اور ماں کا دوسرا شوہر مل کر سات برس تک ہر طرح سے ظلم کرتے رہے۔ ان سات برسوں میں ایک پورا سال ایسا بھی تھا جس میں اسے دیوار میں بنی الماری میں مقیّد کر کے رکھا گیا اور وہ معصوم پورا سال روشنی کی کوئی کرن تک نہ دیکھ سکا۔

بات صرف جسمانی تشدد تک محدود نہیں رہی بلکہ جنسی تشدّد کے واقعات

بھی دل ہلا دینے والے ہیں، ایک طلاق یافتہ خاتون ڈاکٹر نے اپنے ایک سفارتکار دوست کے کہنے پر اپنی چار سالہ بچی کو حیوانی خواہش کی بھینٹ چڑھا دیا اور حد یہ کہ اس کی نظروں کے سامنے یہ سب کچھ ہوا۔

آپ سوچیں گے کہ ان واقعات کا فلموں اور ٹی وی سے کیا تعلق ہے، تو سُن لیجئے کہ ماؤں کے دلوں کو شفقت سے محروم کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اسی گُرو کا ہے جسے آپ ٹی وی کہتے ہیں اور یہ بات صرف پاکستان کے مولوی ہی نہیں کہتے آپ کے مُرشد یورپ والے بھی کہتے ہیں، جن کی زبان سے نکلی ہوئی گپ بھی ہمارے ہاں آسمانی وحی سے کم نہیں سمجھی جاتی۔

گھر کی گواہی

پیرس کی عدالت کے ایک ماہر نفسیات رونائی سالینجار کا کہنا ہے کہ اس طرح کے اکثر جرائم کے پیچھے ٹی وی کا ہاتھ ہوتا ہے، فرانسیسی رسالے "لویوان" نے ٹی وی پروگراموں کے ایک ہفتہ کے تجزیے کے بعد بتایا کہ صرف ایک ہفتے میں ٹی وی پر قتل کے چھ سو ستر، جبری آبرو ریزی کے پندرہ، جنسی ہیں اور ایذاء رسانی کے ستائیس مناظر دکھائے گئے اور ایک دوسرے سروے کے مطابق فرانسیسی بچہ سال میں بارہ سو گھنٹے ٹی وی سکرین کے سامنے اور نو سو گھنٹے سکول میں گذارتا ہے، اس سے آپ خود فیصلہ کرلیں کہ ان بچوں کا اصل مربی اور اُستاد کون ہے؟ ٹی وی یا کہ اسکول؟

گھر کی خبر لیجئے

کہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیئے گا کہ جرمنی برطانیہ اور فرانس ہی تو جرائم ہو رہے ہیں، مگر ہمارا پاکستان اس سے محفوظ ہے، آج پاکستان میں بھی وہ سب کچھ ہو رہا ہے جس کی خبریں ہم اس سے پہلے یورپ کے بارے میں پڑھا اور سنا کرتے تھے صرف

کراچی کو دیکھ لیجئے، جہاں روزانہ دس بیس لاشیں اُٹھ رہی ہیں۔

گلی گلی میں جنازے پڑھے جا رہے ہیں

نوجوانوں کو بیدردی سے قتل کیا جا رہا ہے۔

جنگل کے درندے بھی اتنے خوفناک طریقے سے اپنے جیسے درندوں کو موت کے گھاٹ نہیں اُتارتے ہوں گے۔ جتنے خوفناک طریقے سے کلمہ پڑھنے والے مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کو ذبح کر رہے ہیں۔

ایسے نوجوانوں کی نعشیں ملی ہیں جنھیں قتل کرنے سے قبل شدید اذیتیں دی گئی ہیں

ڈرل مشین سے جسم میں سوراخ کئے گئے

جسم کے نازک حصوں کو سگریٹوں اور آگ سے داغا گیا۔

مار مار کر ہڈیاں توڑ دی گئیں۔

بلیڈ سے جسم کو چیرا گیا اور مختلف نعرے لکھ دیے گئے۔

اور یہ سب کچھ کرنے والا کون ہے؟

مسلمان نوجوان!

وہ مسلمان نوجوان جس کی مدد کا انتظار کشمیر کے مظلوم بچے کر رہے ہیں۔

جس کی مدد کا انتظار بوسنیا کی مائیں بہنیں کر رہی ہیں۔

وہ مسلمان اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کے لئے درندے کا رُوپ اختیار کر چکا ہے،

اسے تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں، اس کے ہاتھوں میں کتابیں نہیں کلاشنکوف ہے

جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان میں دس بارہ سال کے بچے بھی ہیں اور پندرہ سال کے نوجوان تو کثرت کے ساتھ پکڑے گئے ہیں

قتل و غارت گری کے علاوہ بنکوں میں، گھروں میں، فیکٹریوں میں، چوراہوں پر، سڑکوں پر، ڈاکہ زنی کرنے والوں میں بھی اکثریت نوجوانوں کی ہے۔

ان نوعمر بچوں کو قتل و غارت گری کس نے سکھائی ہے، ڈاکہ زنی کا راستہ کس نے دکھایا ہے۔

اگر سروے کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ اس میں سب سے زیادہ حصّہ مار دھاڑ پر مبنی فلموں کا ہے۔ وہ جو کچھ سکرین پر مصنوعی انداز میں دیکھتے ہیں، اسے گلی کوچوں میں حقیقی انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کی زبانوں پر وہی ڈائیلاگ ہوتے ہیں۔

وہ ایکٹروں جیسا لباس اور انہی جیسے جوتے پہنتے ہیں، انہی جیسی بالوں کی تراش خراش کرتے ہیں، انہی کیطرح منہ کو بگاڑنے اور انہی کیطرح چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

صحّت کا ضیاع

تیسری چیز جو فلموں سے اور ٹی وی پروگراموں سے ضائع ہوتی ہے، وہ صحت اور تندرستی ہے، بینائی کمزور پڑجاتی ہے، دماغ متاثر ہوتا ہے، زیادہ دیر بیٹھنے سے ہضم کا نظام بھی خراب پڑجاتا ہے مگر ٹی وی کے رسیا لوگ بڑے شوق سے اپنے ہاتھوں اپنی اور اپنے بچوں کی صحت تباہ کرلیتے ہیں، آپ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھیں گے کہ نظر کی کمزوری کی وجہ سے چشمہ لگاتے ہیں۔

رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اُٹھنا صحت کے لئے جو افادیت رکھتا ہے، اسے دنیا بھر کے ڈاکٹر اور حکماء تسلیم کرتے ہیں مگر گھر میں ٹی وی کی موجودگی میں رات کو جلد سونا تقریبًا ناممکن ہے۔ رات کو بارہ ایک بجے تک جاگنے کا تو عام معمول بن چکا ہے اور بعض خصوصی مواقع پر رات بھر کی نیند قربان کردینا بھی ایک عام سی بات ہے، اس بناء پر عقلمند لوگ اگر ٹی وی کو ٹی بی کہتے ہیں تو ہرگز غلط نہیں کہتے۔

جرمنی کے مشہور ڈاکٹر والٹر لوہلر نے طویل تجربات اور تحقیقات کے بعد لکھا ہے کہ :۔

"بعض چھوٹے چھوٹے جانور چوہا، چڑیا وغیرہ اگر ٹی وی کے سامنے رکھ دیئے جائیں تو اس کی اسکرین کی شعاعوں کی تیزی سے کچھ دیر کے بعد یہ مرجائیں"

یہاں کراچی میں ایک لڑکی کی دماغ کی رگ پھٹ گئی، دماغی امراض کے مشہور اسپیشلسٹ ڈاکٹر جمعہ خان نے معائنہ کرکے بتا دیا کہ "یہ دماغی رگ ٹی وی دیکھنے سے پھٹی ہے"

عکسی تصویر کا مشہور ماہر ڈاکٹر "آل کروب" ٹی وی کی شعاعوں سے کینسر جیسے مہلک مرض کا شکار ہوگیا۔ اس مرض سے نجات کے لئے چھیانوے دفعہ اس کا سرجری آپریشن کیا گیا۔ مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا، اس کے بازو اور چہرے کا کافی حصہ کٹ کر گر گیا تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے جان کنی کے عالم میں نہایت تلخی کے ساتھ کہا تھا۔

"گھروں میں ٹی وی کا وجود ایک جان لیوا کینسر کی مانند ہے جو بچوں کے جسموں میں رفتہ رفتہ سرایت کرتا ہے"

آنکھوں کے ایک مشہور ڈاکٹر "این این سود" نے نئی دہلی میں لکچر دیتے ہوئے بتایا کہ سینما اور ٹیلی ویژن دیکھنے سے آنکھوں کا مرض گلوکوما (GLUCOMA) ہوسکتا ہے۔ اگر آپ لوگ مولوی کی بات اس لئے نہیں مانتے کہ وہ دقیانوسی ہے تو ان ڈاکٹروں ہی کی بات مان لیں کیونکہ یہ تو ماڈرن اور جدید تعلیم یافتہ ہیں۔ انھوں نے ٹی وی دیکھا بھی ہے اور اسے آزمایا بھی ہے، اس پر طویل تجربات کئے ہیں۔

دولت کا ضیاع

چوتھی چیز جو اس میں ضائع ہوتی ہے، وہ دولت ہے، آج بازار میں قیمتی سے قیمتی ٹی وی سیٹ دستیاب ہیں، لوگ قرض اٹھا کر، پیسہ بچا کر، پیٹ کاٹ کر، رشوت لے کر، حرام مال کما کر یہ سیٹ خریدتے ہیں۔

ان سے اگر اللہ کی رضا کے لئے، مسجد کی تعمیر کے لئے، مدرسہ کے طلباء کے لئے یا کسی فلاحی اور سماجی کام کے لئے کچھ دینے کے لئے کہا جائے تو اس انداز سے اپنی مسکینی اور غربت ظاہر کرتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ جو کچھ جیب میں ہے وہ بھی ان غریبوں کو دے دیا جائے۔

ہم نے ایسے ایسے لوگوں کو دیکھا جو زکوٰۃ خیرات لے کر بچوں کا پیٹ پالتے ہیں مگر گھر میں رنگین ٹی وی رکھتے ہیں۔

ٹی وی کے ساتھ اب وی سی آر رکھنے کا رواج ہو گیا ہے تاکہ جو نسی عریاں اور فحش فلم دیکھنا چاہیں وہ بلا روک ٹوک دیکھ سکیں۔

کئی لوگ اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے باہر کے ممالک میں محنت مزدوری کے لئے جاتے ہیں۔ جب واپس آتے ہیں تو اور کچھ اپنے ساتھ لائیں یا نہ لائیں، ٹی وی اور وی سی آر ضرور لاتے ہیں، بلکہ حد تو یہ ہے کہ ہمارے حجاج کرام جب حج اور عمرہ جیسی مقدس عبادت سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو ان کے ایک ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے اور دوسرے ہاتھ میں ٹی وی یا وی سی آر ہوتا ہے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ لوگ حرمین شریفین ایمان لینے جاتے ہیں مگر سامان لے کر آجاتے ہیں۔ اور میں اسے تھوڑا سا بدل کر یوں کہتا ہوں کہ ایمان لینے جاتے ہیں اور شیطان لے کر آجاتے ہیں۔

وی سی آر کے لئے پھر ویڈیو کیسٹوں کی ضرورت ہوتی ہے بعض لوگ تو کرائے پر لے آتے ہیں اور بعض اپنی خریدتے ہیں، کئی حضرات نے تو سینکڑوں کی تعداد میں کیسٹیں گھروں میں جمع کر رکھی ہیں۔ پوری لائبریری ان کیسٹوں سے بناتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

ایک صاحب کے ہاں جانا ہوا۔ میں نے ایک جانب نظر ڈالی تو کیسٹوں کا ایک انبار تھا پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ تقریباً ایک ہزار ہیں اور کہنے لگے کیا کریں مولانا! بچے ضد کرتے ہیں، مجبوری ہے، کون جائیگا بازار بار بار۔

اللہ اکبر! سادگی دیکھیئے، مجبوری ملاحظہ کیجیے، گویا بچے اگر گھر میں انگاروں کا ڈھیر لگانے کے لئے کہیں گے تو بھی یہ حضرت بامر مجبوری ان کی خواہش ضرور پوری کریں گے بلکہ اگر وہ ڈیڈی صاحب سے ان انگاروں میں چھلانگ لگانے کے لئے کہیں گے تو یہ چھلانگ بھی لگا دیں گے، کیا کریں بچارے مجبور ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ اے ایمان والو! خود بھی اس آگ سے بچو اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں لیکن آج کے ماڈرن والدین خود بھی اس آگ میں جانے کی تیاری کر رہے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی اسی آگ کا ایندھن بنانا چاہتے ہیں تو گویا ؎

خود تو ڈوبے ہیں تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے صنم

تو یوں دولت ضائع کی جا رہی ہے ٹی وی پر، وی سی آر پر، کیسٹوں پر، بجلی کے بل کی ادائیگی پر اور پھر ان مردوں اور عورتوں کے بھاری بھر کم معاوضوں پر، جو ان میں کام کرتے ہیں۔

کافی عرصہ پہلے بعض اخبارات میں ایک فلم کے بارے میں اور اس کے صرف ایک سین کے اخراجات کے بارے میں پڑھا تھا۔ اس سے اندازہ لگا جا سکتا

ہے کہ ان لغویات پر کتنا خرچ اٹھتا ہے اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ ہالی وڈ میں ایک فلم "انڈی تھری" بنائی جا رہی ہے، جس میں صرف دس منٹ کا ایک سین بھی فلمایا گیا ہے، اس سین میں ایک اداکار کو ٹینک پر سوار دکھایا گیا ہے۔ اس سین کی فلم بندی دو ہفتوں میں مکمل ہوئی اور صرف اس ایک منظر کے فلمانے پر دو لاکھ ڈالرز روزانہ کا خرچہ آیا۔ یعنی کل خرچ اٹھائیس لاکھ ڈالر۔ اس فلم کی عکس بندی تین برّاعظموں کے چھ ممالک اور امریکہ کی چھ ریاستوں میں ہوئی ہے۔ اس فلم کے لئے تقریباً چھ ہزار چوہے اور ایک ہزار مشین رو بوٹس استعمال کئے گئے۔ دوسرے اداکاروں میں ایک ہزار سانپ ایک عدد شیر، پانچ مگرمچھ، دو کچھوے جن کا وزن تین سو پونڈ ہے، پچیس گھوڑے اور پانچ اونٹ شامل ہیں جبکہ اس فلم میں دو ہزار ایکٹرز نے کام کیا ——— اور ایکٹرز جو گرانقدر معاوضہ لیتے ہیں، میں اور آپ شاید اس کا تصوّر بھی نہ کرسکیں۔ بعض فنکاروں کو ایک ایک فلم میں کام کرنے کا تیس تیس لاکھ ڈالر معاوضہ دیا جاتا ہے اور دن بدن ان کے معاوضوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔

وہ لوگ جو حج، قربانی اور مساجد و مدارس کے سلسلے میں ہونے والے اخراجات پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اور لوگوں کے جذبات اُبھارنے اور انہیں اپنا حامی بنانے کے لئے کہتے ہیں کہ اگر یہ سرمایہ سماجی اداروں اور فلاحی اسپتالوں کی تعمیر پر خرچ ہوتا تو ہزاروں کا بھلا ہو جاتا۔

ایسے لوگوں سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو اس سرمائے کی تو فکر ہے جو محض اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر، نفوس اور اخلاق کے تزکیہ کے لئے خرچ ہوتا ہے لیکن اس خطیر رقم کا آپ کبھی بھولے سے نام بھی نہیں لیتے، جو

فحاشی اور عریانیت کی ترویج اور انسانی اخلاق اور کردار کو تباہ کرنے کے لئے خرچ ہو رہی ہے۔ فلمسازوں کے لئے اپنے خزانوں کا منہ کھول دینے والے سرمایہ دار انسانیت کے کوئی ایسے غمخوار نہیں ہیں کہ انہیں اپنے سرمائے کی کوئی فکر نہ ہو بلکہ وہ اپنے خرچ کئے ہوئے پیسے سے کئی گنا زیادہ عوام کو فلموں کے ٹکٹ اور ویڈیو کیسٹیں بیچ کر وصول کر لیتے ہیں۔

شرم وحیا کا ضیاع

پانچویں چیز جو فحش پروگراموں سے ضائع ہو جاتی ہے وہ حیا ہے، حیاء ایمان کا شعبہ اور مسلمان کا زیور ہے۔ بخاری اور مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ۔

حیاء ایمان کی شاخ ہے۔

حیاء انسان کو بہت سارے گناہوں سے باز رکھتی ہے، عریانیت، بدکاری، رشوت، فسق وفجور، بہتان تراشی، جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی، ——— ان تمام گناہوں کے ارتکاب سے انسان کو حیاء روک لیتی ہے اور جب حیاء نہ رہے تو ان سب گناہوں کا کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ (بخاری ومسلم)

جب حیاء نہ رہے تو پھر جو چاہو کرو۔

جب وہ رکاوٹ ہی نہ رہی جو آنکھوں کو جھکا دیتی ہے، جو قدموں کو روک دیتی ہے جو دل میں طوفان سا برپا کر دیتی ہے تو اب جو چاہو کرو، تمہیں کوئی روک نہیں سکتا۔

فلموں اور ڈراموں نے ہماری قوم پر جو سب سے بڑا ستم ڈھایا ہے وہ یہ ہے
کہ اسے حیاء سے محروم کر دیا ہے
مائیں فیشن کی دلدادہ بن گئی ہیں
بیٹیاں اچھلنے کودنے اور تھرکنے ناچنے والی پتلیاں بن کر رہ گئی ہیں۔
بہنوں کے سر سے دوپٹے اُتر گئے ہیں۔
بیویاں گھروں سے زیادہ کلبوں میں جاکر خوش ہوتی ہیں۔

حامدہ چمکی نہ تھی، انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

ہمارے ہاں جو فلمیں بنتی ہیں ان میں جو موضوع سب سے زیادہ غالب ہے
وہ عشق مع الفسق ہے۔
کچے ذہن کے لڑکے جب ان عشقیہ داستانوں کو دیکھتے ہیں تو خود
ان کے ذہن پر بھی عشق کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور بعض کے ذہنوں پر تو
کچھ اس طرح سوار ہو جاتا ہے کہ پھر اُترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

عشق کا بھوت

ایسے ہی ایک نوجوان کا واقعہ ہمارے حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب "تراشے" میں مذکور ہے۔ جو کہ انھوں نے ۲۲ اپریل ۱۹۷۱ء کے روزنامہ مشرق کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔
"راولپنڈی کے قریب ایک لڑکے عمر فاروق نے تیرہ سال کی عمر میں
ایک فلم دیکھی تھی جب کہ وہ چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس وقت
سے وہ اس فلم کی ہیروئن کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور تعلیم ترک کر دی
تنگ آکر اس کے والد نے اسے گھر سے نکل جانے کی ہدایت کی"

اور وہ لاہور چلا آیا، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس خوبرو عمر فاروق جس کی ماں اسے ڈاکٹر یا بڑا افسر دیکھنے کی متمنی تھی، اب وحشیوں کی طرح لاہور کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا ہے اور محنت مزدوری کر کے جو پیسے حاصل کرتا ہے انہیں اپنی پسندیدہ ہیروئن کی فلمیں دیکھنے میں صرف کر دیتا ہے۔ اس نے مذکورہ ہیروئن کی ایک فلم ۶۳ مرتبہ اور ایک ۳۹ مرتبہ دیکھی ہے۔ وہ جب اخبار مشرق کے دفتر میں پہنچا تو اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے تھے اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے اپنا بایاں بازو دکھایا جس پر بلیڈ سے مذکورہ ہیروئن کا نام کھودا ہوا تھا۔ اس سے قبل وہ بازو کو جلا کر بھی یہی نام لکھ چکا تھا جو اب مٹ رہا ہے"

یہ ایک نوعمر عاشق کی داستان ہے جو اتفاق سے اخبار میں چھپ گئی ہے ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہماری فلموں اور ڈراموں نے ایسے عاشقوں کی پوری فوج ظفر موج تیار کر دی ہے جو کہ آپ کو گرلز کالجوں کے سامنے، فیکٹریوں کے سامنے، دوکانوں کے سامنے اور بازاروں میں سیٹیاں بجاتے، اشارے کرتے اور بندروں جیسی حرکتیں کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ نوجوان بہنوں اور بیٹیوں کو دیکھ کر اور انہیں سُنا سُنا کر یہ وہی فحش گانے الاپنے لگتے ہیں جو انھوں نے کسی فلم میں ہیرو کی زبان سے سنے ہوتے ہیں۔ ان پر عشق کا بھوت کچھ اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ یہ فکرِ ایں و آں سے فارغ ہو جاتے ہیں، نہ گھر کا خیال نہ بوڑھے والدین کا احساس۔ اپنی عزت بھی گنواتے ہیں اور خاندان کی بھی۔ ان کو جوتے بھی لگتے ہیں اور ان میں سے بعض جیل بھی چلے جاتے ہیں، لیکن پرواہ نہیں کرتے۔

جس مکتب سے یہ عشق کا سبق سیکھ کر آتے ہیں۔ وہاں یہی سکھایا جاتا ہے
کہ یہ جوتے یہ جیل کی کوٹھڑیاں یہ لوگوں کے طعنے یہ سب کچھ سماج کی دیواریں ہیں،
جو تمہارے عشق کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔
تم تو عقاب ہو بادِ مخالف سے کیوں گھبراتے ہو۔

شقاوت کی انتہا

میرے بزرگو اور دوستو! ہنسنے کا نہیں رونے کا مقام ہے کہ تفریح کے نام پر جو زہر ہماری آنکھوں اور کانوں کے ذریعے ہمارے قلب و دماغ داخل کیا جارہا ہے۔ اس نے ہمیں حیوانیت کے کس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ ہمارا نوجوان اپنی تمام ذمہ داریوں سے آنکھیں بند کرکے غلاظت بھری نالیوں میں اپنی جوانی کو ضائع کر رہا ہے، اسے نہ دوسروں کی بہن اور بیٹی کی عزت کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی اپنی عزت کا! حد تو یہ کہ بسا اوقات وہ غلبۂ شہوت میں خونی رشتوں کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔

دارالافتاء والارشاد میں ایک شخص خود اپنے بارے میں فتویٰ معلوم کرنے کے لئے آیا اس نے بتایا کہ میں اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر ایک فحش پروگرام دیکھ رہا تھا، اچانک شہوت کی آگ بھڑک اُٹھی، آلۂ تناسل میں انتشار پیدا ہوگیا اور میں نے جوشِ شہوت میں بے اختیار اپنی ماں کو پکڑ لیا۔

ایک دوسرا شخص اپنی شقاوت اور ویسا ہی قصہ لکھ کر لایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں اور میری بیوی اور میری بیٹی وی سی آر دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد بیوی بستر پر جاکر سوگئی تو میں نے اپنی بیٹی سے منہ کالا کیا اور مکمل طور پر کیا —— بیوی کو علم ہوگیا ہوگا اور اس نے مجبور کیا ہوگا کہ جاؤ مسئلہ پوچھ کر آؤ، —— ورنہ ایسے لوگ مسائل کے چکر میں کہاں پڑتے ہیں۔

ایک دوسرے شقی القلب باپ کی خبر یہاں کے اخباروں میں شائع ہوئی تھی جو کراچی جیسے تعلیم یافتہ شہر میں اپنی دو جوان بیٹیوں سے منہ کالا کرتا رہا وہ جب پکڑا گیا تو اس نے بَرملا اعتراف کیا کہ "اس نے فلاں فلمی پروگرام دیکھ کر اس گناہ کی جرأت کی۔"

تبلائیے! اب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات صرف یورپ میں ہوتے ہیں، ہمارے ہاں نہیں ہوتے۔

زہر تو بہر حال زہر ہے کافر کھائے گا تو بھی انجام ہلاکت ہوگا اور مسلمان کھائے گا تو بھی انجام ہلاکت ہوگا۔

دین کا ضیاع

اچھی اور سب سے اہم چیز جو فلموں اور ڈراموں میں انہماک کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہے وہ دین ہے۔ یہ فلمیں اور ڈرامے کئی گناہوں کا مجموعہ ہیں، ان میں لگنے سے اللہ تعالےٰ کے احکام ٹوٹتے ہیں اور رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوٹتے ہیں انسان ان میں جتنا زیادہ منہمک ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی دین سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، ان میں گانا بجانا ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے :-

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ (ابو داؤد)

گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

نضر بن حارث نے لوگوں کو حضور علیہ السلام کی دعوت سے روکنے کے لئے گانے بجانے اور رقص و سُرود کی محفلوں کا انتظام کیا تھا۔

[illegible] میں دوسری خرابی بے پردگی اور عُریانیت ہے۔ مرد عورتوں کو اور

عورتیں مَردوں کو بے حجابانہ دیکھتی ہیں۔

سورۃُ الاحزاب میں اللہ تعالٰے نے صحابہ کرام رضوانُ اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"جب تم ازواجِ مطہّرات سے کوئی کام کی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں تمہارے دل اور ان کے دل کی خوب صفائی ہے" (سورۃُ الاحزاب)

مانگنے والے صحابہ رضؓ اور جن سے مانگنا ہے وہ ازواج مطہرات یعنی صحابۂ کرام رضؓ کی روحانی مائیں، جن سے نکاح کرنا بھی حرام لیکن اس کے باوجود حکم یہ دیا گیا کہ جب ان سے کچھ سوال کرنا ہو تو پردے کے پیچھے سے کرو، اسی طرح دوسرے مقام پر ازواجِ مطہّرات کو حکم دیا گیا کہ اگر پردے کے پیچھے سے بھی کوئی تمہارے ساتھ گفتگو کرے تو لوچدار لہجے میں ان سے گفتگو نہ کرو تاکہ کسی کے دل میں تمہارے متعلق کوئی غلط خیال پیدا نہ ہو۔

جب ازواج مطہرات رضؓ کو صحابۂ کرام رضؓ کے سامنے آنے کی، لوچدار آواز میں گفتگو کرنے کی اجازت نہیں تھی تو آج نوجوان لڑکیوں کو میک اَپ کرکے ٹھمکے لگا کر نیم عُریاں لباس پہن کر سکرین پر آنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔

ان میں تیسری خرابی یہ ہے کہ انسان کا دل سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ عبادت سے غافل ہوجاتا ہے، آنکھوں دیکھی بات ہے کہ کئی نمازی لوگ جنھیں فلموں اور ڈراموں کی عادت پڑجاتی ہے، وہ ان میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ ان سے نمازیں متروک ہوجاتی ہیں اور قضا ہونا تو عام سی بات ہے"

حکیم الامّت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ ایک شخص شطرنج کھیل رہا تھا اور ان کا لڑکا بیمار پڑا ہوا تھا۔ اثناءِ شغل میں کسی نے آکر اطلاع دی کہ لڑکے کی حالت بہت خراب ہے تو کہنے لگے اچھا آتے ہیں اور پھر شطرنج میں مشغول ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں پھر کسی نے آکر کہا کہ وہ مر رہا ہے، کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں اور یہ کہہ کر پھر شطرنج میں مشغول ہوگئے۔ اس کے بعد کسی نے آکر کہا کہ لڑکے کا انتقال ہوگیا ہے، کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں۔ یہ سوال وجواب سب کچھ ہوگیا لیکن ان کو اٹھنے کی توفیق نہ ہوئی، جب شطرنج کی بازی ختم ہوئی تو آپ کی آنکھیں کھلیں لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔

یقین جانیئے کہ جیسے شطرنج وغیرہ کھیلنے والے دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں اسی طرح فلموں کے رسیا بھی ہر چیز سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک شدید قسم کا نشہ ہوتا ہے اور وہ اس نشہ کو پورا کرنے کے لئے چوری چکاری سے بھی باز نہیں آتے۔

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے سیدھے سادھے انداز میں آپ حضرات کے سامنے فلموں اور ڈراموں اور ٹی وی وغیرہ کی چند موٹی موٹی خرابیاں بیان کر دی ہیں، جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ان میں ضائع تو بہت کچھ ہو جاتا ہے لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔

وقت ضائع ہوتا ہے

دولت ضائع ہوتی ہے۔

صحت ضائع ہوتی ہے۔

شرم وحیا ضائع ہوتی ہے

نئی نسل ضائع ہوتی ہے۔

دین ضائع ہوتا ہے۔
اگر اتنا کچھ ضائع ہونے کے باوجود بھی ہم ان چیزوں میں منہمک رہتے ہیں تو حقیقت میں بڑے خسارے کی بات ہے، یہ دنیا کا بھی خسارہ ہے اور آخرت کا بھی خسارہ ہے۔

آخرت کی تباہی

یہ بات ذہن میں بٹھا لیجئے کہ فحاشی اور عریانیت پر مبنی یہ پروگرام اور معصیت کے یہ آلات یقیناً ہماری آخرت کو تباہ کر رہے ہیں مگر چونکہ آخرت کا معاملہ تو اُدھار ہے۔ پردۂ غیب میں ہے، اس لئے ہمیں یقین نہیں آتا شاید اسی لئے اللہ تعالےٰ بعض اَوقات دنیا میں بھی اس تباہی کے کچھ مناظر دکھا دیتا ہے۔ تاکہ بھولا بھٹکا انسان باز آجائے۔
کچھ عرصہ قبل مشہور رسالے ختم نبوت میں ایک شخص نے اپنے علاقے میں پیش آنے والا ایک واقعہ لکھ کر بھیجا تھا۔ صحت و خطا اللہ تعالےٰ جانتا ہے، اس نے بتایا تھا کہ:

رمضان المبارک کی بات ہے کہ افطاری سے کچھ دیر پہلے ماں نے بیٹی سے کہا: "آؤ میرے ساتھ مل کر افطاری کے لئے تیاری میں میری مدد کرو،، بیٹی نے جواب دیا، امی! مجھے ٹی وی پر پروگرام دیکھنا ہے وہ دیکھ لوں تو پھر کام کر دوں گی۔
یہ کہہ کر وہ اُوپر چھت پر چلی گئی۔ کمرے میں ٹی وی رکھا تھا، اس لڑکی نے ماں کے ڈر سے کہ کہیں مجھے زبردستی کام کے لئے اُٹھا کر نہ لے جائے، دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا۔ ادھر ماں بیٹی کو آوازیں دیتی رہی، بیٹی نے ایک نہ سنی، کافی وقت گذر گیا

گھر میں سب مرد بھی آگئے، افطاری ہو گئی، لیکن لڑکی ابھی تک کمرے سے نہیں نکلی، ماں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز نہ آئی، دل میں ڈر گیا، اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا انھوں نے دروازہ توڑا۔ اور اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی زمین پر اوندھے منہ پڑی ہے۔ اس کو دیکھا تو وہ مر چکی تھی۔ اب حالت یہ ہوئی کہ لڑکی زمین کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی، اٹھانے سے نہیں اٹھتی تھی، سب اس کو اٹھا اٹھا کر تھک گئے۔ اب حیران کہ کیا کریں۔ کسی کے ذہن میں اچانک ایک بات آئی۔ اس نے جو اٹھ کر ٹی وی کو اٹھایا تو لڑکی بھی اٹھی، اب تو یہ ہوا کہ اگر ٹی وی اٹھاتے تو لڑکی اٹھتی ورنہ بالکل کوئی اس کو نہ اٹھا سکتا۔ آخر انھوں نے لڑکی کے ساتھ ٹی وی کو بھی اٹھایا، اور اس کو نیچے لائے اور غسل دے کر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ اٹھایا تو حیران رہ گئے کہ چارپائی تو ٹس سے مس نہیں ہوتی، بالآخر انہوں نے ٹی وی کو اٹھایا اور قبرستان تک لے گئے، اب انھوں نے لڑکی کو قبر میں دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھا کر گھر لانے لگے، جوں ہی انھوں نے ٹی وی اٹھایا تو میت قبر سے باہر آ پڑی، انھوں نے پھر اس کو دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھایا تو پھر میت باہر آ پڑی۔ اب تو سب کو بہت پریشانی ہوئی انھوں نے لڑکی کو ٹی وی سمیت قبر میں دفن کر دیا۔"

اب اس کا جو حشر ہوا ہو گا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (رسالہ ختم نبوت ہفت روزہ جلد ۷ شمارہ ۱۸۵)

عذابِ قبر

اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ بیان کیا گیا ہے دو دوست تھے ایک جدّہ میں رہتا تھا اور دوسرا ریاض میں، دونوں میں گہری دوستی تھی، دونوں ہی دیندار اور پرہیزگار تھے، ریاض والے دوست کے گھر والوں نے بہت ضد کی، کہ وہ گھر میں ٹی وی لے آئے۔ اپنے بیوی اور بچوں کے اصرار پر اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ٹی وی خرید لیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، جدّہ والے دوست نے اس کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا، ہر مرتبہ اس کو عذاب کی حالت میں پایا اور اس نے خواب میں تینوں مرتبہ اس جدہ والے دوست سے کہا۔

خدا کے لئے میرے گھر والوں سے کہو کہ وہ گھر سے ٹی وی کو نکال دیں کیونکہ جب سے ان لوگوں نے مجھے دفن کیا ہے، مجھ پر اس ٹی وی کی وجہ سے عذاب مسلط ہے کیونکہ میں نے خرید کر گھر میں رکھا تھا وہ لوگ اس بے حیائی سے مزے لے رہے ہیں اور میں عذاب میں گرفتار ہوں۔

جدّہ والا دوست جہاز کے ذریعہ ریاض پہنچا اور اس کے گھر والوں کو خواب سنایا اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تین مرتبہ ایسا دیکھا ہے، گھر والے سن کر رونے لگے، اس کا بڑا بیٹا اٹھا اور غصے میں ٹی وی کو اٹھا کر پٹخا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیا۔

جدّہ والا دوست جب جدہ واپس پہنچا، تو اس نے پھر دوست کو خواب میں دیکھا۔ اس بار وہ اچھی حالت میں تھا، اس کے چہرے پہ ایک رونق تھی، اس نے اپنے ہمدرد دوست کو دعا دی کہ اللہ جل جلالہ تجھے بھی مصیبتوں سے نجات دلائے۔ جس طرح تو نے میری پریشانی دور کرائی۔"

(رسالہ ٹی وی کی تباہ کاریاں)

محترم سامعین! فلموں اور ڈراموں میں جو قباحتیں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں وہ میں نے انتہائی اختصار کے ساتھ آپ حضرات کے سامنے بیان کر دی ہیں اور یہ خرابیاں ایسی ہیں کہ دو اور دو چار کیطرح بالکل واضح ہیں۔ اگر آپ عزم کر لیں اور ہمت سے کام لیں تو انشاءَ اللہ تعالےٰ ان کا چھوڑنا کوئی مشکل نہیں، بیشک کچھ دنوں تک دل مچلے گا۔ آرزو اور امنگ بھی پیدا ہو گی۔ دوسرے جب آپ کے سامنے اس پروگرام کے دلچسپ مناظر بیان کریں گے تو دل میں حسرت بھی پیدا ہو گی کہ کاش میں بھی دیکھ لیتا، لیکن آپ تہیہ کر لیں کہ ؎

آرزوئیں خوں ہوں حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے مجھے

عزم وہمت کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے دعا بھی کرتے رہیں کہ میرے مالک نفس وشیطان کی تدبیریں اور چالبازیاں بہت سخت ہیں اور میں بہت کمزور ہوں۔ محض تیری رضا کی خاطر غلاظت کے ان اڈوں اور فحاشی وعریانیت کے ان پروگراموں سے دُور رہنے کا عزم کیا ہے تو ہی اس عزم پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمادے۔ جب عزم بھی ہو گا اور کوشش بھی ہو گی اور اللہ سے دعا بھی ہو گی تو یہ کام جو بظاہر مشکل نظر آتا ہے، انشاء اللہ آسان ہو جائیگا، پھر آپ کی دیکھا دیکھی گھر کے دوسرے افراد بھی متاثر ہوں گے اور انشاءَ اللہ ان میں سے بھی کوئی نہ کوئی باہمت آپ کے نقش قدم پہ چلنے والا پیدا ہو جائیگا۔

اور بھائی آخری بات یہ ہے کہ جب تک بچنے کی توفیق نہیں ہوتی اس وقت تک کم از کم دل سے تو ان چیزوں کو بُرا سمجھتے رہیں۔ اگر ہم نے دل سے بھی ان غلاظتوں کو اچھا سمجھنا شروع کر دیا اور ان کے لئے جواز کے دلائل اور تاویلیں تلاش کرنے لگ گئے تو پھر ہمارا خدا حافظ ہے۔ وما علینا البلاغ

پاکیزگی

صفائی پوشاک و تن دیدنی ہے
مگر رُوح آلائشوں میں سنی ہے
خمیدہ ہے سر دل میں کبر و منی ہے
شریفانہ صورت ہے سیرت دنی ہے
یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے۔

حضرت مجذوب رح

"اگر آپ گہری نظر سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں گے تو
یقیناً اعتراف کریں گے کہ اسلام نے جہت پاکیزگی کا حکم دیا
ہے، دل اور دماغ سے لے کر زبان کان اور نظر تک،
لباس سے لے کر غذا تک، اعمال سے لے کر افکار تک،
ماحول اور معاشرہ سے لے کر سیاست اور حکومت تک
ہر شعبے کا ہر جہت کا اور ہر پہلو کا پاک ہونا ضروری ہے
دل پاک ہو باطنی امراض سے
دماغ پاک ہو فاسد خیالات سے
نظر پاک ہو ممنوعات اور محرمات سے
کان پاک ہوں گانا بجانا اور غیبت اور چغلی کے سننے سے
زبان پاک ہو یاوہ گوئی سے
لباس پاک ہو نجاست اور غلاظت سے
غذا پاک ہو غیر کے حق کی آمیزش سے
سیاست پاک ہو مکروفریب سے
ماحول اور معاشرہ پاک ہو ظلم و عدوان اور بے حیائی اور
عریانیت سے۔"

پاکیزگی

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ سیّدنا ورسولنا الکریم امابعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ	اور اللہ تم پر آسمان سے پانی برساتا ہے
مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ	کہ تمھیں اس پانی کے ذریعے پاک صاف
عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ ط	کیئے رکھے اور تم سے شیطانی وسوسہ
(سورہ الانفال ، ۲)	کو دور رکھے۔

وقال اللہ تعالیٰ فی مقامٍ اٰخر:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ	اللہ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے،
مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ	بلکہ اللہ کو یہ منظور ہے کہ تمھیں پاک و
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ ط	صاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنی نعمت
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (المائدۃ)	تام فرمائے اور تاکہ تم شکر کرو۔

قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلم

عن ابی مالک الاشعری قال	ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسلّم الطُّھُورُ شطرُ الایمان	نے فرمایا طہارت اور پاکیزگی ایمان کا
(مشکوٰۃ ، ۳۰)	نصف حصّہ ہے۔

گرامیٔ قدر حاضرین: یوں تو ہر مذہب، ہر کلچر، ہر تمدن، ہر شہر اور ہر ملک

میں صفائی اور پاکیزگی پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن جس جامعیت اور کاملیت کے ساتھ اسلام میں صفائی اور پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے، اتنا کسی بھی دوسرے مذہب میں نہیں دیا گیا۔

یورپی معاشرہ میں شہر اور محلے کے گلی کوچوں کی صفائی پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے مگر وہاں قلب و نظر کی صفائی کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔ بعض جوگی اور راہب باطنی صفائی اور تزکیہ پر بڑی محنت اور ریاضت کرتے ہیں لیکن وہ ظاہری صفائی پر بالکل توجہ نہیں دیتے۔

کئی سائنسدان ماحولیات کی صفائی کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں لیکن انھوں نے اخلاق و معاملات کی صفائی پر کبھی لب کشائی نہیں کی، کئی ڈاکٹر اور حکیم صاف غذا اور صاف پانی کی اہمیت پر بڑے لیکچر دیتے ہیں مگر حلال غذا اور پاک پانی کی اہمیت کو انہوں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔

ہمہ جہت پاکیزگی

اگر آپ گہری نظر سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں گے تو یقیناً اعتراف کریں گے کہ اسلام نے ہمہ جہت پاکیزگی کا حکم دیا ہے۔ دل اور دماغ سے لے کر زبان کان اور نظر تک، لباس سے لے کر غذا تک، اعمال سے لے کر افکار تک، ماحول اور معاشرہ سے لے کر سیاست اور حکومت تک ——— ہر شعبے کا ہر جہت کا اور ہر پہلو کا پاک ہونا ضروری ہے۔

دل پاک ہو باطنی امراض سے

دماغ پاک ہو فاسد خیالات سے۔

نظر پاک ہو ممنوعات اور محرمات سے

کان پاک ہوں، غیبت اور چغلی کے سننے سے۔

زبان پاک ہو یاوہ گوئی سے

لباس پاک ہو نجاست اور غلاظت سے،

غذا پاک ہو غیر کے حق کی آمیزش سے

سیاست پاک ہو مکرو فریب سے

ماحول اور معاشرہ پاک ہو ظلم و عدوان اور بے حیائی و عریانیت سے

آج کی نشست میں میں اپنی ناقص معلومات اور مطالعہ کی روشنی میں پاکیزگی کے بارے میں اسلامی تعلیمات آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو پاکیزہ بننے پاکیزہ رہنے اور پاکیزگی کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

دل کی پاکیزگی

جب ہم پاکیزگی کی بات کرتے ہیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی حجاب نہیں کہ اسلام نے سب سے زیادہ زور باطن کی صفائی اور دل و دماغ کی پاکیزگی پہ دیا ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں تزکیہ کہا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ اور بعض دوسری سورتوں میں اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے ہیں، آیات کی تلاوت، کتاب اللہ کے معانی اور مفاہیم کی تعلیم، حکمت کی تعلیم اور دلوں کا تزکیہ اور صفائی، فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ علی المؤمنین اِذْ بَعَثَ فیھم رسولاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یتلوا علیھم اٰیٰتِہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحِکمۃ	حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان مسلمانوں پر کیا جب کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک وصاف کرتا ہے،

اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (آل عمران پ ۴)

انبیاء کرام دلوں پر محنت کرتے ہیں اور انہیں گندے عقائد اور خیالات سے پاک کرتے ہیں کیونکہ جب دل پاک ہو جائے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے اور جب دل ہی پاک نہ ہو تو سارے جسم میں اور جسم سے صادر ہونے والے اعمال میں بھی فساد ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله، الا وھی القلب

جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے۔

فرق

دنیا کے قانون سازوں، ریفارمروں، لیڈروں اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ یہ لوگ ظاہر کو سنوارنے، ظاہر کو بنانے اور ظاہر کو قانون کے شکنجے میں جکڑنے میں لگے رہتے ہیں، نت نئے قوانین بنائے جاتے ہیں تاکہ جرائم نہ ہوں، چوری نہ ہو ڈکیتی نہ ہو، ملاوٹ نہ ہو، اسمگلنگ نہ ہو، کسی کی عزت نہ لٹے، لیکن ہر قسم کے قوانین کے باوجود سب کچھ ہوتا رہتا ہے بلکہ تجربہ تو یہ ہے کہ قانونی بندشیں جتنی بڑھتی جاتی ہیں۔ اسی تناسب سے جرائم بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں قانونی پابندیوں کی بہتات ہے، مجرموں کو پکڑنے کے لئے جدید ترین گاڑیاں ہیں جرائم پر نظر رکھنے کے لئے ٹی وی کیمرے ہیں۔ پولیس کا وسیع نظام ہے، لیکن اس کے باوجود وہاں چوریاں بھی ہوتی ہیں۔ ڈکیتیاں بھی ہوتی ہیں، قتل و غارت گری بھی ہوتی ہے، غصب و نہب اور دھوکہ دہی کے کیس بھی ہوتے ہیں بلکہ یہ سب کچھ ہمارے ہاں سے زیادہ ہوتا ہے، آخر کیوں؟ اسلئے کہ ان کی ساری توجہ ظاہر پر ہے،

باطن کو وہ اتنی اہمیت نہیں دیتے، جتنی اہمیت دینی چاہیئے، لیکن انبیاءِ کرام علیہم السّلام زیادہ توجّہ باطن کی درستگی پر دیتے ہیں۔ کیونکہ جب دل بدل جاتا ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔

دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔

گویائی کا لہجہ بدل جاتا ہے۔

زندہ رہنے کا مقصد بدل جاتا ہے۔

خلوت بدل جاتی ہے۔

جلوت بدل جاتی ہے۔

دن بدل جاتے ہیں۔

راتیں بدل جاتی ہیں۔

فرد بدل جاتا ہے۔

معاشرہ بدل جاتا ہے۔

محلہ بدل جاتا ہے۔

شہر بدل جاتا ہے۔

پورا ملک بدل جاتا ہے

پاک صاف دل والا انسان

اگر پیرس اور لندن کی عشرت گاہوں میں بھی

چلا جائے تو دامن بچا کے لے آتا ہے اور

ناپاک دل والا بدقسمت شخص مکہ اور مدینہ کے بازاروں

سے بھی گذرے تو نگاہ بھٹک جاتی ہے اور منکر و معصیت

کے کانٹوں میں اُلجھ جاتی ہے۔

حضرت فضیل رحؒ فرماتے ہیں :—

"بعض لوگ جائے طہارت میں سے پاک آتے ہیں اور بعض لوگ خانۂ کعبہ میں سے باہر آتے ہیں تو ناپاک ہو کر آتے ہیں "

جب دل کا تزکیہ اور صفائی ہو جاتی ہے تو دل میں ایک الارم سا لگ جاتا ہے جو ہر معصیت پر، ہر گناہ پر خطرے کی گھنٹی بجا دیتا ہے متوجہ اور ہوشیار کر دیتا ہے کہ خبردار یہ خارزار وادی ہے،

دامن بچا کر چلو

احتیاط سے قدم اُٹھاؤ۔

بچ کر رہو، کہیں ایسے نہ ہو کہ دامنِ تقوٰی تار تار ہو جائے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا

مَا الْاِثْمُ يَا رَسُوْلَ اللهِ یا رسول اللہ گناہ کیا ہے ؟

جواب میں آپؐ نے گناہ نہیں گنوائے، یہ نہیں فرمایا کہ شراب پینا گناہ ہے، زنا کرنا گناہ ہے،

چوری کرنا گناہ ہے، ڈاکہ زنی کرنا گناہ ہے۔

بہتان تراشی کرنا گناہ ہے، کم تولنا گناہ ہے۔

یہ نہیں فرمایا۔ بلکہ بہت مختصر سا جواب دیا اور ایک اُصول بتلا دیا فرمایا :—

مَا حَاكَ فِىْ صَدْرِكَ

جو تمھارے دل میں کھٹک پیدا کر دے جس کام کو تم بلا جھجک سرِ عام نہ کر سکو وہ گناہ ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

یہ اُصول اور قاعدہ جو آپؐ نے بیان فرمایا ہے۔

یہ ہر دل کے لئے نہیں ہے ورنہ تو کتنے ہی غنڈے اور بدمعاش ہیں جو سرِ عام گناہ کرتے ہیں اور اس پر بالکل نادم نہیں ہوتے بلکہ یہ اصول ان دلوں کے لئے ہے جن کا تزکیہ ہو چکا ہو، جن دلوں میں خدا کا خوف اور آخرت کے محاسبہ کا ڈر پیدا ہو چکا ہو، ایسے انسانوں کے لئے ظاہری قانون کی کوئی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں بھی ہوں گے تو کسی کے مال میں، کسی کے باغ میں کسی کی زمین میں ناجائز تصرف نہیں کریں گے۔

انہیں قانون کا پابند بنانے کے لئے جیل کی کالی کوٹھڑیوں سے ڈرانے کی ضرورت نہیں، ان کے اندر کا سسٹم آٹومیٹک طریقے سے انہیں خود ہی قانون کی پابندی کرنے پر مجبور کر دے گا۔

جن کا تزکیہ ہو چکا تھا

آپ جانتے ہیں کہ شراب، زنا، بدکاری اور چوری ڈکیتی عربوں کی عادتِ ثانیہ اور ان کا مزاج بن چکی تھی، ان کی سوسائٹی میں چوری، ڈکیتی اور بدکاری کی داستانیں فخریہ پیش کی جاتی تھیں۔ شراب ان کی مہمان نوازی کا لازمی حصہ بن چکی تھی، مگر ابوداؤد میں ہے کہ جب حرمتِ شراب کے بارے میں سورۃ المائدہ کی آخری آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے شراب کے مفاسد اور خرابیاں بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا ہے: فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ کیا تم باز نہیں آؤ گے۔

تو یہ الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیساختہ پکار اٹھے۔ اِنْتَهَيْنَا ہم باز آئے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابوطلحہ رضؓ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، کہ اسی حالت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے شراب کی حرمت کا اعلان کرا دیا، ابوطلحہ رضؓ نے مجھ سے کہا کہ نکل کے دیکھو یہ کیسی آواز ہے، منادی کیا اعلان کر رہا ہے، میں گھر سے نکلا اور واپس آ کر بتایا کہ ایک منادی اعلان کر رہا ہے کہ شراب حرام ہو گئی ہے ابوطلحہ رضؓ نے کہا، اچھا اگر یہ بات ہے تو شراب گرا دو، اور

فرماتے ہیں کہ اس اعلان کے بعد اتنی کثرت سے شراب گرائی گئی کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔

چونکہ دل صاف ہو چکا تھا اس لئے یہ نہیں سوچا کہ آج محفل جمی ہوئی ہے، ساقی بھی ہے، پیمانہ بھی ہے، دوست و احباب بھی جمع ہیں، آج پی لیتے ہیں، اس کے بعد نہیں پئیں گے بلکہ فرمایا کہ اٹھو اور مٹکا توڑ ڈالو، اب اس ام الخبائث کے قریب بھی نہیں جانا ہے، گھر میں اس کا وجود ہی نا قابل برداشت ہے۔

حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے ایک بار کسی کام کے لئے مکہ آئے وہاں ان کی آشنا ایک طوائف تھی جس کا نام عناق تھا، اگرچہ رات کا وقت تھا مگر عناق نے انہیں کسی طرح دیکھ لیا، اور انہیں دعوت دی کہ آج کی رات میرے ہاں گذارو، لیکن انہوں نے معذرت کر دی کہ اب زنا حرام ہو گیا ہے اس لئے میں تمہارے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا مگر عناق تو پیچھے ہی پڑ گئی اور شور و غل کرنے لگی، حضرت مرثد رضی اللہ عنہ بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے، تب جا کر ان کی جان بچی۔

باطنی امراض

میرے بزرگو اور دوستو! جب ہم دل اور دماغ کی پاکیزگی اور تزکیہ کی بات کرتے ہیں تو یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ دل کی پاکیزگی کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے دل میں کوئی شرکیہ عقیدہ نہ ہو، اگر ہمارے اندر ذرہ برابر بھی شرک ہوا تو ہم پاک نہیں ہو سکتے، اللہ تعالٰے کا فرمان ہے۔ انما المشرکون نجس (سورہ توبہ پ۱۰) بیشک مشرک ناپاک ہیں۔ شرک کی گندگی جس شخص کے اندر ہوگی وہ جنت میں ہرگز نہیں جا سکتا۔ شرک کے علاوہ بعض دوسرے باطنی امراض اور باطنی نجاستیں بھی ہیں، جن سے پاک ہونا ضروری ہے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیئے گا کہ چونکہ ہم شرک نہیں کرتے اس لئے ہمارا تزکیہ ہو گیا ہے اور ہم پاک صاف دل و دماغ کے مالک ہیں، اس

میں شک نہیں کہ شرک سے اپنا دامن بچانا اور شرکیہ توہمات اور عقائد سے محفوظ ہونا بہت بڑی سعادت ہے لیکن شرک کے ساتھ ساتھ دوسرے باطنی امراض سے بھی حفاظت ضروری ہے ——— خود پسندی، تکبر، بغض وحسد، خود غرضی، بخل، حرص وطمع اور بے غیرتی، یہ سب باطنی امراض ہیں اور ہم میں سے اکثر لوگ کسی نہ کسی انداز میں ان امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اندر مثلاً تکبر یا حسد نہیں ہے حالانکہ وہ ہوتا ہے، جب کہ تزکیۂ نفس کمال درجہ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا ہے جب تک کہ ہم ان رذائل سے اپنے آپ کو پاک نہ کریں۔

خود پسندی اور حرص وطمع کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کبھی نہیں بھولنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا:

وَاَمَّا الْمُهلکات فهوی متبع وشحٌ مطاع واعجاب المرء بنفسہٖ وھی اشد ھنّ مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۵	تین چیزیں انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔(۱) ایسی خواہش جس کا انسان تابع بن کر رہ جائے (۲) ایسی حرص جس کی اطاعت کی جائے (۳) خود پسندی اور یہ ان تینوں میں سے زیادہ خطرناک ہے۔

اسی طرح شہرت پسندی کے بارے میں آپ نے فرمایا:

عن ابن عمر رضؓ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم من لبس ثوب شھرۃٍ فی الدُّنیا البسہ اللہُ ثوب مذلۃ یوم القیٰمۃ۔ (مشکوٰہ شریف)	حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا

تکبر

تکبر کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیئے۔

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا ونعلہ حسنا قال ان اللہ جمیل ویحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ انسان پسند کرتا ہے کہ اسکے کپڑے اچھے ہوں اسکے جوتے اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی تکبر ہے) آپ نے فرمایا کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، لہذا یہ تکبر نہیں بلکہ تکبر یہ ہے کہ حق کے مقابلہ میں اترانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

ذرا غور فرمایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات پر اور پھر جائزہ لیجیئے اپنے جذبات وخیالات کا! ہم میں سے کتنے ہیں جو خود پسندی، شہرت پسندی اور تکبر سے بچے ہوئے ہیں، ہمارے اکثر تنازعات اور لڑائی جھگڑوں کی وجہ خود پسندی اور تکبر ہے، اگر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ لیا جائے اور تواضع اختیار کرلی جائے تو ہمارے نوے فیصد جھگڑے خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ جس شخص کے دل میں تکبر ہوتا ہے اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے اور وہ نور ہدایت سے محروم رہتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (سورہ غافر)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور جابر کے پورے دل پر مہر کر دیتے ہیں۔

متکبر شخص کو اللہ تعالےٰ سے مانگنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور بالآخر یہ بدقسمت انسان ذلیل وخوار ہوکر جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔ سورۂ غافر میں ہے :

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ	اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست کروں گا جو لوگ میری عبادت سے (جس میں دعا بھی داخل ہے) تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے ۔

حسد

تکبر کے علاوہ بغض وحسد بھی ایک خطرناک باطنی بیماری ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم دَبَّ اليكم داء الأمم قبلكم الحسد والبغضاء هِيَ الحالقة لا أقول تحلق الشَّعْرَ ولكن تَحْلِقُ الدِّينَ ؎	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں (غیر محسوس طور پر) پہلی قوموں کی بیماری سرایت کر گئی ہے یعنی کینہ اور حسد جبکہ یہ بیماری مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے

حاسد شخص حقیقت میں اللہ تعالےٰ کی تقسیم پر ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی کی عزت دیکھ کر جلتا ہے، کسی کا عہدہ دیکھ کر جلتا ہے، کسی کے پاس مال ودولت اور اولاد دیکھ کر جلتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں اللہ ہی دیتا ہے، عزت ذلت غربت وثروت اور بلندیوں اور پستیوں کا مالک وہی ہے، یہ سب کچھ اس کے علاوہ کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہے اور پھر کمال یہ کہ حاسد کی آرزو بس یہ ہوتی ہے کہ وہ نعمت جو دوسرے کو حاصل ہے وہ مجھے حاصل ہو یا نہ ہو، اس کے پاس نہ رہے گویا وہ خواہ مخواہ اپنے دل کو گندا اور ناپاک کرتا ہے اور اپنی نیکیاں

؎ مشکوٰۃ صہ ۴۲۰

بھی برباد کرتا ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ[1]

حسد سے بچو اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح ہڑپ کر جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو نگل جاتی ہے۔

اسباب و وسائل

یہ تو وہ غلاظتیں اور نجاستیں تھیں جن کا براہ راست دل سے تعلق ہے، علاوہ ازیں اسلام نے ان اسباب و وسائل کو بھی حرام قرار دیا ہے جو دل کو ناپاک کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہم کانوں سے جو کچھ سنتے ہیں اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھتے ہیں، اس کا دل پر اچھا برا ضرور اثر ہوتا ہے اگر پاکیزہ کلمات اور صاف ستھری باتیں سنیں گے تو دل میں پاکیزہ خیالات پیدا ہوں گے اور اگر گندی باتیں سنیں گے اور ممنوعات اور محرمات کی طرف دیکھیں گے تو دل میں گندے جذبات جنم لیں گے۔

آنکھوں کی پاکیزگی

اسی لئے ہمیں نظروں کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور نظریں تب پاک ہونگی جب نظروں کو جھکا کر رکھا جائے، کسی غیر محرم کیطرف نظر نہ اٹھائی جائے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ٥

(سورۂ نور پ ۱۸)

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کیلئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

بدنظری سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور عبادت کی لذت وحلاوت ختم ہو جاتی

[1] مشکوٰۃ صہ ۴۲۰

ہو جاتی ہے اور بد نظری زنا اور بدکاری کی پہلی سیڑھی ثابت ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بدکاری کے انسداد کے لئے سب سے پہلے اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا ہے۔ یعنی مسلمان مرد اور عورت کو حکم دیا کہ بد نظری سے بچیں، اور اپنی خواہشات کو قابو میں رکھیں۔ یہ بھی جتلا دیا کہ ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کو تمہاری نظروں کی خیانت اور غلاظت کا علم نہ ہو، تمہارا قریبی ساتھی تمہارا ہمسفر یہ سمجھ رہا ہو، کہ تم شفقت کی نظر سے دیکھ رہے ہو، لیکن اس مالک کو ہر ہر چیز کا علم ہے جو دلوں میں پرورش پانے والے خیالات تک، جانتا ہے۔ فرمایا:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ — وہ آنکھوں کو جانتا ہے اور جس چیز کو سینے میں چھپاتے ہیں اسے بھی جانتا ہے

تمہاری نظر جو اٹھی ہے بہر راستہ دیکھنے کے لئے اٹھی ہے۔ شفقت، محبت کے لئے اٹھی ہے؟ جذبہ ترحم کے لئے اٹھی ہے؟ یا شہوت پرستی کے جذبے سے اٹھی ہے؟ اس کا پورا پورا علم علیم بذات الصدور کو ہے۔

کیونکہ نظر نظر میں فرق ہوتا ہے، انداز میں بھی فرق ہوتا ہے ——— اور نیت میں بھی فرق ہوتا ہے، بہت پہلے کسی کتاب یا رسالے میں دیکھا تھا کہ نظر اٹھالی دعا بن گئی، نظر جھکالی حیا بن گئی، نظر ترچھی کرلی ادا بن گئی، نظر سیدھی کرلی سزا بن گئی، انداز نظر میں تبدیلی کے ساتھ اصل فرق نیت سے بھی پڑتا ہے، ایک عورت کو باپ اور نظر سے دیکھتا ہے، شوہر اور نظر سے دیکھتا ہے، بیٹا اور نظر سے دیکھتا ہے، بھائی اور نظر سے دیکھتا ہے اور ایک بے غیرت انسان اور نظر سے دیکھتا ہے، ایک کے دل میں شفقت ہے، دوسرے کے دل میں محبت ہے، تیسرے کے دل میں عقیدت ہے، چوتھے کے دل میں الفت ہے، پانچویں کے دل میں غیرت ہے اور چھٹے کے دل میں غلاظت ہے، نجاست ہے

دیّوثی ہے بے غیرتی ہے،

ہو سکتا ہے دنیا والوں کو ہماری گندی نیت اور بدنظری کا علم نہ ہو لیکن حق تعالیٰ کو تو ہر ہر چیز کی خبر ہے۔ سورۂ نور کی جس آیت میں نظر جھکا کر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اسکے آخر میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

(سورۂ نور)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے رُوح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں چار باتیں لکھی ہیں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ:

۱۔ تمہارے نظریں گھما گھما کر دیکھنے سے باخبر ہے۔

۲۔ بدنگاہی کرنے والا شخص حواس خمسہ کے ذریعے جو لذت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ کو اس کی بھی خبر ہے

۳۔ بدنظری کرنے والا اس سلسلہ میں ظاہری اعضاء کو جو استعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے۔

۴۔ اور بدنظری سے اس کا جو کچھ مقصد ہو، حق تعالیٰ کی نظر سے وہ مقصد بھی پوشیدہ نہیں مختصر یہ کہ ؎

جو کرتا ہے تُو چھپ کے اہلِ جہاں سے
کوئی دیکھتا ہے تجھے آسماں سے

ایسا ثواب ایسا عذاب

نظر کی پاکیزگی اور نظر کی حفاظت وہ عظیم عمل ہے جس پر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت ہی نہیں سنائی بلکہ جنت کی ضمانت دی ہے

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا، تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، پہلی بات یہ ہے کہ بات کرتے ہوئے جھوٹ نہ بولو، دوسری یہ کہ وعدہ خلافی نہ کرو، تیسری یہ کہ امانت میں خیانت نہ کرو، چوتھی یہ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، پانچویں یہ کہ نظریں نیچی رکھو، اور چھٹی بات یہ ہے کہ ہاتھوں کو ظلم سے بچائے رکھو۔[1]

حضرت ابُو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جس کی نظر کسی عورت کے حسُن وجمال پر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ ہٹا لے تو اللہ تعالےٰ اس کے بدلے میں ایک ایسی عبادت اسے عطا فرماتے ہیں جس کی لذت وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔[2]

نفس کے تقاضے کے باوجود جب بندہ محض حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر نظریں ہٹا لیتا ہے یا جھکا لیتا ہے تو گویا زبان حال سے بارگاہِ کبریا میں یہ عرض کرتا ہے کہ

بہت گو ولولے دِل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

اور نفس کے ان چھوٹے تقاضوں کو دبانے ہی سے انسان کو تقوٰی نصیب ہوتا ہے، جیساکہ عارف رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمامِ تقوٰی روشن است

اس شعر میں مولانا رومی رحمہ اللہ نے یہ بتایا ہے کہ نفس کے تقاضوں اور گناہ کے جذبات تقوٰی کی بھٹی کے لئے ایندھن کیطرح ہیں۔ ان کو اگر خوفِ خدا کے چولہے میں ڈال کر جلاؤ گے تو اس سے تقوٰی کی بھٹی اور حمام روشن ہوگا۔

---

[1] الترغیب والترہیب ص ۳۵ [2] مسند احمد و طبرانی

ایمان کی حلاوت اور نور دل میں محسوس ہوگا اور اگر ان تقاضوں پر عمل کر لیا تو یہ ایسے ہے جیسے ایندھن کا کھا لینا، حالانکہ ایندھن جلانے کے لئے ہوتا ہے، کھانے کے لئے نہیں ہوتا، ایندھن کو جلا کر ہم اچھی اچھی غذائیں تیار کر سکتے ہیں لیکن اگر کوئی احمق شخص جلانے کے بجائے ایندھن کو کھالے تو یا تو اس کی موت واقع ہو جائے گی، یا کم از کم اس کی صحت تو ضرور ہی متأثر ہوگی۔

ایک طرف تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کی پاکیزگی کی یہ فضیلت وعظمت اور ثواب بیان فرمایا ہے، دوسری جانب بدنظری پر بڑی سخت وعید اور عذاب بتایا ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا تو تم اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں مسخ کر دے گا۔ [1]

مسخ کا کیا طریقہ ہوگا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر یہ تو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اس گناہ کے عادی ہو جاتے ہیں، ان کی آنکھیں اندر کو دھنس جاتی ہیں، رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور چہروں پر نحوست سی ٹپکتی محسوس ہوتی ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ (بُری نیت سے) دیکھنے والے پر بھی لعنت فرماتا ہے اور جسے (اس کی بے پردگی اور عریانیت کی وجہ سے) دیکھا جاتا ہے اس پر بھی لعنت کرتا ہے۔ [2]

بیشمار ایسے لوگ ہیں جو زنا اور بدکاری سے کسی نہ کسی وجہ سے بچے ہوئے ہیں لیکن وہ بدنظری سے محفوظ نہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کئی

---

[1] الترغیب والترہیب ص۳۷ بحوالہ طبرانی [2] مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰

بوڑھے بھی اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ جیسے زنا حرام ہے، اسی طرح زنا کے وسائل اور ذرائع بھی حرام ہیں، مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے، رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:

اَلعَینَانِ تزنیان وزناھما النظر	آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے
والاذُنانِ تزنیان وزناھما الاستماع	اور کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا سننا ہے
واللسان یزنی وزناہُ النطق	اور زبان بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا
والیدان تزنیان وزناھمَا	ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا
البطش [۱]	زنا (غیر محرم) کو پکڑنا ہے۔

بدنظری وہ گناہ ہے جس سے کبھی سیری نہیں ہوتی، آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں دل پریشان رہتا ہے، عبادت میں دل نہیں لگتا، تلاوت میں، ذکر میں، استغفار میں لذّت نہیں آتی، صحت تباہ ہو جاتی ہے، دماغ کمزور ہو جاتا ہے، سر میں چکر آتے ہیں، دل پر گھبراہٹ مسلط ہو جاتی ہے، کام کاج میں بھی دل نہیں لگتا اسی لئے خواجہ عزیز الحسن مجذوب رح فرماتے ہیں:

ڈال کر اُن پر نگاہِ شوق کو جان آفت میں نہ ڈالی جائے گی
حسنِ فانی پر اگر تو جائے گا یہ منقّش سانپ ہے ڈس کھائیگا۔

کانوں کی پاکیزگی

دین و ایمان کو بچانے کے لئے اور دل کو پاک اور صاف رکھنے کے لئے جیسے نظر کو پاک رکھنا ضروری ہے، اسی طرح کانوں کو بھی پاک رکھنا ضروری ہے۔

کانوں سے اگر قرآن کی آیات سنی جائیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنی جائیں، اللہ والوں کی باتیں اور حکایتیں سنی جائیں، تو دل میں نور پیدا ہوتا

---

[۱] مشکوٰۃ شریف صہ ۳۷۰

ہے، رقت پیدا ہوتی ہے، لطافت پیدا ہوتی ہے، خشیت پیدا ہوتی ہے اور طہارت پیدا ہوتی ہے اور اگر کانوں سے فحش گانے سنے جائیں۔ یا غیبتیں اور چغلیاں سنی جائیں تو دل میں قساوت آتی ہے، خباثت آتی ہے، نجاست آتی ہے، عداوت آتی ہے، عبادت سے بغاوت آتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ جو کان گانا سننے کے عادی ہو جائیں وہ قرآن سنیں تو ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا، ان کے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اُن پر اکتاہٹ طاری ہو جاتی ہے، ان کے سامنے اللہ والوں کی باتیں اور حکایتیں بیان کی جائیں تو ان کے دل سکڑ جاتے ہیں، انہیں یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے انہیں کسی نے قید کر رکھا ہو اور جوں ہی گانا سنتے ہیں، ان کی طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے، وہ اگر ساری رات موسیقی کی کسی محفل میں جاگتے رہیں تو قطعاً تھکاوٹ یا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے لیکن اگر بہت تھوڑے وقت کے لئے انہیں ذکر و فکر کے حلقے میں شریک ہونا پڑے تو ان کی جان پر بن جاتی ہے۔

کانوں کو پاک رکھنے کے لئے اسلام میں گانے بجانے کو حرام قرار دیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ طبلہ حرام ہے، شراب حرام ہے اور گانے بجانے کے آلات حرام ہیں۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گانا وغیرہ سننا گناہ ہے، اس کے لئے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے۔ [2]

ہم موسیقی سے لطف اندوز ہونے والے پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگا سکتے، لیکن قرآنی آیات کے بجائے اس کا گانے بجانے میں لذت محسوس کرنا اس

---

[1] بیہقی [2] نیل الاوطار صـ ۱۰۰ جلد ۸

بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر کفر کا کچھ نہ کچھ اثر پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی بعثت کے دوسرے مقاصد بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک مقصد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ:

"مجھے موسیقی کے آلات توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔"[1]

ترمذی شریف میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امّت جب پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے گی تو اس پر بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوں گی، ان پندرہ چیزوں میں سے آپ نے ایک یہ بھی بتائی کہ جب گانے بجانے والیاں اور موسیقی کے آلات عام ہو جائیں گے۔"[2]

آج ہم پر جو مصائب اور پریشانیاں تسلسل کے ساتھ آرہی ہیں، ان سے کون انکار کرسکتا ہے، قتل و غارت گری ہے، بدامنی ہے، ڈاکہ زنی ہے، ظالم حکمران ہیں، مہنگائی ہے، بیماریاں ہیں، عالمی طاقتوں اور کافروں کی سازشیں ہیں۔ شہروں میں جنگلات سے زیادہ خوف ہے۔ گھروں میں لڑائیاں ہیں ـــــ ان مصائب و آلام کے کچھ اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں، لیکن ایک سبب تو وہی ہے جو آقائے دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب گانے والیاں اور موسیقی عام ہو جائے گی تو مصیبتیں نازل ہوں گی۔ آج گھر گھر سے موسیقی کی آواز آتی ہے، ناچنے گانے والے اور والیاں اتنی عام ہو گئیں، کہ ہمارے ہاں جنھیں شرفاء کہا جاتا ہے، ان کی بہو بیٹیاں ناچ گانا سیکھتی ہیں اور اسے اپنے کلچر کا حصّہ سمجھتی ہیں، حد تو یہ ہے کہ ہماری وزیرِ اعظم کا بیٹا اور بیٹی سرِعام

---

[1] نیل الاوطار ص ۱۰۰ جلد ۸ [2] ترمذی شریف

سرِ عام ڈانس کرتے ہیں اور اس چیز کو ان کی ذہانت اور کمال کی دلیل بتایا جاتا ہے واہ میری قوم واہ! مغرب پرستی نے تیرے مزاج کو کس قدر بگاڑ کر رکھ دیا ہے کہ تو بے حیائی کو اپنی ثقافت اور دیوثی کو اپنا کلچر سمجھنے لگی ہے۔

زبان کی پاکیزگی

آنکھ، کان کے ساتھ زبان کی پاکیزگی بھی ضروری ہے یہ زبان اللہ تعالے کی بہت بڑی نعمت ہے، انسان بلا تکلف، اسکے ذریعے ما فی الضمیر کا اظہار کرتا ہے، زبان کا صحیح استعمال انسان کو اللہ کا محبوب اور مقرّب بنا دیتا ہے اور اس کا غلط استعمال انسان کو مبغوض اور مردود بنا دیتا ہے۔ سو سال کا کافر جو جہنم میں جانے کا مستحق ہو چکا تھا۔ وہ اگر سچے دل سے صرف ایک بار اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ محمدا رسولُ اللّٰہِ پڑھ لے اور پھر اس کا انتقال ہو جائے اگرچہ اس نے ایک نماز بھی نہ پڑھی ہو ایک روزہ بھی نہ رکھا ہو، ایک پیسہ بھی اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا ہو، ایک حج اور عمرہ بھی نہ کیا ہو، ایک بار جہاد میں نہ جا سکا ہو، تو وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک مرتبہ زبان سے "سُبْحَانَ اللّٰہِ" کہتا ہے تو اس کے میزانِ عمل کا آدھا پلڑا ہو جاتا ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہتا ہے تو اس کے لئے جنت میں ایک طویل و عریض درخت لگا دیا جاتا ہے۔ اگر کسی کی نماز کی غلطی درست کر دی۔ تو وہ جب تک نماز پڑھتا رہے گا، اسے ثواب ملتا رہے گا۔ کسی پریشان انسان کے دل کی تسلی کے لئے کوئی بات کہہ دی تو کہنے والے نے اپنے لئے جنت میں جانے کا سامان کر لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من عزّی ثکلی کسی بردا فی الجنّة: جس عورت کا بیٹا گم ہو گیا ہے یا مر گیا ہو اسے جس نے تسلی دی، اللہ تعالے اسے جنت میں

جوڑا پہنائے گا۔ ؎۱

اس زبان سے قرآن کی تلاوت کرتا ہے، استغفار کرتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے۔ دعا کرتا ہے، امر بالمعروف کرتا ہے، نہی عن المنکر کرتا ہے، کسی کو دین کی کوئی بات سکھاتا ہے یا سیکھتا ہے تو اپنے درجات کو بلند کرتا ہے، اپنے آپ کو پاک رکھنے کا سامان کرتا ہے۔ لیکن اگر زبان کو ناجائز اور گندی باتوں کے لئے استعمال کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، کسی پر بہتان لگاتا ہے، کسی کا دل دکھاتا ہے، گالی بکتا ہے، گانے گاتا ہے تو وہ گویا اپنے لئے جہنم کا ایندھن اکٹھا کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

هَلْ يكبّ النّاس فى النّارِ على وجوههم الاحصائد اَلْسِنَتهم ؎۲

یعنی بہت سے لوگ اپنی زبان کے کرتوتوں ہی کی وجہ سے جہنم میں چہرے کے بل گرائے جائیں گے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله صلّى الله عليه وَسلّم مَن يّضمن لى مابَيْنَ لِحيَيه ومابين رجليه اضمن له الجنة ؎۳

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو مجھے اس چیز کی ضمانت دیدے جو دو جبڑوں کے درمیان ہے اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

غیبت اور بہتان

ہم میں سے اکثر لوگ زبان کے استعمال میں بہت زیادہ بے احتیاطی کرتے ہیں، بالخصوص غیبت اور بہتان تراشی ایسا گناہ ہے جس میں کئی اچھے خاصے نیک لوگ بھی ملوث ہیں حالانکہ

؎۱ ترمذی حدیث ۱۰۷۶ ؎۲ ترمذی حدیث نمبر ۲۶۱۶ ؎۳ صحیح بخاری

غیبت وہ گناہ ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زنا سے بھی بدتر گناہ قرار دیا ہے۔ ؎

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کرنے والا اگر اپنے جرم پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لے تو اس کا گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ لیکن غیبت ایک ایسا گناہ ہے جو اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی ہو۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ چونکہ جس شخص کی برائی ہم کر رہے ہیں وہ برائی تو واقعتاً اس کے اندر پائی جاتی ہے لہٰذا اسکے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ حضور علیہ السلام نے غیبت کی تعریف یہ بیان کی ہے:۔

ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَہُ

تمہارا اپنے بھائی کے بارے میں ایسی باتیں بیان کرنا جنھیں وہ ناپسند کرتا ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر واقعی وہ عیب اس میں پایا جاتا ہو تو کیا اس کا بیان کرنا بھی غیبت ہے، آپؐ نے جواب دیا:۔

اِن کَانَ فِیہِ مَا تقول فقد اغتبتہ واذا قلت مالیس فیہ فقد بھتّہ ؎

اگر واقعی وہ عیب اس میں موجود ہو تو اس کا اظہار غیبت ہے اور اگر جو کچھ تم کہہ رہے ہو، وہ اس میں نہ ہو تو یہ بہتان تراشی ہے

جھوٹ اور فحش گوئی

جیسے غیبت اور بہتان تراشی سے زبان ناپاک ہوتی ہے، اسی طرح جھوٹ بولنے لعن طعن کرنے، گالی گلوچ اور فحش گوئی سے بھی زبان ناپاک ہو جاتی ہے، ہم جس آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں وہ ان چیزوں سے بہت بچنے والے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

؎ [illegible]

لم یکن رسول اللہ صلی اللہُ علیہ وَسَلَّمَ فاحشًا ولا لعّانًا ولا سَبّابًا کان یقول عند المعتبۃ مالہ ترب جبینہ ۔ ؎	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک فحش گوئی، لعن طعن، گالی گلوچ سے پاک تھی، ناراضگی کے وقت بس یہ فرماتے تھے، اسے کیا ہوگیا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو،

جب کہ ہم میں سے بعض کا یہ حال ہے کہ فحش گوئی ان کی عادت ثانیہ بن چکی ہے وہ بلا مقصد ایسے ہی گالیاں بکتے رہتے ہیں، دوست احباب کو، حیوانوں کو، پرندوں کو، یہاں تک کہ بے جان چیزوں کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔ زبان ایسی گندی ہو گئی ہے کہ گندگی کے سوا کسی دوسری بات میں مزہ ہی نہیں آتا، بہت سارے ماڈرن نوجوان ہیں۔ جن کی زبانوں پر فحش گانوں کے بول رہتے ہیں وہ چلتے پھرتے کچھ نہ کچھ گنگناتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کو جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی ہے، یہ ساری باتیں زبان کو ناپاک کرنے والی ہیں، زبان کو پاک کرنے اور پاک رکھنے کے لئے سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ زبان کو غیبت چغلی سے، بہتان تراشی اور عیب جوئی سے، فحش باتوں اور جھوٹ سے بچایا جائے، اسکے بعد یہ کیا جائے کہ زبان کو ذکر و فکر و تلاوت اور دعاء و استغفار میں مصروف رکھا جائے ——— اور کچھ نہیں تو کم از کم خاموش ہی رہا جائے کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے :———

"جو چپ رہا اس نے نجات پائی"۔ ؎

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابو ذر غفاری رضؓ سے فرمایا :———
"خاموش رہا کرو کیونکہ خاموشی شیطان کو دور کرتی ہے اور دین کے

؎ بخاری و مشکوٰۃ شریف ؎ احمد و ترمذی

کاموں میں مددگار ہوتی ہے"۔ [1]

ہر وقت اناپ شناپ بغیر سٹاپ بولتے رہنا بھی انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو بولتے وقت یہ سوچتے ہی نہیں کہ ان کی زبان سے کیا نکل رہا ہے، سچ نکل رہا ہے، جھوٹ نکل رہا ہے، کسی کی غیبت اور چغلی تو نہیں ہو رہی، کوئی ایسی بات تو زبان سے نہیں نکل رہی جس کی وجہ سے میرا ایمان خطرے میں پڑ جائے ——— یہ سوچنے کا انہیں موقعہ ہی نہیں ملتا وہ تو بس بولتے چلے جاتے ہیں، جب تک جاگتے رہتے ہیں بولتے رہتے ہیں، ہاں نیند آجائے تو پھر مجبوری ہے بلکہ بیداری میں زیادہ بولنے والے نیند میں کچھ نہ کچھ بڑبڑاتے ہی رہتے ہیں

دماغ کی پاکیزگی

ایک اور بات بھی ذہن میں رکھیے گا وہ یہ کہ دماغ کو فاسد اور گندے خیالات اور وساوس سے بھی پاک رکھیں، دیکھیں۔ ایک تو ہیں غیر اختیاری وسوسے جو خود بخود ذہن میں آجاتے ہیں، ان پر تو کوئی اختیار نہیں، کیونکہ اللہ تعالٰے نے انسان کو اسی چیز کا مکلف بنایا ہے جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو، لیکن جو چیز اسکے اختیار میں نہ ہو، اس کا وہ مکلف بھی نہیں،

دوسری قسم کے وساوس وہ ہوتے ہیں جو انسان جان بوجھ کر اپنے ذہن میں لاتا ہے، کسی گناہ کا تصوّر دل میں بٹھایا اور پھر مسلسل اسی کے بارے میں سوچتا رہا، کسی کو مجازی معشوق بنالیا پھر اسی کے بارے میں سوچنے کو اپنا شغل بنالیا، جن لوگوں کو خیالی پکاؤ پکانے اور گندی باتیں سوچنے کی عادت پڑجاتی ہے ان کی بھی عجیب حالت ہوجاتی ہے۔ بسا اوقات تو وہ دماغی بیماریوں میں مبتلا ہو

---

[1] بیہقی

جاتے ہیں۔ جن کا اثر ظاہری صحت اور جسم پر بھی ضرور پڑتا ہے، اپنی سوچوں کا رُخ نیک کاموں اور جائز باتوں کیطرف موڑنے کی کوشش کیجیئے اگر پھر بھی وساوس آئیں تو اللہ تعالےٰ سے وہی دعا کیجیئے جو ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَكَ وَذِکْرَكَ وَاجْعَلْ ھِمَّتِیْ وَھَوَایَ فِیْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اے اللہ! میرے دل کے وسوسوں کو اپنے خوف اور ذکر سے بدل دے اور میرے خیالات اور خواہشات کا رُخ اپنی مرضیات کی طرف پھیر دے، مَیں وہی کچھ سوچوں جو تو پسند کرتا ہے، میں ایسی چیزوں کی خواہش کروں، جن سے تو راضی ہوتا ہے۔ میرے قلب و دماغ میں وساوس کے بجائے تیری خشیت اور خوف آجائے"۔

لمبی دعا یاد نہ ہو سکے تو کم ازکم اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہی پڑھ لیا کریں۔

غذا کی پاکیزگی

یہ نکتہ ذہن میں ضرور رکھیں کہ دل میں گندے خیالات عام طور پر اس وقت ضرور پیدا ہوتے ہیں جب انسان کی غذا پاک نہ ہو، حرام اور ناپاک غذا کھانے سے دل میں ظلمت پیدا ہوجاتی ہے اور اس ظلمت کے نتیجے میں دوسرے گناہ کرنے کے تقاضے اور شوق پیدا ہوتا ہے، ہمارے بزرگوں میں ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ گذرے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی جگہ میں کھانے کے ایک دو لقمے کھالئے تھے وہ کھانا کچھ مشتبہ تھا۔ اس کے حرام ہونے کا کچھ شبہ سا تھا۔ ان ایک دو لقموں کی ظلمت مہینوں دل میں محسوس ہوتی رہی، بار بار

خیالات دل میں آتے رہے، گناہ کے داعیے دل میں پیدا ہوتے رہے اور گناہ کی رغبت ہوتی رہی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح چونکہ پاک دل والے انسان تھے، ان کی ایمانی حس کمزور نہ تھی، اس لئے انہیں مشتبہ کھانے کے ایک دو لقموں کی ظلمت مہینوں دل میں محسوس ہوتی رہی، لیکن حرام کھا کھا کر چونکہ ہماری ایمانی حس کمزور پڑ چکی ہے۔ اس لئے ہمیں ظلمت کا احساس نہیں ہوتا۔ جب کہ یہ بات تو دیکھی بھالی ہے کہ حرام خوری کیوجہ سے انسان سے نیک اعمال کی توفیق سلب ہو جاتی ہے، اس کے دل میں ایسی قساوت اور ظلمت آجاتی ہے کہ نہ تو اس پر قرآنی آیات اثر کرتی ہیں اور نہ ہی احادیث نبویہ کا اس پر کوئی اثر ہوتا ہے، جنت کے تذکرہ سے اسکے دل میں کوئی امنگ پیدا نہیں ہوتی اور جہنم کے تذکرہ سے کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا۔

ناپاک غذا استعمال کرنے کی وجہ سے اس کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ایسے شخص کا تذکرہ کیا ہے جو لمبا سفر کر کے آتا ہے، اسکے بال پراگندہ ہیں اور جسم غبار آلود ہے وہ آسمان کیطرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہتا ہے "یا رب یا رب"، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، پس اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ [۱]

دنیا میں وہ دعا اور عبادت کی قبولیت سے محروم ہو جاتا ہے اور آخرت میں وہ مغفرت اور بخشش سے محروم کر دیا جائے گا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ گوشت جو حرام سے پلا ہے، اس کے لئے جہنم زیادہ مناسب ہے۔ [۲]

[۱] مسلم [۲] مشکوٰۃ شریف

پاکیزہ غذا کا اثر

حرام کے برعکس پاکیزہ غذا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل میں نور اور رقّت و لطافت پیدا ہوتی ہے، اللہ کا فرمان اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سننے سے عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا — اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

یہ حکم کسی ایک رسول کو نہیں بلکہ تمام انبیاء و رُسل کو دیا گیا کہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ علماء نے اس آیت سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ پاکیزہ غذا اور نیک اعمال میں گہری مناسبت ہے ورنہ کھانے کا حکم دے کر عمل صالح کا حکم دینے میں کیا تُک ہے، پاک روزی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کو پاک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔

ناپاک غذا کے دنیاوی اثرات

حرام اور ناپاک غذا کھانے سے انسان کا صرف دین ہی خراب نہیں ہوتا بلکہ اس کی دنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے، رزق میں برکت نہیں رہتی، اولاد نافرمان ہو جاتی ہے، گھر سے سکون عنقا ہو جاتا ہے، اخلاق خراب ہو جاتے ہیں، صحت تباہ ہو جاتی ہے، طرح طرح کی بیماریاں آگھیرتی ہیں۔

ہمارے رحیم و کریم رب نے ہمارے لئے جن جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تو ان سے پرہیز کرنے میں ہمارا ہی فائدہ اور ہماری ہی بھلائی ہے۔ مثلاً ہمیں کتے کا جھوٹا استعمال کرنے سے منع کیا گیا اور بتایا گیا کہ وہ ناپاک ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے، کتے کے لعاب میں باؤلاپن کے جراثیم ہوں، اور اس کا جھوٹا استعمال کرنے سے وہ جراثیم انسان کے جسم

میں داخل ہو جائیں۔

یا مثلاً ہمیں حکم دیا گیا کہ جب تک جانور کے گوشت کو ذبح کے ذریعے سے پاک نہ کر لیا جائے تو اس کا گوشت استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اگر جانور طبعی موت مر جائے تو ظاہر ہے کہ عالم اسباب میں کسی نہ کسی بیماری کی وجہ سے اسے موت آئی ہوئی تو اس کا گوشت کھانے سے وہ بیماری کھانے والے میں منتقل ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اس کا خون اس کے جسم میں جم کر رہ جائیگا، جس میں جراثیم بھی ہوں گے اور ہمارا رحیم وکریم مالک یہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے بندے جراثیم سے آلود، گوشت کھائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ:

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ

پس اسی جانور کا گوشت تم کھا سکتے ہو جس کو تم ذبح کے ذریعے پاک صاف کر لو۔

یوں ہی ہمیں خنزیر کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ

فَاِنَّهٗ رِجْسٌ

وہ سراسر گندگی اور نجاست ہے، دیوثی اور بے غیرتی میں وہ اپنی مثال آپ ہے، اگر تم اسے کھاؤ گے تو اس کی نجاست اور دیوثی کے اثرات تمہارے اخلاق کو بھی متأثر کر سکتے ہیں

اور آج ہم یہ بھی سن رہے ہیں کہ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے، کہ خنزیر کا گوشت کھانے سے مقعد میں ایسا کینسر ہو جاتا ہے جو لا علاج ہے، غرضیکہ جتنی بھی ناپاک غذائیں ہیں، ان کے استعمال کرنے میں دینی نقصان تو ہے، دنیاوی نقصانات بھی بیشمار ہیں یہ الگ بات ہے کہ یہ نقصانات انسان کو آہستہ آہستہ سمجھ میں آ رہے ہیں، غرضیکہ دل و دماغ کو پاک رکھنے کے لئے

امراض باطنی سے بچاؤ بھی ضروری ہے۔ اختیاری وساوس سے اجتناب بھی لازمی ہے، نظر، کان اور زبان کی حفاظت بھی ضروری ہے اور پاک غذا کا استعمال کرنا بھی لازمی ہے۔

ظاہری پاکیزگی

اسلام نے جہاں دل کے تزکیہ، دماغ کی تطہیر اور نظر، کان اور زبان کی حفاظت کا حکم دیا ہے، وہیں ظاہر کو بھی پاک صاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام میں نہ تو رہبانیت ہے، اور نہ ہی میلا کچیلا رہنا کوئی کمال کی بات ہے۔ جیسا کہ بعض خود ساختہ ملنگوں اور فقیروں نے سمجھ رکھا ہے اور یہ لوگ مہینوں غسل نہیں کرتے اور نہ ہی کپڑے بدلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا مجاہدہ اور ریاضت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ ان کی نری حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اس لئے اُتارا ہے تاکہ ہم غسل کریں اور اپنے آپ کو پاک صاف رکھیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جسم سے میل کچیل کو دُور کرو، فرمایا: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ [1] پھر چاہیئے کہ اپنے بدن سے میل کچیل کو دور کریں۔ ہمیں اپنا لباس بھی پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ — اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھیئے

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ [2] — اور پلیدی سے دُور رہیئے

یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے قبا میں ایسے مسلمان تھے جو جسمانی صفائی کا خوب اہتمام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں ان کا خاص طور پر ذکر فرمایا:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○ [3] — اس میں ایسے آدمی ہیں جو خوب پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک صاف

---

[1] سورۃ غافر [2] سورہ مدثر [3] التوبہ

رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خوب پاک صاف رہتے تھے، آپ کے لباس پر پیوند تو ہوتے تھے مگر وہ میلا کچیلا نہیں ہوتا تھا۔ آپ بالوں میں کنگھی کرتے تھے، سُرمہ لگاتے تھے، خوشبُو استعمال فرماتے تھے، دانتوں میں مسواک کرتے تھے اور صفائی کے یہ سارے انداز اور طریقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضؓ میں بھی پائے جاتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ جب سے اسلام قبول کیا، روزانہ ایک بار غسل کرتے تھے، سخت سے سخت حالت میں بھی صحابۂ کرام رضؓ کو صفائی کا خیال رہتا تھا، جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ گرفتار کر لئے گئے، اور مشرکین نے انھیں قتل کرنا چاہا، تو انہوں نے اس آخری وقت میں بھی صفائی کے لئے استرہ طلب کیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضؓ کے نزع کا وقت آیا تو انھوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس کپڑے میں مریگا، اسی میں اس کا حشر ہوگا، تو میں چاہتا ہوں کہ صاف ستھرے کپڑوں میں اللہ کے حضور پیش ہوں۔ اِسلام نے نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کا طریقہ رکھا ہے، جنابت اور انزال کی صورت میں غسل کا حکم دیا ہے، جمعہ اور عیدین کے لئے غسل کرنا اچھے کپڑے پہننا اور خوشبُو لگانا مستحب ہے۔ یہ تمام احکام اسی لئے دئے گئے ہیں۔ تاکہ مسلمان پاک صاف رہیں۔

پاکیزہ ترین مذہب

اگر آپ صرف پاکیزگی کے اعتبار ہی سے اِسلام کا موازنہ دوسرے مذاہب سے کریں تو یقیناً تسلیم کریں گے کہ اِسلام دنیا کا پاکیزہ ترین مذہب ہے، دنیا میں ایسے مذاہب

بھی ہیں، جن کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ جسم کے کسی بھی حصے سے بال نہ کاٹے جائیں ۔ بتلائیے جب بال نہیں کاٹے جائیں گے تو صفائی کیسے حاصل ہو سکے گی ۔ انگریز بڑے مہذّب اور صفائی پسند کہلاتے ہیں، لیکن ان کے ہاں وضو اور غسل جنابت کا کوئی تصور نہیں ۔

ظاہری طور پر تو وہ لیپا پوتی کر لیتے، پرفیوم بھی چھڑک لیتے ہیں، لیکن ان کے ہاں جو کچھ صَفائی ہے وہ دکھاوے کی صفائی ہے حقیقی صفائی نہیں، ہفتوں اور مہینوں نہ لباس بدَلتے ہیں، نہ غسل کرتے ہیں، استنجاء پانی سے نہیں کیا جاتا بلکہ ٹشو پیپر سے کیا جاتا ہے ۔ اس سے خاک صفائی ہو گی کتے ہر وقت ان کے ساتھ رہتے ہیں کھاتے بھی ساتھ ہیں اور سوتے بھی ساتھ ہیں ۔ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں، کھڑے کھڑے پیشاب کر لیتے ہیں ۔ اور بعض بدبخت تو پتلون میں ہی فارغ ہو جاتے ہیں ۔

اگرچہ ہم احساسِ کمتری کی وجہ سے ہر انگریز کو کوئی بالائی مخلوق سمجھ لیتے ہیں اور بعض دَنیّ الفطرت لوگوں کو ان کی بدبُو سے بھی خوشبُو آتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی پاک صاف نمازی مسلمان کے لئے چند منٹ بھی کسی عام انگریز کے ساتھ کھڑا ہونا مشکل ہے، منہ سے شراب کے بھبھوکے اور جسم سے غلاظت کی بدبُو اٹھتی ہے تو طبیعت متلانے لگتی ہے ۔ ہندو پنڈتوں اور جوگیوں کو دیکھ لیں، صفائی کا کوئی اہتمام نہیں ہو گا بلکہ ان کی سوچ یہ ہے کہ مہینوں غسل نہ کرنے اور گندا رہنے سے بھگوان خوش ہوتا ہے ۔ غرضیکہ اس گئے گذرے دَور میں بھی آپ کسی بھی سوسائٹی، کسی بھی معاشرہ اور کسی بھی مذہب والوں کے ساتھ مسلمانوں کا موازنہ کر کے دیکھ لیں ۔ انشاء اللہ آپ پاکیزگی اور صفائی میں مسلمانوں کو پیش پیش پائیں گے اگرچہ بعض مسلمان گندے رہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے انہیں

گندا رہنے کا حکم دیا ہے

ماحول کی صفائی

خاص طور پر ماحول کی صفائی کے اعتبار سے مسلمان اور بالخصوص ہم پاکستان کے مسلمان بہت پیچھے ہیں، گلیوں اور بازاروں میں کوڑا کرکٹ ڈال دیا جاتا ہے، جہاں چاہتے ہیں پیشاب کر دیتے ہیں

بعض جگہ لکھا ہوتا ہے کہ یہاں پیشاب کرنا منع ہے مگر ہمارے بھائی

مگر ہمارے بھائی ایسی جگہوں پر تو ضرور ہی پیشاب کرتے ہیں

گاڑیاں دھواں چھوڑتی ہوئی جاتی ہیں اور فضاء کو غلیظ کرتی ہیں

پانی صاف مہیّا نہیں ہوتا

کھانے پکانے میں صفائی کا اہتمام نہیں ہوتا۔

یہ مسائل سارے مسائل ہمارے سامنے ہیں

اور صاف بات یہ ہے کہ اس معاملے میں یورپ والے ہم سے آگے ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ کمزوری ہے یہ مسلمانوں کی کمزوری ہے

اسلام نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی۔

وہ مذہب جس میں پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔

کیا وہ ہمیں اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ہم جہاں چاہیں کوڑا کرکٹ پھینک دیں۔

وہ دین جس میں یہ جامع اُصول بتا دیا گیا ہے کہ

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِی الْإِسْلَامِ

اسلام میں نہ کسی کو نقصان پہنچانے کی اجازت ہے

اور نہ ہی خود کو

ایسا دین کیا ہمیں اجازت دے سکتا ہے کہ ہم گاڑیوں سے دھواں چھوڑ کر عوام کی صحت کو نقصان پہنچائیں

وہ ابدی قانون جو ہمیں ایسے پانی سے ہاتھ پاؤں دھونے کی اجازت نہیں دیتا۔ جس کا رنگ، مزہ اور بو تبدیل ہو چکی ہو، کیا وہ ہماری حکومت کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ عوام کو آلودہ پانی پینے کے لئے فراہم کرے۔

اللہ کا وہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم جس نے راستے میں پیشاب کرنے سے اور دوسرے مسلمان کو تکلیف دینے سے منع کیا ہے

کیا وہ ہمارے لئے یہ جائز قرار دے سکتا ہے کہ ہم مسجدوں، دوکانوں اور دوسروں کے مکانوں کی دیواروں کے پاس پیشاب کریں۔

ایسا کرنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ان کے

اس عمل سے فضا خراب ہوتی ہے۔

ماحول خراب ہوتا ہے۔

گندگی اور غلاظت پھیلتی ہے

صحت تباہ ہوتی ہے۔

مسجد کی بے ادبی اور بے احترامی ہوتی ہے۔

دوسرے مسلمانوں اور عام انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے

مسلمان بدنام ہوتے ہیں، اسلام بدنام ہوتا ہے۔

کفّار طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے شہر اور دیہات غلاظت کے اشتہار ہوتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے تو ہمیں اس کی اجازت نہیں دی بلکہ اس سے منع کیا ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَۃَ الْبَرَازَ فِی الْمَوَارِدِ وَقَارِعَۃِ الطَّرِیْقِ وَالظِّلِّ (مشکوٰۃ ص ۳۵)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین لعنت کے مقامات میں رفع حاجت سے پرہیز کرو، دریاؤں کے گھاٹ، عام راستہ اور سایہ کی جگہیں۔

یعنی ان تین مقامات پر رفع حاجت کرنے سے انسان اللہ تعالے کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ویسے ہی ایسی جگہ رفع حاجت کرنا بڑی بے شرمی کی بات ہے، جہاں عام پبلک کی آمد و رفت رہتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ دریا میں رفع حاجت سے پانی آلودہ ہوگا اور اس کا پینا مضر صحت ہوگا۔ انسان تو انسان حیوان کو بھی اپنے بول و براز سے پریشان کرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ جُحْرٍ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جانوروں کے بل میں پیشاب نہ کرے

جانوروں کے بل میں پیشاب کرنے سے ایک تو اس لئے منع کیا تاکہ کوئی موذی جانور پیشاب کرنے والے کو ڈس نہ لے، دوسرے اس لئے تاکہ اس بل میں رہنے والے جانوروں کو تکلیف نہ ہو،

ماحول کی صفائی کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ گھر، محلے، شہر اور پورے ملک کو بھی صاف رکھنا ضروری ہے، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو گھر کی صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم بعض اوقات خود ہی صفائی کر لیا کرتے تھے اور یہ تو آپ حضرات نے سنا ہی ہوگا کہ جب آپ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ

---

[1] ابو داؤد ص ۳۵

تشریف لائے تو شہر کے ماحول کی پاکیزگی کے لئے آپؐ نے کتوں کے مارنے کا حکم دے دیا تھا، کیونکہ کتوں کی وجہ سے بھی کئی ساری بیماریاں پھیلتی ہیں بالخصوص باؤلا کتا تو جان تک کے لئے خطرہ ہوتا ہے۔

خاندانی پاکیزگی

جب ہم پاکیزگی کی بات کرتے ہیں تو ازدواجی اور خاندانی زندگی کی پاکیزگی کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے

اسلام میں ازدواجی زندگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیے کہ قرآن کریم میں عام طور پر صرف اصول بیان کئے جاتے ہیں۔ جزئیات بیان نہیں کی جاتیں۔

مثلاً نماز جو دین کا ستون ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں سینکڑوں بار آیا ہے لیکن نماز کی رکعات اور جزدی مسائل کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم تو ہے مگر زکوٰۃ کے نصاب اور فرضیت کی شرائط کا کوئی تذکرہ نہیں، یہی حال روزہ اور حج کا ہے کہ ان کی جزئیات قرآن میں مذکور نہیں، لیکن خاندانی اور ازدواجی تعلقات کی اسلام میں اس قدر اہمیت ہے کہ قرآن کریم نے اس کے جزدی مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ اسلئے کہ یہ تعلقات پورے تمدّن کی بنیاد ہیں۔ اگر گھریلو اور خاندانی زندگی پاک ہوگی تو اس کا اثر اولاد پر بھی پڑے گا۔ اور پورے معاشرہ پر بھی اسکے اثرات ظاہر ہوں گے۔ آج معاشرے کے بگاڑ کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری گھریلو اور خاندانی زندگی پاکیزہ نہیں رہی۔

ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے، حیا کے اُٹھ جانے اور بے پردگی کے عام ہو جانے کی وجہ سے گھروں اور خاندانوں میں بگاڑ اور فساد آگیا ہے۔

ٹی وی، وی سی آر، یورپ کی نقالی، فلموں اور ڈراموں نے ہمارے خاندانی نظام کو تباہ کرنے اور گھریلو ماحول کو ناپاک بنانے میں خصوصی کردار ادا کیا ہے

تعلیمی ادارے

گھر اور خاندان کے بعد انسان، تعلیمی اداروں میں کچھ سیکھ سکتا ہے اور اپنی تربیت کر سکتا ہے مگر آج ہمارے اسکول اور کالج بھی پاک نہیں رہے۔

نصاب کو دیکھیں تو وہ لارڈ میکالے کا تیار کردہ ہے، جو ہمیں پڑھے لکھے بابو تو مہیا کر سکتا ہے، لیکن دین کا درد رکھنے والے مسلمان بمشکل ہی فراہم کر سکتا ہے

اسکول کے ماحول کو دیکھیں تو آپ کو ہر طرف گندگی نظر آئے گی۔

مخلوط تعلیم کی وجہ سے وہ وہ برائیاں ظاہر ہوتی ہیں کہ شرافت اور حیاء سر پیٹ کے رہ جائے۔

اگر تعلیمی اداروں میں پاکیزگی ہوتی تو شاید ہمیں ملک سے محبت اور دین سے تعلق رکھنے والے لیڈر مل جاتے لیکن آج ہمیں غدّارِ وطن، غدارِ دین اور غدّارِ قوم لیڈروں سے واسطہ پڑتا ہے

سیاست کی پاکیزگی

ہماری سیاست میں جس قدر گندگی آگئی ہے، شاید ہی کسی شعبے میں ہو،

ضمیر فروشی

ایمان فروشی

قوم فروشی

اور ملک فروشی

وہ وہ کون سی فروشی ہے جو ہمارے لیڈروں میں نہیں پائی جاتی۔

عوامی بلکہ اب تو پارلیمانی زبان میں بھی ان کو ہارس، لفافے اور لوٹے
کہا جاتا ہے
لوٹا کریسی ہماری سیاست کا لازمی جزو بن گئی ہے
پاکستانی قوم میں ملک سے محبت اور دین کا درد رکھنے والے افراد کی کمی نہیں
لیکن اسے لیڈر شپ ایسی ملی ہے جو نہ ملک سے مخلص ہے
نہ قوم سے مخلص ہے
اور نہ ہی اللہ اور رسول سے مخلص ہے
اگر ہماری سیاست گندگی سے پاک ہو جائے تو ہمارے بہت سارے
ملکی اور اجتماعی مسائل خودبخود حل ہو جائیں۔

ہر شعبۂ حیات میں پاکیزگی

میرے بزرگو اور دوستو! اگر ہم پاکیزگی کے مفہوم کو وسعت دیں
تو زندگی کے ہر شعبے میں اس کی اہمیت اور ضرورت ہم کو محسوس ہوگی
باطن سے لے کر ظاہر تک اور گھر سے لے کر باہر تک کسی بھی جگہ پاکیزگی
کی اہمیت و عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔
دل کو پاک رکھنا ضروری ہے - شرکیہ عقائد سے تکبر حسد اور خود پسندی سے
بخل اور کینہ جیسے باطنی امراض سے، - نظر کو پاک رکھنا ضروری ہے
ہر اس منظر کے دیکھنے سے
جس کے دیکھنے سے اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے
کان کو پاک رکھنا ضروری ہے۔
غیبت اور چغلی سے - میوزک اور گانے سننے سے۔
زبان کو پاک رکھنا ضروری ہے۔
بہتان تراشی، فحش گوئی اور لعن طعن سے

دماغ کو پاک رکھنا ضروری ہے، اختیاری شیطانی وساوس سے۔

جسم اور لباس کو پاک رکھنا ضروری ہے۔

نجاست اور گندگی سے، تجارت کو پاک رکھنا ضروری ہے

ناپ تول میں ڈنڈی مارنے اور جھوٹ اور وعدہ خلافی سے

ملازمت کو پاک رکھنا ضروری ہے

بددیانتی اور مجرمانہ خیانت سے۔

عبادت کو پاک رکھنا ضروری ہے

ریاکاری اور شہرت پسندی کے جذبے سے

ماحول کو پاک رکھنا ضروری ہے آلودگی اور گندگی سے

گھر کو پاک رکھنا ضروری ہے

محرمات اور ممنوعات سے ملک کو پاک رکھنا ضروری ہے

غداروں، منافقوں اور اسلام دشمنوں سے۔

سیاست کو پاک رکھنا ضروری ہے

ضمیر فروشی، ابن الوقتی اور مفاد پرستی سے

تعلیم گاہوں کو پاک رکھنا ضروری ہے

لارڈ میکالے کے نصاب و نظام تعلیم سے

جب ان سب نجاستوں، غلاظتوں اور خباثتوں سے پاکیزگی نصیب

ہو جائے گی تو ہر فرد پاک ہو جائے گا۔

ہر گھر پاک ہو جائے گا۔ ہر محلہ پاک ہو جائے گا۔

ہر شہر پاک ہو جائیگا۔ پورا ملک پاک ہو جائے گا۔

اور پھر ہم دنیا میں جنت کے نظّارے دیکھیں گے۔ کیونکہ

بہشت آں باشد کہ آزارے نہ باشد
کسے را باکسے کارے نہ باشد

بہشت وہ ہے جس میں کوئی تکلیف نہ ہو، کسی کو کسی کے ساتھ کوئی تعلق اور کوئی دشمنی نہ ہو ——— اور یقین کریں کہ ہر شعبے میں پاکیزگی کے بعد ایسی ہی کیفیت ہوگی۔

پہلے اپنی فکر کیجئے

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک پورا ملک پاک نہیں ہو جاتا، ہم پاک نہیں ہوں گے۔ آپ سب سے پہلے اپنی فکر کیجئے، اپنی ذات کو، اپنے کردار کو، اپنے کاروبار کو، اپنے کانوں کو، اپنی زبان کو، اپنی آنکھوں کو اپنی تجارت اور ملازمت کو، اپنے گھر کو گندگیوں سے پاک کر لیجئے، انشاء اللہ تعالےٰ دوسروں کو بھی دیکھا دیکھی توفیق مل جائے گی۔

ہماری معاشرتی زندگی کا ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ ہماری سوچ کا یہ انداز بن گیا ہے کہ چونکہ دوسرے قانون کی پابندی نہیں کرتے، لہٰذا میں بھی نہیں کروں گا۔

چونکہ دوسرے پاکیزگی کا اہتمام نہیں کرتے
لہٰذا میں بھی نہیں کروں گا۔

چونکہ دوسرے گلی اور بازار میں گندگی ڈالنے سے اجتناب نہیں کرتے،
لہٰذا میں بھی نہیں کروں گا۔

چونکہ دوسرے شہر کی دیواروں اور گلی کوچوں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے
اسلئے میں بھی نہیں رکھوں گا۔

حالانکہ ہماری یہ سوچ قطعاً غلط اور لغو ہے۔

کبھی ہم نے سوچا کہ چونکہ شہر میں بیسیوں خاندان مناسب غذا سے محروم ہیں، لہذا میں بھی کھانا نہیں کھاؤں گا۔

چونکہ سینکڑوں افراد کو علاج معالجہ میسّر نہیں اسلئے میں بھی اپنا علاج نہیں کراؤں گا۔

چونکہ ہزاروں انسانوں کو ڈھنگ کا لباس مہیا نہیں ہو سکا اس لئے میں بھی ڈھنگ کا کپڑا نہیں پہنوں گا۔

چونکہ لاکھوں مرد و زن گاڑی سے محروم ہیں

اس لئے میں بھی گاڑی پر سوار نہیں ہوں گا۔

حیرت کی بات ہے کہ ان چیزوں میں تو ہم نے کبھی بھولے سے بھی دوسروں کے ساتھ اپنا موازنہ نہیں کیا۔ لیکن جب قانون کی پابندی، دین پر عمل اور طہارت اور نفاست کی بات آتی ہے تو ہم دوسروں کی کمزوریوں کو اپنی بے عملی اور بدعملی کے لئے بہانہ بنا لیتے ہیں۔ آپ خود عمل کریں اور دوسروں کو تلقین کریں، آپ کا عمل آپ کی تلقین میں جان ڈال دے گا۔ چراغ سے چراغ جلے گا۔ دیئے سے دیا روشن ہو گا اور آہستہ آہستہ سینکڑوں ہزاروں کو عمل کی توفیق مل جائے گی۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کی سوچ یہ بن جائے کہ اگر میں ٹھیک ہو گیا تو سب ٹھیک ہو جائیں گے، اگر میں نے صفائی کا اہتمام شروع کر دیا تو سب اہتمام کریں گے۔ اگر میں نے پاکیزہ زندگی کا آغاز کر دیا تو سب کی زندگی میں پاکیزگی آجائے گی۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح فکر عطا فرمائے اور زندگی کے ہر شعبے میں پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔